انتباہ

یہ ایک فرضی کہانی ہے۔اس کہانی کے کرداروں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ۔نہ ہی ایسا کوئی سلطان سلطنت عثمانیہ میں تھا اور نہ ہی ایسی کوئی کہانی تاریخ کا حصہ رہی ۔

پچھتاوا

''ہم جا کہاں رہے ہیں؟'' وہ جو کافی دیر سے اسکے پیچھے چل رہی تھی آخر رک کر پوچھنے لگی۔ اسکے سامنے چلتا نوجوان اب بھی آگے بڑھ رہا تھا۔

''آؤ تو، تمہیں پسند آئے گا۔'' وہ چھوٹے اور ڈھیلے سفید کرتے اور سیاہ پاجامے میں ملبوس تھا۔ کرتے کے بازو مڑے ہوئے تھے۔ اسکی پشت لڑکی کی جانب تھی اور وہ بڑی پھرتی سے جنگل کے بیچ و بیچ چل رہا تھا۔ اسکے پیچھے موجود لڑکی تھک چکی تھی مگر ابھی تک اسکے ساتھ چل رہی تھی۔ کچھ دور جا کر وہ رکا۔ اسکے قریب کھڑی لڑکی بھی رک گئی۔

''یہ دیکھو'' اس نے ہاتھ سے دور کسی چیز کی طرف اشارہ کیا۔ وہ خوبصورت عمدگی سے تراشی ہوئی لکڑیوں سے بنایا گیا گھر تھا۔

''یہ کیا ہے؟''

''مجھے تو گھر لگ رہا ہے۔ کیوں تمہیں کیا لگ رہا ہے؟''

''عجیب باتیں مت کرو۔ یہ کس کا گھر ہے؟'' وہ اب آگے بڑھ رہی تھی۔ نوجوان بھی اسکے پیچھے آگے بڑھنے لگا۔

''سننے میں آیا ہے کہ کسی لکڑہارے اور اسکی نا جانے کب ہونے والی بیوی کا گھر ہے۔'' اسکے چلتے پاؤں رکے۔ اب وہ مڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔ لڑکے کے چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ تھی۔ اسنے مڑ کر ایک بار گھر کو دیکھا اور پھر دوبارہ لڑکے کو۔

''یہ تم نے بنایا ہے؟'' اسے جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ گھر اتنا بڑا یا حسین نہیں تھا مگر جس دور اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں اس طرح کا گھر بھی ایک بہت بڑی نعمت تھی۔ وہ آنکھوں میں موجود پانی کو انگلیوں کے

پوروں سے صاف کر کے گھر کی طرف بڑھی۔نو جوان بھی ایک بار پھر اسکے پیچھے چلنے لگا۔وہ اب گھر کے اندر داخل ہو چکے تھے۔آبادی سے دور سرسبز جنگل کے بیچ ایک خوبصورت چھوٹا گھر۔یہ اس معصوم لڑکی کی خواہش تھی جسے اس نے آج پورا کر دیا تھا۔گھر نہایت مہارت سے بنایا گیا تھا۔کسی نے بڑی محبت سے اسے بنایا تھا۔ماہفیر وز اس محبت کو محسوس کر سکتی تھی،وہ کر رہی تھی۔کچھ دیر ادھر ادھر دیکھنے کے بعد وہ زمین پر پڑے بڑے نرم تکیے پر آ کر بیٹھ گئی۔نو جوان بھی اس کے قریب ایک جانب بیٹھ گیا۔

''مجھے تمہیں کچھ بتانا تھا۔'' کافی دیر چپ رہنے کے بعد وہ بولنا شروع ہوئی۔نو جوان اب بڑی توجہ سے اسے سن رہا تھا۔

''مجھے کچھ دنوں کیلئے جانا ہے۔''

''کہاں؟'' وہ کرنٹ کھا کر سیدھا ہوا۔

''نانا کے پاس۔کافی دن رہوں گی وہاں۔''

''مت کرو،میں تمہیں تحفے دے رہا ہوں اور تم مجھے تکلیف۔'' وہ دونوں بازو پھیلا کر زمین پر گر گیا۔

''کچھ نہیں ہوتا،میں کوشش کروں گی جلدی آ جاؤں۔مگر وعدہ نہیں کر سکتی۔''

''کیا کرے گا یہ غریب لکڑ ہارا'' اس نے آہ بھری۔

''لکڑ ہارا مت کہا کرو خود کو اچھے خاصے عالم ہو تم۔طب تم نے پڑھا ہے،زبانیں تمہیں آتی ہیں۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''وہ تو بابا جان کا کمال ہے،ہاں مگر مجھے اپنا وہ پیشہ ہی پسند ہے۔جانتی ہو کیوں؟'' وہ کہنی زمین پر ٹکائے لیٹا رہا۔

''کیوں؟'' قریب پڑا تکیہ بڑی دلچسپی سے اپنی گود میں رکھ کر وہ پوچھنے لگی۔

''اگر لکڑ ہارا نہ ہوتا تو اس دن لکڑیاں کاٹتے ہوئے تم سے کیسے ملتا؟'' اسکے لہجے میں نرمی تھی۔

وہ دونوں مسکرا کر اب ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں کے ذہن میں وہی منظر تھا وہی جنگل وہی ہوائیں اور وہی دونوں۔

وہ کافی دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔ یوں لگتا تھا جیسے وقت بھی تھم سا گیا ہو۔

''ویسے تمہیں مجھے یوں اکیلے چھوڑ کر نہیں جانا چاہیئے۔ میں اپنے گاؤں کا سب سے حسین لڑکا ہوں۔ تمہارے ہاتھوں سے نکل گیا تو نقصان ہو جائیگا۔''

''سکندر!'' ماہفیروز نے اسے گھورا۔ وہ اسکی گھوری پر ایک بار پھر ہنسا۔

'ہنسو مت۔'' وہ کچھ بیزار سا منہ بنائے ہوئے تھی، پھر اچانک وہ اُٹھی اور دروازے کی جانب بڑھنے لگی۔

''میں چلتی ہوں۔ سب انتظار کر رہے ہوں گے۔'' اُس نے دھیمی آواز میں کہا اور آگے قدم بڑھا دیے۔

ابھی وہ چند قدم ہی چلی تھی کہ اُس کی سماعت سے سکندر کی آواز ٹکرائی۔

''کب تک آؤ گی۔؟'' اُس کی آواز میں عجیب سی بے بسی تھی۔

ماہ فیروز نے رُک کر پلٹ کر اُسے دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی چمک اٹھی۔

''مجھے نہیں معلوم''

''جلدی آنا میں انتظار کروں گا۔''

''مت کرنا، انتظار کرتے کرتے تھک جاؤ گے۔'' اُس نے بمشکل کہا، اور فوراً اپنا رُخ موڑ لیا۔

''زیادہ سے زیادہ قیامت تک کرنا پڑے گا، مجھے قبول ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ماہفیروز نے اسے مڑ کر نہیں دیکھا۔

وہ اُسے یہ نہیں بتا سکی کہ اب وہ اُس سے دوبارہ کبھی نہیں ملے گی۔

وہ اپنے نانا جان سے بات کر چکی تھی، اور وہ اُس لڑکے سے ملے بغیر ہی انکار کر چکے تھے۔

تیز قدموں سے وہ آگے بڑھنے لگی۔ پیچھے سے لڑکے کی آواز اب بھی اُس کا پیچھا کر رہی تھی۔

''میں تمہیں خط بھی لکھوں گا۔ جواب دینا''

مگر آہستہ آہستہ وہ آوازیں مدھم ہوتی گئیں اور وہ بہت دور نکل گئی۔

وہ گھوڑے پر سوار اپنے گاؤں کی جانب بڑھ رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ بوڑھا شخص قریب ہی ایک پتھر پر بیٹھا ہوا تھا۔ نہ جانے کیا سوچ کر وہ آج پہلی بار گھوڑے سے اُتر کر اُس کے قریب آ گیا۔

''یہاں کیوں بیٹھے ہیں آپ؟''

بوڑھے کی نگاہیں ایک ہی جگہ پر جمی ہوئی تھیں۔ اُس نے اُن نگاہوں کا تعاقب کیا تو دیکھا کہ وہ سامنے ایک قبر کو گھور رہا تھا۔ قبر خاصی پرانی معلوم ہوتی تھی۔ اُس کے سرہانے ایک چھوٹی سی لکڑی نصب تھی، جس پر کچھ لکھا ہوا تھا مگر وہ پڑھ نہ سکا۔ اُس لکڑی کے ساتھ ایک سرخ رومال بندھا ہوا تھا۔

''میں آپ سے بات کر رہا ہوں''

اُس نے بزرگ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

وہ دیکھنے میں زیادہ بوڑھا نہیں لگتا تھا۔ اُس کا جسم اس عمر میں بھی توانا تھا، وہ کوئی عام آدمی تو نہیں تھا۔

اُس کی سیاہ آنکھیں اب نوجوان کی نیلی آنکھوں میں گڑی ہوئی تھیں۔

نوجوان نے اُس کے بدلتے تاثرات کو غور سے دیکھا۔ اگلے ہی لمحے بزرگ نے اپنا رُخ موڑ لیا۔ ایک آنسو اُس کے گال پر بہہ نکلا، اور وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا نوجوان سے دور جانے لگا۔

''عجیب پاگل انسان ہے''

وہ بڑبڑایا اور واپس گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

ایک بار مُڑ کر اُس نے دور نظر آتی آبادی کو دیکھا۔ وہ ماہ فیروز کا گاؤں تھا۔ اُس کی سب سے قیمتی چیز وہیں تھی وہ کیسے مُڑ کر نہ دیکھتا؟

''بہت جلد ہم ایک ہوں گے''

اُس کا گھوڑا اب تیزی سے آبادی سے دور، دوسرے گاؤں کی طرف دوڑ رہا تھا۔
وہ بازو آنکھوں پر رکھے لیٹا ہوا تھا۔
''سکندر۔۔۔سکندر، باہر جا کر دیکھو کیا ہوا ہے۔۔۔لوگ نہ جانے کدھر جا رہے ہیں''
اُس کی ماں نے اُس کا کندھا جھنجھوڑ کر اُسے اُٹھانے کی کوشش کی۔
''والدہ کیا ہی ہوا ہو گا''
وہ بیزاری سے بڑبڑایا اور سست قدموں سے دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔
ابھی وہ دروازہ کھولنے ہی والا تھا کہ ایک توانا، مضبوط اور تقریباً چالیس پینتالیس برس کا شخص اندر داخل ہوا۔
''کیا ہوا ہے بابا یہ شور کیسا ہے؟'' سکندر نے چونک کر پوچھا۔
''کچھ نہیں بس ساتھ والے گل پری گاؤں پر حملہ ہو گیا ہے''
یہ الفاظ تھے یا پگھلا ہوا سیسہ سکندر کو سمجھ نہ آیا۔ جو ابھی کچھ لمحے پہلے نیند سے بیدار ہوا تھا، اُس کی آنکھوں سے نیند یکدم غائب ہو چکی تھی۔
اُس نے ایک قدم دروازے کی طرف بڑھایا۔۔۔پھر دوسرا۔۔۔اور پھر اچانک وہ تیزی سے دوڑنے لگا۔ پاگلوں کی سی حالت میں وہ بھاگ رہا تھا۔
''ہم ساتھ رہیں گے''
اُس کے ذہن کی اسکرین پر ماہ فیروز کی تصویر ابھر رہی تھی اُس کی ہنسی، اُس کے الفاظ، اُن کی آخری ملاقات۔
کیا وہ واقعی آخری ملاقات تھی؟
وہ تیزی سے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اُس کا گھوڑا اب تیزی سے گل پری گاؤں کی جانب دوڑ رہا تھا۔

وہ زندگی میں کئی محاذوں پر جاسکتا تھا مگر نہیں، اُسے اس طرح نہیں آزمایا جانا چاہیے تھا۔

یہ کوئی جنگ نہیں تھی یہ وہ میدان تھا جہاں وہ ہار جائے گا اپنا دل ہار بیٹھے گا۔

اُس کی مسکراہٹ اُس کی دنیا سب ختم ہو جائے گا۔

نہیں۔۔۔اُس کی زندگی اُس سے نہیں چھینی جانی چاہیے تھی۔

اگلے ایک گھنٹے میں وہ گل پری گاؤں پہنچ چکا تھا۔

ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔سیاہ لباس میں ملبوس لوگ ادھر اُدھر دوڑتے،لوگوں پر حملے کر رہے تھے۔

سکندر نے تیزی سے خنجر نکالا اور ماہ فیروز کے گھر کی جانب بڑھنے لگا۔

وہ عموماً اُس کے گھر نہیں آتا تھا،بس پہلی ملاقات میں اُسے گھر چھوڑا تھا اور پھر وہ اُس گھر کا راستہ کبھی نہ بھولا۔

چند لمحوں بعد وہ اُس کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔

دروازہ کھلا،ماہ فیروز ایک عورت کے ساتھ باہر نکلی، جو غالباً اُس کی چچی تھیں۔

''سکندر!''

اُس کی آواز سنتے ہی سکندر کو یوں لگا جیسے کسی نے اُس میں دوبارہ جان ڈال دی ہو۔

''ہم چل رہے ہیں،جلدی!''

مزید کچھ کہے بغیر اُس نے اُس کا ہاتھ تھاما اور اُسے باہر کی طرف لے جانے لگا۔

وہ ابھی گھر کے قریب ہی تھے کہ اچانک چند سیاہ پوشوں نے اُنہیں گھیر لیا۔

سکندر نے فوراً ماہ فیروز کو اپنے پیچھے کر لیا۔

سیاہ پوش ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے اور پھر آگے بڑھے۔

وہ بڑی دلیری سے لڑ رہا تھا۔ اُس کی عمر زیادہ نہیں تھی، مگر وہ تلوار بازی میں ماہر تھا، یہ بھی اُس کے بابا جان کی تربیت کا کمال تھا، کم از کم سکندر تو یہی سمجھتا تھا۔

وہ ایک وقت میں دو آدمیوں سے لڑ سکتا تھا۔۔۔ چار سے نہیں۔

کئی آدمیوں نے اُسے گھیر لیا اور پھر اُسے زمین پر گرا دیا۔

وہ اُٹھنے کی کوشش کرتا تو اُسے مار کر دوبارہ گرا دیا جاتا۔

وہ اُسے بیدردی سے پیٹ رہے تھے۔

پیچھے کھڑی ماہ فیروز خوفزدہ اُسے یوں مار کھاتے دیکھ رہی تھی۔

وہ ہاتھ کے اشارے سے اُسے بھاگ جانے کو کہہ رہا تھا۔

تبھی ایک شخص ماہ فیروز کی طرف بڑھا اور اُسے کھینچ کر لے جانے لگا۔

سکندر نے دیکھا اُس کے قریب کھڑی عورت کے پیٹ میں چاقو پیوست کر دیا گیا۔

وہ بے بسی سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔۔۔ ماہ فیروز کو لے جایا جا رہا تھا۔۔۔ پھر اس نے کسی بزرگ کو وہاں دیکھا۔ سکندر مزید کچھ نہ دیکھ سکا۔ وہ اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر اُٹھ نہیں پا رہا تھا۔

ایک شخص تلوار لے کر اُس کے قریب بڑھا، اُسے ختم کرنے کے لیے۔

سکندر نے آنکھیں بند کیں۔۔۔ پھر دوبارہ کھولیں

اور اُس نے 'بورو' کو دیکھا۔ (بورو سکندر کا چھوٹا پالتو بھیڑیا)

وہ اُس شخص پر جھپٹ پڑا، اُسے بری طرح نوچ رہا تھا۔

جو بھی سکندر کے قریب آتا، بورو اُسے چیر ڈالتا۔

مگر سکندر کی نظریں اب بھی وہیں جمی تھیں، وہیں۔۔۔ جہاں ماہ فیروز کو لے جایا جا رہا تھا۔

اُس نے ایک بار پھر اُٹھنے کی کوشش کی...

اور پھر سب اندھیرا ہو گیا۔

اسکی آنکھ کھلی تو وہ ایک چھوٹی کوٹھڑی میں تھا۔ اسکے قریب وہی بزرگ آدمی بیٹھا تھا۔ اسنے اٹھنے کی کوشش کی مگر درد سے دوبارہ گر گیا۔

''اٹھو مت تمہارے زخم تازہ ہیں۔ دوبارہ خون بہنا شروع ہو جائیگا۔'' بزرگ کی آواز پر اس نے گھور کر اسے دیکھا۔

''مجھے لگا تھا آپ بولنے جیسی نعمت سے محروم ہیں۔'' اس نے تقریباً بیزاری سے کہا۔

اسکی بات پر بزرگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ دیر اس نے اپنے بازو الٹ پلٹ کر دیکھے ان پر مرہم لگا تھا اسکے پیٹ پر بھی پٹیاں بندھی تھیں۔ بلاشبہ وہ بزرگ طب میں ماہر تھا۔ کچھ دیر بعد اسکی نظر قریب پڑے بورو پر گئی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا اور اسکی کھال پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''یہ بھی زخمی تھا؟'' بورو کے پنجوں اور چہرے پر خراشیں دیکھ کر اس نے پوچھا۔

بزرگ نے بس پلکیں جھپکائیں۔

''مجھے بتا دو میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دیتا ہوں۔'' بزرگ کی بات پر سکندر نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اس طوفانی رات میں؟''

''ہاں۔ کیونکہ تم یہاں محفوظ نہیں ہو مزید یہ کہ تمہارے زخم بگڑ جائیں گے۔'' وہ بورو کو سینے سے لگائے بیٹھا تھا۔ بزرگ کی بات پر اٹھنے لگا۔ کچھ ہی دیر میں وہ سکندر کے گھر کے سامنے تھے۔

''آج کی رات آپ ہمارے ساتھ گزاریں۔ میں نہیں چاہتا آپ اس موسم میں واپس جائیں۔'' سکندر کم از کم احسان فراموش نہیں تھا۔

''تمہارے گھر والوں کو مسئلہ۔۔۔''

''انہیں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔'' سکندر نے بات کاٹی۔

اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا۔

''کہاں گئے تھے تم۔۔۔اندازہ بھی۔۔۔۔۔'' اور بولنے والے کی زبان رک گئی۔گویا قفل لگ گیا۔

سامنے کھڑا وہ بوڑھا شخص بھی حیرت کے تاثرات لئے ہوئے تھا۔ان نیلی آنکھوں میں آج بھی وہی سرد مہری تھی جو ایک عرصہ پہلے تھی۔اسکی سماعت سے وہ باتیں ٹکرائیں جو مصطفیٰ نے آخری بار ان سے کہی تھیں۔

''آپکو مر جانا چاہیئے۔'' بزرگ نے آنکھیں بند کرلیں اور کچھ لمحوں بعد دوبارہ کھولیں۔مصطفیٰ ابھی تک انہیں دیکھ رہا تھا۔

''بابا، میں دراصل۔۔۔'' وہ آگے کچھ نہیں بول پایا۔مصطفیٰ اسکی آواز پر اسکی طرف متوجہ ہوا۔

''یہ چوٹیں کیسے آئی ہیں؟''

''بابا بعد میں بات کرتا ہوں، فلحال یہ آج کے ہمارے مہمان ہیں۔'' وہ کہتا آگے بڑھ گیا مگر بزرگ اور مصطفیٰ وہیں کھڑے تھے۔نہ مصطفیٰ نے قدم پیچھے لیا نہ انہوں نے آگے۔مصطفیٰ کا دل چاہا وہ انہیں باہر نکال دے مگر کسی نے اسے کہا تھا کہ 'مہمان رحمت ہوتے ہیں،' وہ آنکھیں جھکا کر پیچھے ہوا۔بزرگ اب بھی وہیں کھڑے تھے۔مصطفیٰ اندر بڑھ گیا۔اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا، وہ کیوں دیکھتا؟

بارش تیز ہو رہی تھی۔وہ اندر داخل ہوا۔چھوٹا سا گھر، چھوٹا سا خاندان۔کھانے کا میز سجا تھا۔سکندر نے انہیں دعوت دی تو وہ بھی شریک ہوئے، انکی نگاہیں بار بار مصطفیٰ پر جاتیں مگر مصطفیٰ ان سے نظریں چرا رہا تھا۔کھانے کے بعد انہیں ایک کمرے میں بھیج دیا گیا تھا۔وہ اس کمرے میں رات گزار کر صبح واپس جانے والے تھے۔

''یہاں کیوں آئے ہیں؟'' بستر پر بیٹھا وہ بزرگ آواز پر چونکا۔

''میں نہیں آیا، وہ لڑکا۔۔۔''

''میرے بیٹے سے دور رہیں۔میرے خاندان سے دور رہیں مجھ سے دور رہیں۔'' وہ چبا چبا کر بول رہا تھا۔

''مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ تمہارا بیٹا ہے، ورنہ مر کر بھی نہ آتا۔'' وہ رخ موڑ گئے۔

''آئیندہ آنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' وہ غصے سے کہہ رہا تھا۔اور وہ سن رہے تھے۔

''تم نے مجھے معاف نہیں کیا؟ تیس سال گزر گئے ہیں۔کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتے ،کیا میرا تم پر اتنا بھی حق نہیں ہے مصطفیٰ۔'' انکی زبان سے اپنا نام سن کر اسے آج بھی ویسا ہی محسوس ہوا جیسے تیس سال پہلے ہوتا تھا۔

''نہیں میں آپکو معاف نہیں کر سکتا کبھی بھی نہیں۔''

''مگر میں تمہارا۔۔۔۔''

''مجھے فرق نہیں پڑتا۔'' وہ کہتا باہر چلا گیا۔مگر اندر بیٹھا وہ شخص ایک بار پھر ٹوٹ گیا۔آنسو اسکی آنکھوں سے بہنے لگے۔وہ بستر پر لیٹ گیا۔وہ کچھ سوچ رہا تھا جب سکندر کمرے میں داخل ہوا۔وہ بزرگ کے قریب بستر پر آ کر لیٹ گیا۔

''آپ ہمیشہ سے ہی اتنے خاموش رہتے تھے؟'' سکندر نے خاموشی کو توڑا۔

''نہیں۔میں ہمیشہ سے ایسا نہیں تھا۔کوئی بھی شخص ہمیشہ سے ویسا نہیں ہوتا۔کچھ ہوتا ہے اور پھر وہ بدل جاتے ہیں میرے ساتھ بھی ہوا۔''

''کیا ہوا تھا آپکے ساتھ؟''

''میں نے بنا مرے زندگی کھو دی۔کیا تم نے کبھی بنا مرے زندگی کھوئی ہے؟'' سوال اچانک تھا۔

''جی! میں نے بھی زندگی کھو دی ہے۔'' اسے بے اختیار ماھفیروز یاد آئی۔آنی ہی تھی۔اب تو ہر لمحہ آنی تھی۔

''آپ بابا سے معافی کیوں مانگ رہے تھے؟'' سکندر کے سوال پر وہ ٹھٹھکا۔

''دروازے سے کان لگا کر باتیں سننا بری عادت ہے۔''

''میں اندر آ رہا تھا تب سنا۔'' وہ دونوں سیدھے لیٹے تھے اور دونوں کی آنکھیں اوپر چھت پر تھیں۔

''یہ لمبی کہانی ہے۔''

''میرے پاس وقت ہے، میں سننا چاہتا ہوں۔'' وہ اگر خود کو مصروف نہ رکھتا تو اسے ماہ فیروز یاد آتی اور پھر۔۔۔۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' بزرگ نے یونہی پوچھا۔

''سکندر، سکندر مرزا۔'' اس ایک نام سے نا جانے وہ کتنے برس پیچھے چلا گیا تھا۔ وہ بزرگ شخص ماضی میں چلا گیا تھا۔ ماضی حسین تھا جبتک اسکے پچھتاوں کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ وہ ماضی میں کھو گیا۔ ایک بار پھر زخم کھلنے تھے، ایک بار پھر تکلیف ہونی تھی۔

۱۵۱۰ء

ترکی۔استنبول

استنبول میں رات کا وقت تھا۔ ہر طرف اندھیرا تھا، یہاں تک کہ سلطان کا مضبوط قلعہ بھی آج تاریک تھا۔ سلطنتِ عثمانیہ کے عہدِ عروج میں محلِ توپ قاپی جو کہ استنبول میں واقع تھا، صرف ایک شاہی رہائش گاہ نہیں بلکہ پوری سلطنت کا سیاسی اور انتظامی مرکز سمجھا جاتا تھا۔ یہ محل مختلف صحنوں اور حصّوں پر مشتمل تھا جہاں بیرونی صحن عوامی و سرکاری امور کے لیے مخصوص تھا، دوسرے حصّے میں دیوانِ ہمایوں منعقد ہوتا جہاں وزیرِ اعظم اور وزراء ریاستی معاملات طے کرتے جبکہ سلطان اکثر پردے یا جالی کے پیچھے سے

اجلاس سنتا تھا۔ اندرونی حصّہ سلطان کی نجی رہائش، شاہی خزانے اور مقدس امانات پر مشتمل تھا، جب کہ حرم محل کا نہایت منظّم اور بااثر شعبہ تھا جس کی سربراہی والدہ سلطان کے ہاتھ میں ہوتی اور وہ بسا اوقات سیاسی معاملات پر بھی اثر انداز ہوتیں۔ شہزادوں کو کم عمری سے فوجی و انتظامی تربیت دی جاتی اور صوبوں کی نگرانی سونپی جاتی تاکہ وہ مستقبل کی حکمرانی کے لیے تیار ہوں، جبکہ ینی چری فوج براہِ راست سلطان کی وفادار سمجھی جاتی تھی۔ سنگِ مرمر کی دیواروں، نیلے و سنہری نقش و نگار، نفیس خطاطی اور مشعلوں کی روشنی میں یہ محل طاقت، وقار اور نظم و ضبط کی ایسی علامت تھا جہاں ہونے والا ہر فیصلہ سلطنت کی تقدیر بدل سکتا تھا۔ عام طور پر وہ قلعہ پوری رات روشن رہتا تھا۔ مگر آج حالت کچھ اور تھی۔ دراصل اسکی ایک وجہ تھی۔

سلطان بیاضت خان شدید بیمار تھے۔ ہر کوئی غمگین تھا۔ سلطان بیاضت خان ایک نرم دل بادشاہ تھا۔ رعایا اس کے انصاف اور حکومت سے خوش تھی۔ وہ منصف تھا، اسکا کوئی بھی قدم اسلام کے دائرے سے باہر نہیں تھا (انجانے میں ہونے والی غلطیوں کو نظر انداز کر کے)۔ عوام کو اس سے لازوال محبت تھی۔

تورحان سلطان حجرے میں داخل ہوئیں تو سلطان بیاضت اپنی بیماری کے باوجود تخت پر بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے۔ تورحان نے انہیں دیکھا تو خاموش نہ رہ سکیں۔

''میرے آقا! آپ۔۔ یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟'' وہ سلطان کے قریب آ کر زمین پر بیٹھ گئی۔ اسکی ٹھوڑی سلطان کے گھٹنے پر تھی۔ سلطان نے ایک نظر تورحان پر ڈالی۔ پھر دھیما سا مسکرایا۔

''ایک اہم فیصلہ کر رہا ہوں۔ سلطنت کا مستقبل لکھ رہا ہوں۔ آج یا کل مجھے جانا ہے، میں اپنی جگہ کسی کے نام کرنے جا رہا ہوں۔''

تورحان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ تخت کس کے نام کر رہا تھا۔ اس سے اسے کیا فرق پڑتا تھا۔ تخت اسی کے بیٹوں میں سے کسی ایک کے حصے میں آنا تھا۔ اصل غم تو سلطان کے چلے جانے کا تھا۔ اسکی بیماری بڑھتی جا رہی تھی اور پوری ریاست میں کوئی اسکا علاج نہ کر سکتا تھا۔

’’تورحان! غم نہ کرو۔ یہ وقتی ہجر ہوگا۔ میں دوسرے جہان میں تم سے ملوں گا۔ اور وہاں ہمیشہ کا ساتھ ہو گا۔‘‘ بیاضت نے اسکی ٹھوڑی کو نرمی سے پکڑا اور پھر اسکے سر پر بوسہ دینے لگا۔ تورحان نے آنکھیں بند کر لیں۔ لمحہ طویل ہو گیا تھا۔ وہ کافی دیر یوں ہی بیٹھے رہے۔ بلآخر تورحان نے اپنا سر ذرا پیچھے کیا۔ اور بس۔۔۔سلطان بیاضت خان کا جسم زمیں پر جا گرا اسکے سر سے شاہی ٹوپی زمین پر جا گری اسکا سر تورحان کی گود میں تھا۔ تورحان اسکے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں پکڑے روتی چلی گئی۔ سلطان کی موت کی خبر محل میں جلد ہی پھیل چکی تھی ہر طرف ماتم اور سوگ منایا جا رہا تھا۔ محل سے باہر گلیوں بازاروں میں بھی رونے کی آوازیں گونج رہی تھی۔ لوگوں نے رنگین لباس بدل کر سیاہ رنگ پہن لیا تھا۔ محل کے رنگین پردے اتار کر سیاہ پردوں سے تبدیل کر دیے گئے تھے۔

’’شہزادوں کو اطلاع دے دی ہے؟‘‘ تورحان اب وزیر اعظم عبدالحمید پاشا سے مخاطب تھی۔

’’جی ملکہ، دونوں شہزادوں کو پیغام پہنچا دیا گیا ہے، کل تک خط پہنچ جائے گا۔‘‘ وہ نظریں جھکائے بڑے مودب طریقے سے بولا۔ محل میں کسی کی مجال نہیں تھی کہ ملکاؤں یا شہزادیوں کی جانب نظر اٹھا کر دیکھے۔ وہ بنا کچھ کہے سطان کے بستر کے قریب آئی جہاں اسکا بیجان جسم پڑا تھا۔ کئی آنسو اسکی آنکھوں سے بہ گئے۔ بہت سے منظر اسکے ذہن میں آئے۔ مگر سب کچھ ماضی بن چکا تھا۔ کل کے سورج کے ساتھ کوئی اور حکمران بننے والا تھا۔ نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا۔

\-

تورحان سلطان بیاضت کی دوسری ملکہ تھی۔ اس سے سلطان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ شہزادہ مراد اور شہزادہ سکندر مرزا۔ دونوں کی عمروں میں دو سال کا فرق تھا۔ انکی بیٹی عتیقہ سلطان اپنے بھائیوں سے چھوٹی اور اپنے والد کی چہیتی اولاد تھی۔ سلطان بیاضت خان کی پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ سلطان کا اس سے ایک بیٹا تھا جو سزا کے طور پر قلعہ یدیکلے میں قید تھا، شہزادہ ابراہیم۔ اس نے سلطان کی اجازت

کے بغیر روسی بادشاہ کے پاس پناہ لی تھی یہ اسکی سب سے بڑی اور واحد خطا تھی۔ وہ وہاں پچھلے سات سالوں سے بند تھا۔ استنبول کے تاریخی ساحل پر واقع قلعہ یدیکُلے (سات برجوں کا قلعہ) محض پتھروں کا ڈھانچہ نہیں بلکہ سلطنت کا سب سے پراسرار اور خوفناک قید خانہ تھا۔ چاروں طرف بلند و موٹی دیواریں سمندر کی لہروں سے ٹکرا کر سنّاٹے میں خوفناک آوازیں پیدا کرتی، اور قلعے کے اندر گھومتی سیڑھیاں اور تنگ راہداریوں کے پیچ وخم، قیدی کے دل میں نہ ختم ہونے والا خوف جگاتے۔ ہر برج میں چھوٹے چھوٹے کوٹھڑے تھے، جن میں روشنی مدھم رہتی تھی اور صرف ایک باریک کھڑکی سے سمندر کی ٹھنڈی ہوا اندر آتی۔ یہ قید خانہ عام قیدیوں کے لیے نہیں تھا؛ یہاں وہ لوگ لائے جاتے جو غدار ریاست تھے۔ خاموش پہریدار اور ہر رات پانی کی گہرائیوں سے اٹھتی سرگوشیاں قیدیوں کے دل میں خوف اور تنہائی پیدا کر دیتیں۔ کہا جاتا تھا کہ اس قلعے میں سب سے بڑی سزا زنجیر نہیں بلکہ مکمل تنہائی ہے۔۔۔ یہاں انسان اپنے راز، اپنے ضمیر، اور اپنی تقدیر کے ساتھ اکیلا رہتا، اور ہر لمحہ اسے یہ احساس دلاتا کہ سلطنت کی طاقت کے سائے اس کے گرد ہر وقت چھائے ہوئے ہیں۔

شہزادہ ابراہیم، یوں تو اول شہزادہ تھا مگر سلطان نے اسکی خطا کے بعد اسے اپنے بچوں کی فہرست سے نکال دیا تھا۔ نہ تخت میں اسکا کوئی حصہ تھا نہ ہی ریاست میں۔ حصہ تھا تو صرف اس ایک کوٹھڑی میں جہاں اسے مزید تین دن گزارنے تھے۔ وہ تیس برس کا تھا۔

شہزادہ مراد امرسیہ ریاست کا گورنر تھا۔ امرسیہ استنبول سے بہت دور اور سرحدی ریاست تھی۔ وہاں اکثر شہزادے جانا ناپسند کرتے تھے مراد بھی انہی میں سے ایک تھا۔ وہ تورحان کا بڑا شہزادہ تھا، وہی جسے اصولا اگلا سلطان بننا تھا۔ وہ قابل تھا مگر غصے کا تیز تھا۔ وہ بہادر تھا مگر جنونی۔ وہ دل اور دماغ میں سے ہمیشہ دل کو چنتا تھا۔ وہ بہت اعلی لکھاری تھا۔ اسکی خطاطی کمال تھی۔ وہ ستائیس برس کا تھا۔

شہزادہ سکندر مرزا منیسا ریاست کا گورنر تھا۔ منیسا استنبول کے قریب اور سب سے اہم ریاست تھی۔ وہاں

جانا ہر شہزادے کا خواب ہوتا تھا، تاہم جاتا صرف قابل شہزادہ تھا۔سکندر مرزا نہایت قابل اور ذہین شہزادہ تھا۔اسے کئی زبانوں جیسے روسی، عربی، فارسی، لاطینی وغیرہ پر عبور حاصل تھا۔یہ زبانیں اسے ابراہیم نے سکھائی تھیں۔وہ پچیس برس کا تھا۔

ٹرانسلوانیا ,البایولیہ:

قدیم ٹرانسلوانیا محل، شمال میں بلند برجوں سے محفوظ تھا اور جنوب کی جانب ایک وسیع مرکزی دروازہ کھلتا تھا جہاں مہمان اور وفود داخل ہوتے۔باہر کا صحن سپاہیوں اور حفاظتی عملے کے لیے مخصوص تھا، جبکہ اندرونی صحن شاہی دربار اور اجلاس کے لیے بنایا گیا تھا، جہاں شہزادے اور وزیر اہم فیصلے کرتے اور چھوٹے باغات یا فوارے محل کی شان میں اضافہ کرتے تھے۔محل کے چاروں طرف بلند برج تعینات تھے، جن میں تیرانداز اور توپچی محل کی حفاظت کرتے ،اور ہر برج سے قریبی علاقے اور دور دراز تک نگرانی ممکن تھی۔اندرونی حصے میں خفیہ کمرے اور راہداریوں کے پیچ وخم ایسے تھے کہ سلطان یا شہزادے اپنی رازدارانہ ملاقاتیں اور خفیہ سازشیں بھی یہاں انجام دے سکتے تھے۔محل کی دیواریں موٹی اور مضبوط تھیں، اور ہر کمرے کی کھڑکی سے سمندر یا جنگل کی ٹھنڈی ہوا داخل ہوتی، جس سے نہ صرف تازگی بلکہ محل میں پراسرار اور شاہی ماحول قائم رہتا تھا۔

شہزادوں اور شہزادیوں کے کمرے محل کے اندرونی حصّے میں واقع تھے، جہاں درباری شور سے دور، پرسکون اور محفوظ ماحول بنایا گیا تھا۔اسکا کمرہ بڑا اور آرام دہ تھا، جس میں لکڑی کا خوبصورت میز و کرسی، مخملی پردے اور دیواروں پر نقش ونگار والی ٹاپیسٹر یاں موجود تھیں۔ایک طرف کتابوں کی الماریاں اور فوجی تربیت کے لیے چھوٹے آلات موجود ہوتے تھے۔

اندھیرا پھیل چکا تھا۔شمعیں جلادی گئی تھیں۔اسے ایک مشاورتی اجلاس میں جانا تھا۔وہ اپنے کفتان کے

بازو درست کر رہا تھا۔اسکے لمبے سنہری بال گردن تک آتے تھے۔اسکی آنکھیں سبز تھیں۔اسکی داڑھی کچھ بڑھی ہوئی تھی۔مگر اسکے چہرے پر جچ رہی تھی۔وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔اسکے بھورے لمبے بال جوڑے میں بندھے تھے۔اس نے نیلی لمبی فراک پہنی ہوئی تھی جو پاوں تک آتی تھی۔یہ وہاں کا لباس تھا۔اسکا رنگ سفید اور آنکھیں سیاہ تھیں۔

''سٹیفن!کیا تم واقعی کل اس سے شادی کرلو گے؟''وہ اس سے ہنگرین زبان میں گفتگو کر رہی تھی۔

''یوفیمیا!اس سے شادی میری مجبوری ہے۔میں اس سے شادی صرف طاقت کیلئے کر رہا ہوں۔میرے دل میں صرف تم ہو۔''سٹیفن نے اسکا ہاتھ اپنے سینے پر رکھا۔''وہ بیوی بن کر آئے گی مگر میں اس سے غلامی کرواؤں گا۔ہماری غلامی کرے گی وہ۔میری ملکہ صرف تم ہی رہو گی۔''

''مجھے تم پر یقین ہے اور سٹیفن اگر تم اپنی بات سے مکرے تو مجھے مردہ پاؤ گے۔''اس نے آنکھ سے بہتے آنسو کو دوسرے ہاتھ سے صاف کیا۔

''یوفیمیا!ایسی باتیں مت کرو۔اگر بابا کی ضد نہ ہوتی تو کبھی راضی نہ ہوتا۔''اس نے دونوں ہاتھوں سے اسکا چہرا تھامتے ہوئے یقین دہانی کرائی۔وہ یوفیمیا سے محبت کرتا تھا۔یوفیمیا ایک گورنر کی بیٹی تھی۔سٹیفن کی ضد پر اسکی شادی یوفیمیا سے کی گئی تھی۔تاہم میکلوس اب سٹیفن کی شادی اپنی بھتیجی سے کرنا چاہتے تھے تاکہ میکلوس اور سٹیفن کی طاقت میں اضافہ ہو۔میکلوس کا بھائی اس وقت ٹرانسلوانیا کا بادشاہ تھا اسکا کوئی بیٹا نہیں تھا۔جو کچھ تھا اسکی اکلوتی بیٹی الیگزنڈرا راکوزی کا تھا۔میکلوس چاہتا تھا کہ سٹیفن الیگزنڈرا سے شادی کرے اور پھر مستقبل کا بادشاہ بنے۔سٹیفن بھی طاقت کے لالچ میں آکر بات مان چکا تھا مگر اس کیلئے الیگزنڈرا صرف ایک سیڑھی تھی۔جو اسے طاقت وتخت تک پہنچانے والی تھی۔

''اچھا آج رات دیر ہوجائے گی ہم سو جانا۔''وہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ کہتا دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

شہزادی الیگزنڈرا راکوزی کا کمرہ محل کے مشرقی حصّے میں واقع تھا، جہاں صبح کی پہلی کرنیں برف سے ڈھکی چھتوں سے ٹکرا کر اس کی کھڑکیوں میں اترتی تھیں۔ دیواروں پر ہلکے نیلے اور سنہری نقش و نگار بنے تھے، اور ایک طرف لمبا مخملی پردہ ہوا کے ساتھ آہستہ آہستہ ہلتا رہتا۔ کمرے کے وسط میں نقش دار لکڑی کا اونچا بستر تھا جس پر سفید اور نیلگوں ریشمی چادر بچھی رہتی، جبکہ سرہانے کے قریب ایک چھوٹی میز پر چاندی کا آئینہ، خوشبو کی شیشیاں اور موم بتیوں کا شمعدان رکھا ہوتا۔ ایک کونے میں کتابوں کی الماری اور نقشوں کا صندوق تھا، جہاں الیگزنڈرا سلطنت کی تاریخ اور سیاست کا مطالعہ کرتی۔ بالکونی سے دور برفیلے جنگل اور دریا کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ وہ اس وقت شیشے کے سامنے بیٹھی تھی۔ اسکے سنہری بال کھلے تھے۔ ایک نوجوان لڑکی اسکے پیچھے کھڑی اسکے بالوں میں کنگھی پھیر رہی تھی۔ محل میں وہ ملازمہ تھی مگر الیگزنڈرا کے کمرے میں اسکی بہترین دوست۔

''شہزادی آپ شہزادے سے مرضی سے شادی کر رہی ہیں؟'' اسکا ہنگرین لہجہ اتنا اچھا نہیں تھا مگر الینگزنڈرا اسکی بات سمجھ رہی تھی۔

''ہاں۔ سٹیفن کو میں بچپن سے پسند کرتی ہوں۔'' اسکی آنکھوں میں چمک آئی تھی۔ کل ٹھیک اسی وقت چرچ میں سٹیفن اور اسکی شادی ہونے والی تھی۔

''مگر شہزادی شہزادے شادی شدہ ہیں، آپ پھر بھی۔۔۔۔''

''ہاں لارا۔ وہ مجھے اب بھی قبول ہے۔ وہ بہت اچھا ہے۔ بہت خوبصورت۔ اور یوفیمیا کا کیا ہے، بابا نے کہا ہے کہ مجھ سے شادی کے بعد وہ اسے یوفیمیا کو چھوڑنے کا کہہ دیں گے۔ پھر وہ بس میرا ہوگا۔ سٹیفن راکوزی صرف الیگزنڈرا راکوزی کا ہوگا۔'' وہ آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے غرور کے ساتھ بولی۔

''شہزادی مگر کیا شہزادے بھی آپ سے اتنی محبت کرتے ہونگے؟''

''پتا نہیں لارا مگر مجھے لگتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے ورنہ فوراراضی کبھی نہ ہوتا۔''

''پر شہزادی اگر ایسا ہوتا تو وہ کسی اور سے شادی نہیں کرتے۔''

''لارا میرے بابا بادشاہ ہیں کیا معلوم وہ بابا سے ڈرتا ہو اور مجبوراکسی اور سے شادی کر لی ہو۔'' الیگزنڈرا کے دل میں کہیں نہ کہیں یہ بات موجود تھی کہ سٹیفن صرف اسی سے محبت کرتا تھا۔ وہ خاموشی سے اب خود کو دیکھ رہی تھی۔

باہر سے کچھ شور اندر آ رہا تھا۔ الیگزنڈرا کرسی سے اٹھ کر باہر دالان کی طرف بڑھی۔

''لارا یہ شور کیسا ہے؟'' اس نے ادھر ادھر کچھ لوگوں کو دوڑتے دیکھا۔

''کچھ نہیں شہزادی، ترکوں کا بادشاہ مر گیا ہے، بس اسی لئے لوگوں میں تھوڑی بے چینی ہے آپ تو جانتی ہیں نا آپکے بابا کے ترکوں کے ساتھ تعلقات بہت اچھے ہیں۔''

''ہمم۔۔۔ویسے لارا تم نے کبھی کسی ترک کو دیکھا ہے؟'' اسکی بات پر لارا خاموش ہوگئی۔ اسکی نظروں کے سامنے وہ بھوری آنکھوں والا ترک آیا۔ وہی جسکے بال گھنگھرالے تھے۔ وہ نہایت خوبصورت تھا۔ لارا نے اسے بس اسی رات دیکھا تھا۔ وہ میز کے سرے پر سیاہ کفتان میں ملبوس بیٹھا تھا۔ لارا اس سے نگاہیں نہیں ہٹا سکی تھی۔ وہ کون تھا، وہ نہیں جانتی تھی وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ وہ ترک تھا۔ مگر وہ لباس سے کوئی عام انسان نہیں لگتا تھا۔ لارا اپنے خیالات سے باہر آئی۔

''نہیں شہزادی۔'' اس نے جھوٹ بولا۔

''اچھا۔ کیسے ہوتے ہوں گے وہ لارا؟ میں نے آج تک کسی ترک کو نہیں دیکھا۔'' لارا نے ایک گہری سانس لی۔

''مجھے نہیں معلوم مگر سب کہتے ہیں کہ ترک بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔''

''کتنے خوبصورت ہوتے ہونگے وہ لارا؟'' الیگزنڈرا اب اسکی طرف دیکھنے لگی۔ اسکے بال ٹھنڈی ہوا

کے باعث اڑنے لگے۔اسکی ناک تھوڑی سرخ ہوگئی تھی۔شاید سردی کے باعث۔

''اتنے کہ دل چاہتا ہے انہیں سامنے بٹھا کر دیکھتے رہیں۔بنا پلکیں جھپکے بنا نظر ہٹائے۔''لارا کی بات سن کر الیگزنڈرا ہلکا سا مسکرائی۔

''میرے سٹیفن سے زیادہ خوبصورت نہیں ہوسکتے۔کوئی ترک سٹیفن راکوزی سے زیادہ خوبصورت نہیں ہوسکتا۔''وہ بڑے غرور سے کہہ رہی تھی۔لارا اسکی بات پر مسکرائی۔

''ہر عورت کیلئے اسی کا مرد سب سے خوبصورت ہوتا ہے۔ویسے شہزادی آپکو ترک کیسے لگتے ہیں؟''لارا نے ایسے ہی پوچھا۔

''بہت برے۔کیونکہ انکا حرم عورتوں سے بھرا رہتا ہے نہایت عیاش پرست ہوتے ہیں وہ۔عورتوں کے شوقین۔''اس نے نگاہیں پھیرتے ہوئے کہا۔''اور صرف یہی نہیں وہ عورتوں کو غلاموں کی طرح رکھتے ہیں۔اور اس بات کی اجازت تو انہیں انکا دین دیتا ہے۔''وہ غصے سے بولتی جا رہی تھی۔''اور تو اور اگر وہ کسی دوسرے دین کی عورت کو پسند کرلیں تو پھر اسے زبردستی مسلمان کرتے ہیں۔''

کچھ لمحے وہ خاموش رہی۔''مجھے ترکوں سے نفرت ہے بے انتہا نفرت۔''غصے سے اسکا چہرا کچھ سرخ ہو چکا تھا۔

''ویسے انکا نیا بادشاہ کون ہوگا؟''الیگزنڈرا نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔

''معلوم نہیں مگر اصولا تو کوئی نیلی آنکھوں والا شہزادہ ہے۔سننے میں آیا ہے کہ وہی ہوگا نیا بادشاہ۔''

''نیلی آنکھوں والا؟یعنی میری جیسی آنکھیں؟''الیگزنڈرا نے حیران ہوکر سوال کیا۔

''ہاں نیلی آنکھوں والا۔مجھے اسکا نام نہیں معلوم۔''لارا نے آہستگی سے جواب دیا۔''مگر آپ کیوں حیران ہورہی ہیں شہزادی؟''

الیگزنڈرا ایک لمحے خاموش ہوگئی۔وہ دو دن پہلے آنے والے خواب کو ذہن میں لارہی تھی۔

وہ ایک بڑے درخت کے پاس کھڑی تھی اسکے سامنے سفید گھوڑے پر ایک نوجوان بیٹھا تھا۔

''کون ہو تم؟'' الیگزنڈرا کی آواز بڑی مشکل سے نکلی۔

''سلطانوں کا سلطان، حکمرانوں کا حکمران، سلطان بیاضت خان کا جانشین۔۔۔۔''

وہ خواب میں نہ اسکا چہرا دیکھ سکی تھی اور نہ اسکا نام سن سکی تھی۔

''ویسے ہی۔'' الیگزنڈرا نے خواب کو ذہن سے جھٹکا۔''بابا اپنے کمرے میں ہیں؟'' الیگزنڈرا واپس کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔

''نہیں شہزادی وہ ایک مشاوراتی مجلس میں ہیں۔''

''اس وقت؟'' الیگزنڈرا نے ابرو اٹھا کر پوچھا۔

''جی شہزادی۔سب وزرا اور۔۔۔'' اسکی بات مکمل نہیں ہوئی تھی جب الیگزنڈرا نے اسکی بات کاٹی۔

''سٹیفن بھی ہے وہاں؟'' سٹیفن کے نام کے ساتھ ہی اسکی آنکھیں چمکی تھیں۔

''جی شہزادی۔''

اور پھر بنا کچھ بولے وہ فورا اپنے کھلے بالوں کو جوڑے میں باندھنے لگی۔اپنا تاج اٹھا کر پہننے لگی۔

''شہزادی آپ اجلاس میں جانے لگی ہیں؟'' لارا نے اسکی تیزی دیکھتے ہوئے گھبرا کر پوچھا۔وہ شاہی فرغل اٹھا کر پہننے لگی۔

''نہیں۔میں سٹیفن سے ملنے جارہی ہوں۔'' وہ کہتی تیزی سے کمرے سے باہر نکلی۔اپنی پیروں تک آتی گلابی فراک کو دونوں ہاتھوں سے تھوڑا اوپر کرتی وہ سیڑھیوں سے اتر رہی تھی۔سٹیفن سے ملنے کا خیال ہی اسکے دل میں ہلچل مچا دیتا تھا۔آج بھی وہ اسی دھڑکتے دل کے ساتھ اس کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی جہاں وہ سب مشاورت میں مصروف تھے۔

''روس اس وقت تیاری میں لگ رہا ہے۔ہمیں ترکوں کو خبر کرنی ہوگی۔''

''ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو سٹیفن ،مگر ابھی ابھی سلطان بیاضت خان کی موت ہوئی ہے۔ہم ایک دو دن میں پیغام بھجوا دینگے اور پھر روس بھی جانتا ہے کہ ہم ترکوں کے ساتھ امن میں ہیں وہ ہم سے دشمنی مول نہیں لے گا۔'' فیرنیک نے ابھی بات ختم ہی کی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''کون ہے؟'' دربان جیسے ہی اندر آیا، فیرنیک نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''شہزادی الیگزنڈرارا کوزی آئی ہیں۔'' دربان نے جھکی نظریں اٹھائی نہیں تھیں۔فیرینک راکوزی کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔اسکی کل کائینات اسکی ریاست اور اسکی بیٹی تھی۔سٹیفن کے ہاتھوں میں ذراسی کپکپاہٹ ہوئی۔سٹیفن نے اسے ایک عرصے سے نہیں دیکھا تھا،وہ ایک محل میں رہتے تھے مگر ایک دوسرے سے بہت کم ملتے تھے اور پچھلے پانچ سالوں سے سٹیفن دوسری ریاست میں تھا اور کچھ دن پہلے ہی لوٹا تھا۔ان کچھ دنوں میں اس نے الیگزنڈرا کو نہیں دیکھا تھا تاہم الیگزنڈرا نے کئی دفعہ اسے پردے کے پیچھے یا دالان سے دیکھا تھا۔

''اندر آنے دو۔''فیرینک کہتا دوبارہ کاغذات کی جانب دیکھنے لگا۔وہ اندر داخل ہوئی تھی۔سٹیفن نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر وہ نظریں ہٹا نہیں سکا۔سنہری بال جوڑے میں بند تھے۔اسکی دراز پلکیں اسکی نیلی آنکھوں کی حفاظت کر رہی تھیں۔صرف تین لمحے لگے تھے اسے سٹیفن کی آنکھوں سے اس کے دل میں اترنے میں۔وہ اسے دیکھتا ہی چلا جا رہا تھا۔وہ بہت خوبصورت تھی۔سٹیفن نے خود سے اقرار کیا۔اس پر تو کئی سلطنتیں آنکھیں بند کر کے لٹائی جا سکتی تھیں۔یوفیمیا سے ہونے والی گفتگو اسکے ذہن میں آ رہی تھی۔

''غلامی کرواؤں گا اس سے۔۔غلامی؟؟ وہ تو حکومت کرنے والوں میں سے تھی۔''اس نے بے اختیار کرسی کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے سوچا۔

الیگزنڈرا نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر کرسی پر براجمان ہوگئی۔گفتگو کے دوران وہ دونوں ایک دوسرے

کو وقفے وقفے سے دیکھتے رہے مگر دونوں ایک دوسرے کی حرکت سے انجان تھے۔

اجلاس ختم ہوا تو وہ اسکی طرف بڑھا۔ کمرے میں اب بس وہ دونوں ہی موجود تھے۔

''الیگزنڈرا!''

''سٹیفن!''

وہ اسکے قریب آ کر بس اسے دیکھتا رہا۔ کیا کہتا؟ کچھ سوچا ہی نہیں تھا اس نے۔ اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ وہ اتنی خوبصورت ہوگی۔ وہ اسکے حسن پر فدا ہو چکا تھا۔ یوفیمیا تو اب اسکے ذہن میں بھی نہیں تھی۔ مگر وہ حسن پر فدا ہوا تھا اور حسن پر فدا ہونے والے محبت نہیں کرتے۔

''بہت خوبصورت لگ رہی ہو تم۔'' بلآخر جو اسے سمجھ آیا اس نے بول دیا۔ ''یہ تمہارے لئے۔'' اس نے جیب سے ایک خوبصورت ہار نکال کر اسکی طرف بڑھایا۔ یہ ہار اس نے یوفیمیا کیلئے لیا تھا وہ یہ اسے صبح دینے والا تھا مگر اسے لگا وہ الیگزنڈرا پر زیادہ خوبصورت لگے گا۔ لہذا اس نے دوسری مرتبہ سوچے بغیر وہ اسکی طرف بڑھایا۔ الیگزنڈرا نے ہار اسکے ہاتھ سے نہیں لیا تھا بلکہ اسنے اپنا رخ بدلا۔ وہ اب دوسری جانب منہ کیئے کھڑی تھی۔ وہ اسکے اشارے کو سمجھ گیا تھا۔ اسنے کانپتے ہاتھوں سے ہار اسے پہنانا شروع کیا۔ اسکے ہاتھ کیوں کانپ رہے تھے وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ الیگزنڈرا کا چہرا سرخ ہو چکا تھا۔ ہار پہنا کر وہ ایک لمحہ وہیں کھڑا رہا۔

''کل ملیں گے۔'' آہستگی سے کہتا وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ الیگزنڈرا گلے میں موجود ہار کو پکڑے کھڑی رہی۔ اسے اب یقین ہو چکا تھا۔ سٹیفن اسی سے محبت کرتا تھا۔ پوری رات وہ اس ہار کو پکڑے کروٹیں بدلتی رہی۔ اسے اگلے دن کا بے چینی سے انتظار تھا۔ دوسری طرف سٹیفن بھی اس رات سو نہیں سکا تھا۔ اسکے ذہن میں الیگزنڈرا کا چہرا آ رہا تھا۔ وہ آج معمول کے خلاف دوسری طرف منہ کیئے لیٹا

تھا۔آج اسکا چہرا یوفیمیا کی جانب نہیں تھا۔اسکا دل بھی آج یوفیمیا کی جانب نہیں تھا۔یوفیمیا کو بہت جلدی بھلا دیا گیا تھا۔جب اسے یوفیمیا سے بہتر کوئی مل رہا تھا تو پھر وہ کم پر اکتفا کیوں کرتا۔کم از کم اس نے خود کو یہی دلیل دی تھی۔

''اب یہ سب کون ہیں؟ آپ مجھے یہ کہانیاں کیوں سنا رہے ہیں؟'' سکندر اکتایا۔

''بچے انتظار کرو۔'' بزرگ کی بات پر وہ کچھ مزید اکتایا۔

ترکی،منیسا:

رات کے اس پہر منیسا کے محل میں خاموشی تھی۔وہاں اکثر خاموشی ہی رہتی تھی۔وہ کمرے میں صوفے پر بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔کمرے میں روشنی ان چند شمعوں سے تھیں جو اب بجھنے کے قریب تھیں۔اسکی نظریں کتاب پر تھیں۔وہ بڑے انہماک کے ساتھ کتاب پڑھ رہا تھا۔کمرے سے روشنی ختم ہو رہی تھی۔اس نے کتاب کو ایک طرف رکھا اور میز کے قریب پڑی دوسری شمع جلانے لگا۔دروازے پر دستک ہوئی تو وہ ذرا مڑا۔

''آجاؤ۔'' وہ اجازت دیتا دوبارہ شمع کی طرف متوجہ ہوا۔

''شہزادے قاصد آیا ہے پایہ تخت سے خط لایا ہے۔'' اسکے ساتھ ہی اس نے خط اسکی جانب بڑھایا۔

اس نے خط اسکے ہاتھوں سے پکڑا۔وہیں کھڑے کھڑے اس نے خط کھولا۔

''میرے شیر بیٹے سکندر مرزا۔مجھے بہت افسوس سے یہ کہنا پڑ رہا ہے تمہارے والد، بیاضت خان رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔پایہ تخت آؤ اور آخری رسومات ادا کرو۔تمہاری والدہ، تورحان سلطان'' اسکی آنکھوں سے آنسو کاغذ پر گرے۔پھر خود پر قابو پاتے ہوئے اس نے آنسو ضبط کیئے۔

''سواری تیار کرو، ہم پایہ تخت جا رہے ہیں۔'' وہ کہتا دوبارہ خط پڑھنے لگا۔اس کی نگاہیں ایک ہی لفظ پر ٹھہری رہیں۔''رضائے الٰہی'' یہ وہ لفظ تھا جسے پڑھ کر اسے کچھ صبر آ رہا تھا۔

ترکی،امرسیہ:

وہ اپنے بستر پر اوندھے منہ لیٹا تھا۔وہ بچپن سے ایسے ہی سوتا تھا۔اسکے دائیں جانب اینجلا پرسکون سو رہی تھی۔ابھی فجر ہونے میں کچھ وقت رہتا تھا۔اسکے کمرے کے باہر آوازیں بلند ہونے لگیں تو وہ اٹھا۔وہ سفید ڈھیلے کرتے میں ملبوس تھا۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے دروازہ کھولتے ہی خاص دربان کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''شہزادے پایہ تخت سے مکتوب آیا ہے۔'' اسنے ہاتھ میں موجود مکتوب شہزادے کی طرف بڑھایا۔مراد نے مکتوب فوراً کھولا۔

''میرے بیٹے شہزادے مراد! تمہارے بابا، آل عثمانیہ کے حکمران، سلطان بیاضت خان، اب اس دنیا میں نہیں رہے۔تم جلد از جلد پایہ تخت پہنچو اور آخری رسومات ادا کرو۔تمہاری والدہ، تورحان سلطان۔'' مراد نے مکتوب پڑھ کر آنکھیں بند کیں۔

''کیا ہوا شہزادے؟'' دربان نے کچھ فکرمندی سے پوچھا۔

''ہمارے آقا! سلطان بیاضت خان اس دنیا میں نہیں رہے۔''

''انا للہ وانا الیہ راجعون''

''شہزادے اب کیا حکم ہے؟'' دربان اور اسکے قریب کھڑے وزیر لالہ پاشا دونوں حکم کے منتظر تھے۔

''سواریاں تیار کرو۔حرم میں اطلاع کرو۔سلطانہ سے کہو تیاری کریں، ہم فجر کے بعد پایہ تخت کیلئے روانہ ہونگے۔'' وہ کہتا دوبارہ اندر کی طرف بڑھا۔محافظوں نے اسکے اندر جاتے ہی دروازہ بند کیا۔

''اینجلا۔۔'' وہ بستر کے قریب جا کر اسے پکارنے لگا۔

''شہزادے۔۔'' وہ مراد کو اپنے سر پر کھڑا دیکھ کر حیران تھی۔ ''کچھ ہوا ہے کیا؟'' وہ بستر سے اٹھنے لگی۔

''ہمیں پایہ تخت کیلیئے نکلنا ہے۔''

''کیوں سب خیریت ہے۔۔'' اس نے پریشانی سے اسکا بازو پکڑتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں سب خیریت ہے۔ وقت آچکا ہے کہ میں اپنی جگہ لوں۔ تخت میرا انتظار کر رہا ہے۔ میرے دور کا آغاز ہو چکا ہے۔''

''کیا مطلب۔۔۔ کیا سلطان۔۔۔'' وہ آدھا جملہ بول کر خاموش ہو گئی۔

''ہاں۔۔۔ سلطان بیاضت خان رخصت ہو گئے ہیں۔'' اینجلا نے اسکی بات سن کر ایک گہری سانس لی۔

ترکی، استنبول:

فجر کے بعد وہ محل میں داخل ہوا تو محل کے در و دیواروں نے دم سادھ لیا۔ وہ جب جب داخل ہوتا تھا لوگ خاموش ہو جاتے تھے۔ سلطان کے حجرے میں جانے کیلیئے اسے حرم کے سامنے سے گزرنا تھا۔ وہ ابھی حرم سے کچھ فاصلے پر ہی تھا جب دربان اسے دیکھتے ہی بلند آواز میں سب کو متوجہ کرنے لگا۔

''باادب، باملاحظہ، ہوشیار، شہزادے سکندر تشریف لا رہے ہیں۔'' وہاں کھڑا ہر شخص محل کے قانون و قوائد کے مطابق سر کو ذرا خم دینے لگا۔ حرم میں لڑکیاں ایک قطار میں نگاہیں جھکائے کھڑی تھی۔ انہیں سر اٹھا کر دیکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ بنا حرم پر نگاہ ڈالے آگے بڑھ گیا۔ اسکا دل دکھی تھا اسکا باپ دنیا سے رخصت ہو چکا تھا وہ حرم پر نگاہ ڈالنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ویسے اگر وہ منا اسب حالات میں آتا تب بھی حرم پر نگاہ نہ ڈالتا۔ اسکے گزرنے کے بعد لڑکیاں اسے دیکھنے حرم سے باہر نکلیں۔ وہ اسے اس

وقت تک دیکھتی رہیں جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گیا۔ حرم کی لڑکیوں کی قسمت تب چمکتی تھی جب وہ کسی شہزادے کی ملکہ یا منظورِ نظر بنتی تھیں۔ ہر لڑکی اسی حسرت کے ساتھ جیتی تھی۔ کچھ کو موقع مل جاتا تھا اور کچھ وہی حسرت لئے بوڑھی ہو جاتیں اور پھر انہیں پرانے محل بھیج دیا جاتا۔ سکندر مرزا کی نہ کوئی منظورِ نظر تھی اور نہ ہی کوئی سلطانہ۔ نہ اسے کسی کی تلاش تھی نہ اس نے کبھی اس بارے میں سوچا تھا۔ تو رحان نے اسے بہت مرتبہ اس طرف توجہ دینے کا کہا تھا مگر وہ ہر بار جی ہاں میں سر ہلاتا اور اگلی بار پھر وہیں بیٹھے وہی باتیں سن رہا ہوتا۔

''والدہ!'' سلطان کے کمرے میں پہنچتے ہی وہ اپنی والدہ کا ہاتھ چوم کر انکے گلے لگا۔

''سکندر!'' وہ بیٹے کو گلے لگاتے ہوئے رونے لگیں۔ بلآخر کوئی آ گیا تھا، انکے خاندان کا ایک فرد جس کے ساتھ وہ غم بانٹ سکتی تھیں۔

''بھائی!'' عتیقہ روتی ہوئی اسکی طرف بڑھی۔

''عتقہ رومت! خدا کی مرضی میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔'' وہ اسے تھپک کر خاموش کروانے لگا۔ وہ اس سے چار سال چھوٹی تھی۔ وہ اب مردہ خانے کی طرف بڑھا۔ جہاں اسکے والد کی لاش پڑی تھی۔ اسکے والد کا جسم سفید چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ وہ قریب آیا۔ اس نے آہستگی سے کپڑا چہرے سے ہٹایا۔ چہرے پر اب بھی رعب دبدبہ اور شاہانہ تاثرات موجود تھے۔ اس نے جھک کر اپنے باپ کا ماتھا چوما۔ بچپن کی ہزاروں یادیں اسکے ذہن میں آئیں۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ یہاں وہ رو سکتا تھا۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ وہ تھا اسکا رب اور اسکے باپ کا بیجان جسم۔ وہ رو سکتا تھا جتنا چاہتا۔ کچھ سوچ کر اس نے آنسو صاف کیئے۔ اسکے والد اسے اکثر کہا کرتے تھے:

''مرد روتے نہیں ہیں سکندر۔ مردوں کو رونا زیب نہیں دیتا۔ اور سلطان بیاضت خان کے بیٹے کو تو بلکل بھی نہیں۔ تم تو میرے شیر بیٹے ہو۔ سکندر مرزا ہو تم۔''

اسنے آنسو ایک بار پھر ضبط کیئے۔دروازہ کھلا۔تورحان اندر داخل ہوئی۔وہ قدم انکی طرف بڑھانے لگا۔

''والدہ! مراد بھائی کو اطلاع بھجوادی گئی ہے؟'' وہ جانتا تھا کہ اسکا جواب ہاں ہی ہوگا مگر وہ کچھ اور بات کرنے کیلیئے موضوع چھیڑ رہا تھا۔

''ہاں۔ظہر سے پہلے پہنچ جائے گا وہ۔پھر نماز جنازہ پڑھا کر دفنا دیں گے۔''تورحان نے ایک نظر بیاضت خان پر ڈالی اور اسکی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

''والدہ! ابراہیم بھائی، انکا بھی حق ہے کہ اپنے والد کے جنازے میں شامل ہوں۔''

''ہاں مگر اسکی سزا پوری نہیں ہوئی اور ہم سلطان کے کیئے ہوئے فیصلے کا احترام کرتے ہیں۔'' وہ پہلے سے ہی جانتی تھی کہ وہ یہ بات کرنے والا ہے۔

''والدہ انکی سزا بس چند دنوں کی ہی رہ گئی ہے اور اگر بابا ہوتے تو وہ بھی منع نہیں کرتے۔''

''اگر وہ ہوتے تو بات کچھ اور ہوتی سکندر۔'' اسنے دونوں ہاتھ اسکے چوڑے اور توانا شانوں پر رکھے۔

''انکے فیصلوں کا احترام کرنا ہم پر فرض ہے۔''

سکندر نے مزید کوشش نہیں کی تھی۔کوشش کرنا بیکار تھا۔وہ بیکار کام نہیں کرتا تھا۔وہ مزید کچھ کہے بغیر کمرے میں چلا گیا تھا۔

ترکی، استنبول:

شہزادہ مراد کے آنے کے بعد جنازے میں دیر نہیں کی گئی تھی۔تابوت دھیرے دھیرے محل کے بڑے صحن سے باہر لایا جا رہا تھا۔قریب بیاضت خان کی بنائی ہوئی مسجد کے صحن میں اسے دفن کیا جانا تھا۔سکندر اور مراد دونوں اپنے والد کے تابوت کو سہارا دیے کھڑے تھے۔انکے آگے ایک عالم دعائیں پڑھتے چلتے جا رہے تھے۔ہر طرف گہری خاموشی تھی۔تمام خواتین اوپر جالی دار کھڑکی سے نیچے کا منظر دیکھ رہی تھیں۔

تورحان سلطان کی آنکھیں نم تھیں۔اور عتیقہ سلطان خود کو بڑی مشکل سے سنبھالے ہوئے تھی۔ افسوں سلطان ایک طرف کھڑی تھی۔مراد کی طرح اسکے چہرے پر بھی زیادہ غم نہیں تھا۔غم کیوں ہوتا، مستقبل روشن تھا۔اگلا بادشاہ مراد تھا اور وہ مراد کی ملکہ،اسکے شہزادے کی والدہ تھی۔اسکا رتبہ بلند تھا۔جو کچھ غم اسکے چہرے پر تھا وہ محض دکھاوا تھا۔محل میں زندہ رہنے کیلیئے سب سے زیادہ ضروری چیز اقتدار تھا۔محل میں موجود ہر شخص اقتدار کا خواہشمند تھا۔افسوں اور مراد بھی انہی میں سے ایک تھے۔

دیوان لگایا جا چکا تھا۔اوپر جالی کے پیچھے تورحان سلطان کھڑی تھیں۔انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا مگر وہ سب کو دیکھ سکتی تھیں۔تمام وزرا قطار میں کھڑے تھے اور وزیر اعظم سامنے کھڑا تھا۔وزرا سے پہلے قطار میں شہزادے بھی کھڑے تھے۔وزیر اعظم کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جس پر سلطان بیاضت خان کا آخری فیصلہ لکھا تھا۔وزیر اعظم نے کاغذ پر لکھے الفاظ پڑھنے شروع کیئے:

''میرے دلیر شہزادوں، میرے بہادر وزرا، اگر یہ کاغذ تم لوگوں کے پاس موجود ہے تو اسکا مطلب ہے کہ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملا ہوں۔'' سکندر نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔کچھ دیر پہلے وہ اپنے والد کو دفنا کر آیا تھا اور اب تخت کا نیا جانشین مقرر ہونے والا تھا۔ایک دن گزرا تھا اسکے والد کی وفات کو اور مستقبل کا فیصلہ کیا جا رہا تھا۔''میں نے اپنے اباؤاجداد سے ملنے والی ریاست کی ترقی کیلیئے بھرپور کوشش اور محنت کی۔میرے بعد تخت کو یقیناً ایک وارث چاہیئے ہوگا۔میں چاہتا ہوں کہ میرے بعد تخت اسے ملے جو قابل اور تخت و ریاست کا بوجھ بہترین طریقے سے اٹھانے والا ہو۔مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد تخت کی وجہ سے میرے بیٹے دشمن بن جائیں گے اور بھائی بھائی کا خون بہائے گا اس لئے میں اپنی ان آخری سانسوں میں اگلا بادشاہ نامزد کرتا جا رہا ہوں۔یہ وصیت نہیں ہے، نہ ہی یہ مشورہ ہے، یہ حکم ہے، سلطان بیاضت خان کا حکم۔'' وزیر اعظم ٹھہر ٹھہر کے الفاظ ادا کر رہا تھا۔مراد کے دل کی دھڑکن تیز

ہو گئی تھی ۔ابھی اسکا نام لیا جائے گا،اور کل پورا استنبول، کاہرمان ،امرسیہ،منیسا اور یہاں تک کہ دوسری ریاستیں بھی جان جائیں گی کہ اگلا سلطان اسے نامزد کیا گیا ہے۔کل وہ ینیچریوں کے سامنے حلف اٹھائے گا اور پھر پورا ملک اسکے اشارے پر حرکت کرے گا۔''میرے بعد تخت کا وارث میرا بیٹا، میرا شیر، میرا جانباز، سلطان سکندر مرزا ہوگا۔'' سکندر اپنا نام سن کر حیران ہوا۔اس نے نظریں اٹھا کر وزیر اعظم کو دیکھا جو دھیما سا مسکرا رہا تھا۔مراد کے اوساں خطا ہوئے تھے۔یہ کیسے ہو سکتا تھا۔تخت اسکا حق تھا پھر اس سے چھوٹے کو کیسے دیا جا سکتا تھا۔''شہزادہ مراد اپنی خدمات امرسیہ میں جاری رکھے گا اور میرا بیٹا ابراہیم وہ پایہ تخت میں بغیر کسی عہدہ کے رہے گا۔یاد رہے یہ میرا حکم ہے۔خدا ہمارے ریاست کو سکندر مرزا کے دور میں ترقی دے۔(آمین)۔'' سکندر ابھی تک حیران تھا۔اس نے تخت کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا اور نہ ہی خود کو اس قابل سمجھا تھا وہ منیسا میں بھی خوش تھا اور خوش ہی رہنے والا تھا۔تخت اس کیلئے ایک ذمہ داری تھا۔اور پھر اس سے بڑے دو شہزادے تھے۔پھر بھی اسے منتخب کیا گیا تھا۔وزیر اعظم نے مکتوب بند کیا اور پھر گھٹنے کے بل بیٹھتے ہوئے شاہی تلوار دونوں ہاتھوں سے اسکی طرف بڑھائی۔باقی تمام وزرا نے بھی سر کو ذرا خم دیا اور اسی طرح گھٹنے کے بل جھک گئے۔سکندر مگر انکی طرف نہیں دیکھ رہا تھا وہ اوپر بنی اس جالی کی جانب دیکھ رہا تھا۔وہ محسوس کر سکتا تھا کہ اسکی والدہ وہاں تھیں۔وہ کچھ دیر وہاں دیکھتا رہا۔پھر اس نے شاہی تلوار تھام لی۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے، مجھے یہ فیصلہ منظور نہیں ہے۔'' مراد کی آواز پر اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

''میں اول شہزادہ ہوں۔حق میرا ہے۔میں ایسے کسی فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا۔'' پورا دیواں اسکے شور سے گونجنے لگا۔سکندر مگر خاموش تھا۔اس کے نزدیک اسکا بھائی حق پر تھا۔تخت پر مراد کا ہی حق تھا۔

''شہزادے یہ مرحوم سلطان کا حکم ہے اسے ہم میں سے کوئی نہیں ٹال سکتا۔آپ بھی نہیں۔'' وزیر اعظم دوبارہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''تم ہوتے کون ہو۔۔۔'' مراد غصے سے پاگل ہوتے ہوئے وزیراعظم کی جانب بڑھا۔سکندر نے آگے بڑھ کے اسے پیچھے کیا۔

''شہزادے سلطانہ اور دیوان کا لحاظ کریں۔'' اسکی آواز بلند نہیں تھی مگر رعبدار تھی بلکل بیاضت خان کی طرح۔کوئی شخص اگر اسکا چہرا نہ دیکھتا اور صرف آواز سنتا تو انہیں شبہ ہوتا کہ شاید وہ بیاضت خان تھا۔مراد نے اسکی بات پر سر اوپر اٹھایا۔جالی دار پردہ اب ہٹ چکا تھا۔تورحان کا چہرا نقاب کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔مراد نے نظریں پھیر لیں۔وہ سب وہیں کھڑے تھے جب ایک سپاہی اندر داخل ہوا۔

''دونوں شہزادوں کو ملکہ آقا کے کمرے میں بلا رہی ہیں۔'' وہ کہہ کر واپس چلا گیا۔سکندر نے ایک نظر غصے سے سرخ ہوتے مراد کو دیکھا۔وہ حیران تھا۔اسے تخت کی چاہت نہیں تھی مگر اسکا بھائی لڑنے مرنے کو تیار تھا۔وہ ایک نظر مراد پر ڈالتا باہر نکل گیا۔شاہی تلوار اس نے بڑے احترام سے وزیراعظم کو دے دی تھی۔

''والدہ! آپ کو نہیں لگتا یہ غلط ہے۔مراد بھائی ابراہیم بھائی بڑے ہیں مجھ سے۔۔۔'' وہ کمرے میں آتے ہی اپنی والدہ سے مخاطب ہوا۔

تورحان اسکے قریب آئی۔اور اسکے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔''سکندر۔تخت کوئی چھوٹی چیز نہیں ہوتی۔نہ ہی تخت عمر دیکھ کر دیا جاتا ہے۔تخت قابلیت دیکھ کر دیا جاتا ہے۔حکمرانی صرف انہیں دی جاتی ہے جو حکمرانی کے قابل ہوتے ہیں اور تم حکمرانی کے قابل ہو۔رہی بات تمہارے بھائیوں کی تو وہ نا قابل نہیں مگر تم سے زیادہ قابل بھی نہیں ہیں۔اور پھر یہ سلطان کا حکم ہے۔اور یہ تمہارے لئے ہے تمہارے بابا کی طرف سے۔'' یہ کہتے ہوئے تورحان نے ایک ڈبی اور اسکے ساتھ ایک مکتوب اسکی جانب بڑھایا۔

سکندر نے ایک بار اس مکتوب اور ڈبیا کو دیکھا اور پھر اپنی والدہ جنکے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔سکندر نے وہ تھام لیں۔وہ اب دالان کی جانب بڑھتے ہوئے مکتوب کھول رہا تھا۔

’’سکندر میرے بیٹے ! میں جانتا ہوں جب تمہیں علم ہوا ہوگا کہ اگلے بادشاہ تم ہو تو تم یقیناً حیران ہوئے ہو گے۔تم انکار کرنا چاہتے ہو گے تم مراد کو حقدار سمجھتے ہو گے۔مگر میری بات دھیان سے سنو سکندر۔اس تخت کے سب سے زیادہ حقدار تم ہو۔تمہاری تاجپوشی کے وقت میں تمہیں کوئی تحفہ دینے کے قابل نہیں ہوں گا لہذا ابھی سے دے رہا ہوں۔اس ڈبیا کو کھولو سکندر۔‘‘ سکندر نے مکتوب بیچ میں چھوڑ کر ڈبیا کھولی۔اس میں سبز نگینے والی انگوٹھی تھی۔جس پر بڑی خوبصورتی سے کچھ کندہ تھا:

ان للہ وان علیہ راجعون۔

سکندر نے دوبارہ سے مکتوب کھولا۔’’سکندر کوئی بھی فیصلہ لینے سے پہلے اس انگوٹھی کو دیکھنا۔یاد رکھنا کہ تمہیں اپنی جان اس خدا کو دینی ہے۔ظلم نہ کرنا، ناانصافی کے مرتکب نہ ہونا اور نہ ہی کبھی مدد کیلئے پکارنے والے ہاتھ کو جھٹکنا۔غداروں کو کبھی معاف نہ کرنا۔جو ایک بار دھوکا دے سکتا ہے وہ ہر بار دھوکا دے سکتا ہے۔سکندر مجھے تم پر بھروسہ ہے۔تمہارے والد، بیاضت خان۔‘‘ سکندر نے مکتوب بند کیا تو اسکی آنکھوں میں نمی تھی۔اسے ساری زندگی لگتا تھا کہ بیاضت خان اس سے زیادہ اسکے بڑے بھائیوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔آج اس کو علم ہوا تھا کہ بیاضت خان کا سب سے پسندیدہ بیٹا کون تھا۔وہ مسکرا بھی رہا تھا اور غمگین بھی تھا۔کمرے میں مراد تورحان سے بحث کر رہا تھا۔مگر سکندر کا دھیان اس طرف نہیں تھا۔وہ دالان سے باہر دیکھ رہا تھا۔وہ ساری ریاست اسکی تھی۔وہ حاکم تھا۔وہ اپنی ریاست دیکھ رہا تھا۔وہ اپنی ذمہ داری دیکھ رہا تھا۔

’’والدہ میں کبھی سکندر کو تسلیم نہیں کروں گا اور نہ ہی کبھی سر جھکاؤں گا اسکے آگے۔‘‘ یہ واحد الفاظ تھے جو سکندر نے سنے تھے۔وہ دالان سے واپس کمرے میں آیا تو مراد جا چکا تھا۔

’’فکر مت کریں والدہ کچھ دنوں میں ٹھیک ہو جائے گا۔بس تھوڑا جذباتی ہے۔آپ جانتی ہیں چھوٹوں کے آگے جھکنا پسند نہیں ہے اسے۔‘‘ اس نے تورحان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چوما۔

''بادشاہت مبارک ہو سکندر!'' تورحان اسے دیکھ کر مسکرائی۔

''کل تمہاری تاج پوشی ہوگی، اور اسکے بعد تم ریاست کے باقائدہ سربراہ بن جاؤ گے۔ خدا بابرکت کرے۔''

''آمین والدہ، آمین۔'' اس نے ایک مرتبہ پھر ہاتھوں میں موجود اپنی والدہ کا ہاتھ چوما۔

''اور اب تم اپنی ملکہ کا بھی سوچ لو۔ کوئی بھی بادشاہ ریاست کو بغیر وارث کے نہیں چھوڑ سکتا۔'' تورحان نے پھر انہیں باوں کا آغاز کیا تھا۔

''والدہ، تاج پوشی کے بعد تو میں ایک ہفتہ شکار کیلئے جاؤں گا جب وہاں سے واپس آؤں گا تو اس بارے میں سوچوں گا۔ اور میری گزارش ہے کہ آپ مجھے بار بار یہی باتیں مت سنایا کریں۔ جب مجھے مناسب لگے گا میں تب اپنی زندگی میں کسی عورت کو شامل کرلوں گا مگر ابھی نہیں۔'' وہ کہتا کمرے سے باہر چلا گیا۔ تورحان اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔

''پتا نہیں کب اسکا مناسب وقت آئے گا۔ مجھے تو لگتا ہے ساری زندگی اس کے لئے وقت غیر مناسب ہی رہے گا۔'' وہ خود سے بڑبڑائی۔

ٹرانسلوانیا , البا یولیہ:

وہ سفید جوڑا پہنے چرچ میں داخل ہو رہی تھی۔ اسکی آنکھوں میں ایک خاص چمک تھی۔ اسکا سفید فراک پیروں تک آتا تھا۔ اسکے دائیں جانب سٹیفن سیاہ کفتان میں تھا۔ اسکا ایک ہاتھ پشت پر تھا اور دوسرے سے وہ اسکا ہاتھ تھامے چرچ میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ لمحہ الیگزنڈرا کیلئے کسی خواب سے کم نہیں تھا۔ سٹیفن کو پانے کی خواہش اسے عرصے سے تھی۔ آج خواہش پوری ہونے جا رہی تھی۔ میکلوس اور فیرنیک دونوں خوش تھے انکا رشتہ اور مضبوط ہو گیا تھا۔ پادری سے کچھ فاصلے پر وہ رک گئے۔ پادری اب کچھ پڑھ رہا

تھا۔وہ کچھ ہنگرین زبان میں تھا۔الیگزنڈرا چہرا موڑ کر سٹیفن کو دیکھ رہی تھی۔پھر اچانک چرچ کے باہر بھگدڑ مچ گئی۔لوگ ادھر سے ادھر بھاگ رہے تھے۔الیگزنڈرا نے مڑ کر دیکھا۔سیاہ نقاب پہنے بہت سے لوگ چرچ میں داخل ہو چکے تھے۔وہ چرچ میں موجود لوگوں کو اپنی تیز تلواروں سے قتل کرتے جا رہے تھے۔الیگزنڈرا کا ہاتھ سٹیفن کے ہاتھ میں تھا۔سٹیفن خوف کے مارے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔اس نے تیزی سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر الیگزنڈرا نے اسکا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

''الیگزنڈرا میرا ہاتھ چھوڑو۔''وہ اب سختی سے اسکا ہاتھ جھٹکنے لگا۔

''تمہیں میری حفاظت کرنی چاہیئے سٹیفن۔تم مجھے چھوڑ کر بھاگ رہے ہو؟''الیگزنڈرا کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

''میرے لئے میری زندگی تم سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔''وہ کہتا نا جانے کہاں کو بھاگ گیا تھا۔الیگزنڈرا وہاں کھڑی دیکھ رہی تھی۔میکلوس اور فیرینک ان سیاہ نقاب پوشوں سے لڑ رہے تھے۔فیرینک نے ایک نظر سفید جوڑے میں ملبوس اپنی بیٹی پر ڈالی۔وہ تیزی سے س کی جانب بڑھا۔

''میرے ساتھ چلو الیگزنڈرا۔''وہ اسے لیتا اب چرچ کے خفیہ راستے کی جانب بڑھا۔اس سارے وقت میں لارا بھی ان کے ساتھ تھی۔

''بابا ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' الیگزنڈرا نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔

''الیگزنڈرا! ہم نہیں تم جا رہی ہو۔وہاں جہاں تم محفوظ ہو گی۔''یہ کہتا وہ تیزی سے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکالنے لگا اور پھر چاقو سے اپنا ہاتھ پر زخم کر کے خون سے کاغذ پر کچھ لکھنے لگا۔

''بابا آپ کیا کر رہے ہیں؟''وہ اسکا ہاتھ پکڑتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''الیگزنڈرا صبر کرو۔''اس نے کاغذ پر کچھ لکھا۔اور پھر اسے ایک کپڑے سے باندھ کر اسکے حوالے کیا۔

''الیگزنڈرا، لارا یہ راستہ تم دونوں کو بندرگاہ کی جانب لے جائے گا۔وہاں ایک جہاز کھڑا ہو گا۔اسے

کہنا تمہیں زیاگنوس نے بھیجا ہے۔ اور تمہیں استنبول جانا ہے۔ وہاں ترکوں کے سلطان کو یہ خط دے دینا۔ الیگزنڈرا یہ خط صرف اسے ہی دینا۔ تمہیں اسے پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔'' وہ کہہ کر اس کا ہاتھ چومنے لگا۔

''الیگزنڈرا! یہ شاید ہماری آخری ملاقات ہے۔ ایک بات یاد رکھنا تمہارے بابا تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اب جاؤ میری بیٹی۔'' وہ کہتے واپس بھاگا۔

''بابا!'' الیگزنڈرا کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ چلا چلا کر اپنے باپ کو پکار رہی تھی۔ فیرنیک نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ اگر وہ مڑ کر دیکھتا تو کمزور پڑ جاتا۔ الیگزنڈرا کے آنسو اسے ہمیشہ کمزور کر دیتے تھے۔ وہ بس تیزی سے خفیہ راستے سے باہر نکل رہا تھا۔

''شہزادی ہمیں نکلنا چاہیے۔'' لارا اسے پکڑتی آگے بڑھنے گی مگر الیگزنڈرا مڑ مڑ کر اپنے والد کو دیکھ رہی تھی جو اب وہاں نہیں تھا۔

ترکی، استنبول:

مسجد کے اندر ابھی مکمل روشنی نہیں پھیلی تھی۔ فجر کی اذان سے کچھ پہلے وہ ہمیشہ کی طرح آ چکا تھا۔ یہ اس کی عادت تھی، دن کے آغاز سے پہلے اپنے رب کے حضور حاضر ہونا۔ وسیع و خاموش مسجد میں صرف چند چراغوں کی مدھم روشنی اور ٹھنڈی ہوا کی ہلکی سی گردش تھی۔

وہ محراب کے قریب تنہا کھڑا تھا۔ پھر آہستگی سے سجدے میں چلا گیا۔ اس کے سجدے طویل تھے ہمیشہ سے طویل۔ پیشانی زمین پر ٹکی ہوئی، ہاتھ پھیلے ہوئے، اور سانسوں کی رفتار دھیمی۔ وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔ مسجد کی خاموشی میں صرف اس کی سانسوں کی مدھم سنائی دے رہی تھی۔ وہ سلطان تھا مگر اس سے پہلے خدا کا بندہ اور مسلمان تھا۔

اب وہ تشہد میں بیٹھا تھا۔اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔چہرے پر ایک گہری سنجیدگی اور اندرونی کیفیت کا عکس تھا۔وہ یقیناً سجدوں میں رویا تھا،مگر وہ رونا کمزوری کا نہیں،خشیتِ الٰہی کا تھا۔اس کی پلکوں پر نمی باقی تھی،مگر انداز میں وقار تھا۔

سلام پھیرنے کے بعد وہ کچھ دیر اسی طرح بیٹھا رہا۔پھر اس نے اپنے ہاتھ بلند کئے۔

''یا ربی! مجھے یہ ذمہ داری احسن طریقے سے نبھانے کی طاقت دے۔یا ربی! مجھے ظالم نہ بننے دینا۔مجھے ظلم کے خلاف کھڑا ہونے والوں میں سے بنانا۔یا ربی! مجھے اپنے پیغمبر کے راستے پر چلنے کی توفیق دینا۔یا ربی! مجھے غرور اور ناانصافی سے بچانا۔(آمین)''اس نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرے۔آنکھیں ایک بار پھر نم ہو چکی تھیں۔

اس کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔اس نے دانے آہستگی سے گرانا شروع کیے—ایک ایک کر کے۔

وہ جلدی میں نہیں تھا۔وہ وقت لے رہا تھا۔اس کے چہرے پر اضطراب نہیں،ایک عجیب سا سکون تھا۔

باہر آسمان ہلکا سا نیلا ہونے لگا تھا،اور مسجد کے اندر وہ خاموشی سے اپنے رب کے حضور بیٹھا تھا۔

وہ شاہی کمرے میں کھڑا تھا،وہی خلوت گاہ جو خاص عثمانی سلاطین کے لیے مخصوص تھی۔بلند چھتوں اور خاموش دیواروں کے درمیان قدآور آئینے کے سامنے اس نے لمبی سفید سادہ قمیص پہن رکھی تھی،جو عموماً سلطان کافتان کے نیچے پہنا کرتے تھے۔اس کے ہاتھ ہلکے سے پھیلے ہوئے تھے اور نظریں اپنے ہی عکس پر ٹھہری ہوئی تھیں۔

قریب کھڑے آغا خاموشی سے اسے تیار کرنے میں مصروف تھے۔سرخ شاہی کافتان،جس پر سنہری دھاگوں سے خوبصورت کام کیا گیا تھا،اس کے کندھوں پر چڑھایا گیا۔اس کی لمبی،مصور کی سی انگلیوں میں شاہی انگوٹھیاں پہنائی گئیں،جن کے نگینے ہلکی روشنی میں چمک اٹھے۔شاہی،سونے سے بنا کمر بند،

باندھا گیا۔ پھر اس کے کندھوں پر شاہی چوغہ رکھ دیا گیا، نرم مگر باوقار۔
وہ خاموشی سے آئینے میں خود کو دیکھتا رہا۔ چہرہ سنجیدہ، آنکھیں گہری، انداز متوازن۔
چند قدم پیچھے کھڑا اس کا خاص دربان یاقوت آگے بڑھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سفید شاہی تاج اٹھایا، خوبصورت، سادہ مگر وقار سے بھرپور، جس کے ایک جانب قیمتی پتھر جڑے تھے۔ نہایت احتیاط سے تاج اس کے سر پر رکھا گیا۔
آئینے میں اب جو شخص کھڑا تھا، وہ صرف ایک آدمی نہیں رہا تھا، وہ تین براعظموں کا حکمران تھا۔ وہ سلطان اعظم تھا۔

محل کے وسیع و عریض صحن میں گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ فضا پر ایسا سکوت طاری تھا گویا وقت خود ٹھہر گیا ہو۔ صحن میں منظّم انداز میں کھڑی ینیچریوں کی قطاریں سر جھکائے ایستادہ تھیں۔ ان کی فولادی تلواریں اور زرہیں مدھم روشنی میں چمک رہی تھیں، مگر نگاہیں ادب سے زمین پر جمی تھیں۔
بیرونی دروازے کے عین سامنے ایک شاندار تخت رکھا تھا۔ چاندی جیسی چمک رکھنے والا وہ تخت سرخ نقوش سے مزین تھا، جن میں اقتدار، خون اور عظمت کی کہانی سمٹ آئی تھی۔ اس کی ساخت اور آرائش مکمل طور پر سلطنت عثمانیہ کے جلال و جمال کی آئینہ دار تھی۔ تخت کے دائیں جانب تمام وزراء صف بستہ کھڑے تھے، ہاتھ باندھے، سر جھکائے، جیسے سانس لینا بھی بے ادبی ہو۔
بالائی حصے میں بنی جالی دار کھڑکی کے پیچھے تُورہان سلطان کھڑی تھیں۔ ان کی نظریں نیچے صحن پر مرکوز تھیں جہاں ان کے بیٹے کی تقدیر رقم ہونے جا رہی تھی۔ ان کے پہلو میں عتیقہ خاموش کھڑی تھی، جبکہ افسون کی آنکھوں میں انجانی سی بے چینی لرز رہی تھی۔ مراد اسی صبح امرسیہ روانہ ہو چکا تھا؛ وہ اپنے حصے کا تاج کسی اور کے سر سجتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یا شاید کسی اور وجہ سے۔ شاید وہ بغاوت کی تیاری میں تھا۔

اچانک بھاری دروازہ دھیمی گرج کے ساتھ کھلا۔
جالی دار کھڑکی کے پیچھے کھڑی سلطانوں کی نگاہیں اسی سمت اٹھ گئیں۔
سلطان سکندر مرزا دروازے پر کھڑا تھا۔اس کے پیچھے دو سپاہی بڑی تلواریں تھامے ہوئے موجود تھے۔ان میں سے ایک سلطان کی شاہی تلوار تھی۔اس کے چہرے پر سنجیدہ وقار اور آنکھوں میں فولادی عزم جھلک رہا تھا۔وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا تخت کی طرف آیا۔ ہر قدم کے ساتھ ینیچریوں اور وزراء کے سر مزید جھکتے گئے۔
تخت کے قریب پہنچ کر اس نے ایک لمحے کو سر اٹھایا اور جالی دار کھڑکی کی سمت دیکھا۔ماں کی موجودگی اس نے محسوس کی،اسکی ماں اسکی سب سے بڑی طاقت تھیں۔ ہر بچے کی ماں اسکی سب سے بڑی طاقت ہوتی ہے۔
پھر اس نے اپنی کافتان کو شاہانہ انداز میں سمیٹا،اور وقار کے ساتھ تخت پر جلوہ افروز ہو گیا۔
اس کے ہاتھ کے ہلکے سے اشارے پر ینیچریوں نے اپنے سر بلند کیے۔
ینیچریوں کا سربراہ آگے بڑھا۔اس کی آواز گونجی، گہری اور پُر ہیبت:
"بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ۔
حَسۡبِيَ اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ۔
ہم،سلطنت کے وفادار سپاہی،اللہ کو حاضر و ناظر جان کر عہد کرتے ہیں کہ سلطان سکندر مرزا کی اطاعت کو اپنا فرض سمجھیں گے۔
ان کے حکم پر جان قربان کریں گے،ان کے دشمن کے مقابل سینہ سپر رہیں گے۔
جب تک ہمارے جسموں میں خون کی ایک بوند باقی ہے،تلوار تخت کے دفاع میں بلند رہے گی۔
اللہ گواہ ہے،اور وہی بہترین کارساز ہے۔"

حلف کی بازگشت صحن کی دیواروں سے ٹکرا کر دیر تک گونجتی رہی۔

اس کے بعد وزراء باری باری آگے بڑھے۔ ہر ایک گھٹنوں کے بل جھکا، سلطان کا دایاں ہاتھ ادب سے چوما، اور خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا۔ وفاداری کے نقابوں کے پیچھے سیاست کی پرتیں بھی چھپی تھیں، مگر اس لمحے سب پر صرف اطاعت غالب تھی۔

سکندر مرزا تخت پر بیٹھا سب کچھ خاموش نظروں سے دیکھتا رہا۔

ایک نئے عہد کا آغاز ہو چکا تھا۔

سکندر مرزا کے دور کا آغاز۔

دریا کی سطح پر دھند اتر رہی تھی۔ آسمان پر تارے جگمگا رہے تھے۔ دور کہیں آتش بازی ہو رہی تھی۔ کشتی آہستہ آہستہ کنارے سے دور جا رہی تھی۔

وہ دونوں کشتی میں بیٹھی تھیں۔

الیگزینڈرا کی نظریں اپنے ہاتھ میں پکڑے خط پر جمی تھیں۔ کاغذ اس کی لرزتی انگلیوں میں کانپ رہا تھا۔ آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ ہر لفظ جیسے دل میں پیوست ہوتا جا رہا تھا۔

''لارا۔۔۔ میرے بابا۔۔'' اس کی آواز ٹوٹ گئی، ''لارا، وہ میری زندگی میں واحد انسان تھے جنہیں میری فکر تھی۔۔۔ واحد۔''

وہ لارا کے قریب سرک آئی اور اس کے کندھے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کے آنسو لارا کے لباس کو بھگو رہے تھے۔

''شہزادی۔۔۔ صبر کریں'' لارا نے دھیمے لہجے میں کہا، اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے، ''خداوند آپ کو ہمت دے۔''

مگر بعض زخم ایسے ہوتے ہیں جن پر الفاظ مرہم نہیں بن سکتے۔

الیگزینڈرا کی آنکھوں کے سامنے اپنے والد کا چہرہ ابھرا۔ وہی شفقت بھری مسکراہٹ، وہی میٹھی آواز——

''میری شہزادی۔۔۔''

یہ پکار اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہو چکی تھی۔

کشتی کے اردگرد پانی کی ہلکی سی چھپاک سنائی دے رہی تھی، مگر اس کے اندر ایک طوفان برپا تھا۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد لارا نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا،

''شہزادی! شہزادہ اسٹیفن کے بارے میں کچھ معلوم ہوا آپ کو؟''

الیگزینڈرا کا ذہن جیسے اچانک کسی اور سمت مڑ گیا۔

اسٹیفن۔۔۔

''میرے لیے میری زندگی تم سے زیادہ قیمتی ہے۔''

وہ الفاظ اب بھی کانوں میں گونجتے تھے۔ اگر کوئی اور کہتا تو شاید اتنا دکھ نہ ہوتا۔۔۔ مگر اسٹیفن؟ اسٹیفن نے یہ کہا تھا۔ وہ شخص جس کے لیے اس نے اپنے دل کی ہر دعا بدل دی تھی۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں، جیسے یادوں کو دھکیل دینا چاہتی ہو۔

''لارا۔۔۔ مجھے اس شخص کا ذکر بھی نہیں کرنا،'' اس کی آواز میں دکھ کے ساتھ تلخی بھی شامل ہوگئی، ''اسے میری حفاظت کرنی تھی۔۔۔ مگر وہ مجھے بیچ میں چھوڑ گیا۔''

اس کی انگلیاں خط پر اور مضبوط ہوگئیں۔

''وہ میرا ہاتھ تھامے رکھتا۔۔۔ اگر میری جان بھی چلی جاتی تو مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ مگر اس نے۔۔۔ اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔''

اس کی سانسیں بے ترتیب ہوگئیں۔

''لارا، میں نے اس سے سچے دل سے محبت کی تھی۔۔۔اور اس نے۔۔۔''

الفاظ گلے میں اٹک گئے۔

''میں اس کی مستحق نہیں تھی۔۔۔''

آنکھوں سے آنسو دوبارہ بہہ نکلے۔اس نے ایک قیمتی ہستی کو کھو دیا تھا، اپنے باپ کو۔اور جسے دل دیا تھا، اس نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

لارا نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''شہزادی، آپ قیمتی ہیں۔۔بے حد قیمتی،'' اس نے پُر اعتماد لہجے میں کہا، ''وہ شخص اس قابل ہی نہیں تھا کہ آپ کو حاصل کر سکے۔آپ خود کو پریشان نہ کریں۔جو ہاتھ آپ کا ساتھ نہ دے سکا، وہ آپ کی تقدیر نہیں ہو سکتا۔''

الیگزینڈرا نے بھیگی پلکوں سے دریا کی وسعت کو دیکھا۔پانی بہتا جا رہا تھا، جیسے زندگی کسی کے رکنے سے نہیں رکتی۔مگر اس کے دل میں اس وقت سب کچھ ساکت تھا۔

کشتی دھند میں آگے بڑھتی گئی، مگر وہ خالی ذہن کے ساتھ بیٹھی تھی۔

''نہایت ہی گھٹیا انسان تھا''۔سکندر نے مزید کچھ اعلی پائے کے الفاظ اس شخص کیلئے استعمال کئے۔

''کبھی کبھی جو ہوتا ہے اچھے کیلئے ہوتا ہے۔'' سکندر ابھی بزرگ کی اس بات کو نہیں سمجھ سکا تھا۔

''نہیں مجھے نہیں لگتا۔میں نے کسی کو کھو دیا اس میں کیا بہتری ہو سکتی ہے؟'' سکندر نے آنکھ سے پانی کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''اگر اسے تمہارے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے تو وہ تمہیں مل جائیگا۔'' سکندر کو بزرگ کی بات پر کچھ زیادہ یقین نہیں ہوا مگر وہ ہاں میں سر ہلاتا رہا۔

گھنے جنگل کے بیچ غروب ہوتے سورج کی روشنی بمشکل زمین تک پہنچ پا رہی تھی۔ بلند و بالا درختوں کی شاخیں آپس میں الجھی تھیں۔ پتوں کے بیچ سے گزرتی ہوا سرسراہٹ پیدا کر رہی تھی، اور اسی سرسراہٹ کو چیرتے ہوئے دو گھوڑے آگے بڑھ رہے تھے۔

وہ دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار تھے۔

انکی رفتار سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ دوڑ لگا رہے تھے۔ جنگل کی خاموش فضا میں ان کے قہقہے گونج رہے تھے۔ آزادی، جوانی اور طاقت۔۔۔سب انکے پاس تھا۔

سیاہ آنکھوں والا اپنے ساتھی سے خاصا آگے نکل چکا تھا۔ اسکی آنکھوں میں چمک تھی۔ اچانک اس کے گھوڑے کے عین سامنے کوئی آیا۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے لگام کھینچی اور گھوڑے کا رخ موڑ دیا۔

گھوڑا ہنہناتا ہوا ایک طرف کو مڑا اور رفتار آہستہ ہو گئی۔

سامنے ایک لڑکی کھڑی تھی۔۔۔سانس پھولی ہوئی، آنکھوں میں خوف۔

وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ پیچھے سے چند آدمی دوڑتے ہوئے نمودار ہوئے۔ ان کے چہروں پر درندگی تھی۔

سیاہ آنکھوں والے نے ایک نظر لڑکی کو دیکھا، پھر خاموشی سے گھوڑا آگے بڑھایا اور اس کے اور ان آدمیوں کے درمیان آ کر رک گیا۔

حفاظت مانگی نہیں گئی تھی۔ مدد کی درخواست نہیں کی گئی تھی۔

مگر حفاظت کی جا رہی تھی۔

وہ مرد تھا اور مرد کی شان یہی تھی۔

وہ آدمی آگے بڑھنے کو تھے کہ پیچھے سے دوسرا سوار بھی آن پہنچا۔ اس نے گھوڑا سیاہ آنکھوں والے کی طرف بڑھایا۔ دونوں نے ایک لمحے کو ایک دوسرے کو دیکھا۔۔۔خاموش مفاہمت۔

پھر اس نے تلوار نکال کر اس کی طرف اچھالی۔

''یا حق!''

نعرہ فضا میں گونجا اور اگلے ہی لمحے دونوں گھوڑوں کو ایڑ لگا کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ تلواریں چمکیں، چیخیں بلند ہوئیں، اور چند ہی لمحوں میں سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ زمین پر سناٹا تھا۔ خون کے قطرے پتوں اور ان کے چہروں پر تھے۔

سیاہ آنکھوں والا اب گھوڑے سمیت لڑکی کی جانب بڑھا۔

یہ پہلا موقع تھا جب اس نے اس نوجوان کو غور سے دیکھا۔

سیاہ بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ سیاہ آنکھیں عقاب کی مانند تیز اور گہری۔ ناک تراشی ہوئی، جبڑا مضبوط۔ ہاتھوں پر بال نہ ہونے کے برابر مگر رگیں واضح۔ داڑھی نہایت سلیقے سے تراشی گئی تھی۔ لباس ڈھیلا تھا، کرتے کی آستینیں کہنیوں تک مڑی ہوئی تھیں۔

یہ سب اس نے ایک ہی نظر میں دیکھ لیا تھا۔

''میری دوست۔۔۔'' اس نے ہانپتے ہوئے کہا، ''وہ وہاں ہے۔۔۔زخمی ہے۔۔۔'' وہ ہنگرین زبان میں بات کر رہی تھی۔

سیاہ آنکھوں والے نے مختصر سی نظر اس پر ڈالی، پھر اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ وہ فوراً اس سمت بڑھ گیا جس طرف لڑکی نے اشارہ کیا تھا۔

''آپ کو کہاں جانا ہے؟'' اس نے بغیر اسے دیکھے پوچھا، اور ساتھ ہی گھوڑے سے اتر کر اپنے کندھے پر پڑا فرغل اتارنے لگا۔ وہ بھی اس سے ہنگرین میں ہی بات کرنے لگا۔

''مجھے۔۔۔مجھے سلطانِ معظم سے ملنا ہے۔۔۔''اس نے کانپتے ہاتھوں سے جواب دیا۔

وہ اس کے قریب آیا۔ وہ اسکے پیچھے کھڑا تھا۔ وہ اسکی تیز سانسیں سن سکتا تھا۔ اس نے خاموشی سے اپنا فرغل اس کے کندھوں پر ڈالا۔ فرغل نے اسکے کندھے اور سینے کو ڈھانپ دیا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔۔۔ مجھے سردی محسوس نہیں ہو رہی۔۔۔'' وہ چونک کر فرغل اتارنے لگی۔
وہ پہلی بار سیدھا اس کی طرف متوجہ ہوا۔
''یہ میں نے آپ کو موسم کی وجہ سے نہیں اوڑھایا،'' اس کی آواز سنجیدہ تھی، ''آپ کا لباس غیر مناسب ہے۔اس لباس میں آپکی مدد کرنا میرے لئے ناممکن ہے۔''
حیا اسکی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔ وہ اب گھوڑے کی جانب بڑھ رہا تھا۔اسکی آنکھیں ایک لمحہ سے زیادہ لڑکی کے چہرے پر نہیں ٹھہری تھیں۔
وہ حیران رہ گئی۔
محل میں تو وہ ہمیشہ ایسا ہی لباس پہنتی تھی۔کبھی کسی نے اسے نہیں ٹوکا تھا۔سٹیفن نے بھی نہیں۔۔۔
ایک لمحے کو اس کے ذہن میں وہ نام آیا۔۔۔اور دل میں ہلکی سی کسک جاگی۔
مگر سامنے کھڑا یہ شخص مختلف تھا۔
اس کی آنکھوں میں ہوس نہیں، وقار تھا۔ لہجے میں سختی نہیں، اصول تھے۔
جنگل کی ہوا اب ٹھنڈی لگنے لگی تھی۔
اور پہلی بار اسے احساس ہوا، حفاظت صرف تلوار سے نہیں کی جاتی، نگاہ سے بھی کی جاتی ہے، سامنے کھڑے شخص نے دونوں طریقوں سے حفاظت کی تھی۔
وہ گھوڑے کے قریب کھڑا لگام درست کر رہا تھا۔اس کی پشت لڑکی کی طرف تھی اور شام کی مدھم روشنی میں اس کے کندھوں کی چوڑائی اور قامت اور نمایاں محسوس ہو رہی تھی۔
''آپ تھک گئی ہوں گی۔۔۔آ کر گھوڑے پر سوار ہو جائیں۔''
اس کا رخ اب بھی گھوڑے کی طرف تھا۔
وہ خاموش کھڑی اسے دیکھتی رہی۔اس کی پشت چوڑی تھی، قامت مضبوط، اور حرکات میں عجیب سا

اطمینان تھا۔ وہ بلا کا حسین تھا۔۔۔اس کے انداز میں کوئی دکھاوا نہیں تھا۔

''نہیں۔۔۔رہنے دیں۔ میں تھکی نہیں ہوں، آپ سوار ہو جائیں،'' اس نے آہستہ سے کہا۔

وہ چند لمحے خاموش رہا۔ پھر بغیر مڑے بولا،

''اگر آپ سوار نہیں ہوں گی۔۔۔تو میں بھی آپ کے ہمراہ پیدل ہی چلوں گا۔''

اس کی بات سن کر وہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی۔

''بیٹھ جائیں۔ محل تک فاصلہ کافی زیادہ ہے۔''

اس کے لہجے میں ضد نہیں تھی۔۔۔مگر فیصلہ ضرور تھا۔ وہ اسے گھوڑے پر بٹھا کر ہی آگے بڑھنے والا تھا۔

آخر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ سیاہ آنکھوں والے نے گھوڑے کی لگام تھام لی۔

کچھ ہی دیر میں دوسرا شخص بھی آ گیا۔ اس کی زخمی دوست اس کے گھوڑے پر بیٹھی تھی۔ زخم پر کپڑا بندھا ہوا تھا، اس کا چہرہ اب کچھ سنبھلا ہوا لگ رہا تھا۔

اب وہ سب جنگل کے راستے پر آگے بڑھ رہے تھے۔

''کیا نام ہے آپ کا؟'' سیاہ آنکھوں والا سفر کے دوران خاموش رہنے والوں میں سے نہیں تھا۔

''الیگزینڈر را را کوزی۔''

''کہاں سے ہیں؟ اور سلطان سے کیوں ملنا ہے آپ کو؟''

''میں ٹرانسلوانیا سے ہوں۔ ٹرانسلوانیا کی شہزادی ہوں میں۔ روس کے حملے کی وجہ سے میرے خاندان کے لوگ مارے گئے۔ بابا نے یہ خط مجھے دیا اور کہا کہ اسے سلطان تک پہنچا دوں۔''

وہ اس کی بات خاموشی سے سنتا رہا۔ اس کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں تھا، جیسے وہ ہر لفظ کو اندر کہیں محفوظ کر رہا ہو۔

”ویسے۔۔۔سلطان میری بات تو سن لیں گے نا؟“ وہ تھوڑا آگے جھک کر بولی۔

”پتہ نہیں۔“ اس نے نرمی سے جواب دیا۔

”کبھی نہیں دیکھا اسے؟“ اس نے حیرانی سے پوچھا۔

”نہیں، اسے دیکھ لیا ہوتا تو شاید زندہ ہی نہ ہوتا۔“

”ویسے سلطان وہی ہے نا۔۔۔ نیلی آنکھوں والا؟“

وہ ایک لمحے کو ٹھٹھک گیا۔

”ہاں۔۔۔آپکو کیسے معلوم؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”پورے ٹرانسلوانیا میں اس کے چرچے تھے۔“

نوجوان نے چہرہ ذرا اوپر کیا اور آہستہ سے سر ہلا دیا۔

”کیسا ہے سلطان؟“

نوجوان نے گہری سانس لی۔

”بہت عجیب ہے۔اس کا چہرہ خوفناک ہے۔۔۔اسے دیکھ کر ہی لوگوں کا دم نکل جاتا ہے۔اور وہ نیلی آنکھیں۔۔۔“ وہ سر ہلاتے ہوئے بولا ”لوگ تو خوف سے ہی مر جاتے ہیں۔بہت ظالم ہے۔ذرا سی غلطی بھی برداشت نہیں کرتا۔معمولی سی گستاخی اور سر تن سے جدا۔“

وہ غور سے سن رہی تھی۔

”اور عورتوں کے ساتھ؟“ اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

”بہت برا ہے“ نوجوان نے سنجیدگی سے سر نفی میں ہلایا ”بڑا ظالم ہے۔احترام تو دور عورتوں کو غلام سے زیادہ نہیں سمجھتا۔“

”واقعی؟“ اس کی آواز اب دھیمی ہو گئی ”میرے ساتھ کچھ کرے گا تو نہیں؟“

''پتہ نہیں''اس نے کندھے اچکائے،''اگر تمہارا حسن اسے بھا گیا تو کچھ نہیں معلوم۔وہ حسن کا بڑا دلدادہ ہے۔''

ایک لمحے کو اس کے دل میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔

''تو میں برا حلیہ بنا کر جاؤں گی،''اس نے جلدی سے خود کو تسلی دی۔

''برا حلیہ بنا کر جاؤ گی تو وہ ملاقات سے انکار کر دے گا،''وہ آگے قدم بڑھاتے ہوئے بولا۔

''کتنا کھڑوس ہے!''اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

نوجوان نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔

''یہ اس کے سامنے مت کہنا۔۔۔جان نکال لے گا وہ،وہ بھی اپنے ہاتھوں سے۔''

اس نے ہاتھ کے اشارے سے گردن کاٹنے کا اشارہ کیا۔

وہ واقعی ڈر گئی تھی۔

آخر کون تھا یہ حکمران؟

جو بھی تھا۔۔۔وہ صرف اسے خط دے کر فوراً وہاں سے نکل جانے والی تھی۔

مگر چند قدم آگے چلتے ہوئے سیاہ آنکھوں والے کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔

اس نے نظریں جھکائے لگام تھام رکھی تھی۔

\-

دیوانِ خاص کی فضا سنجیدہ تھی۔

وسیع ہال کی کھڑکیوں سے روشنی اندر آ رہی تھی۔درمیان میں ایک بڑی میز پر دنیا کا نقشہ پھیلا ہوا تھا۔اس کے کنارے سکندر کھڑا تھا۔اس کے ہاتھ میں تلوار تھی اور وہ اس کی نوک سے نقشے کے مختلف مقامات پر نشان لگا رہا تھا۔

یہ تاج پوشی کے بعد اس کا پہلا دیوان تھا۔

اس کے قریب وزراء قطار میں کھڑے تھے۔سب کے چہرے سنجیدہ تھے، یوں جیسے کوئی بھاری خبر وہ اپنے دل میں دبائے ہوئے ہوں۔

''میرے آقا۔۔۔'' ایک پاشا نے جھک کر کہا، اس کی آواز میں واضح اضطراب تھا، ''ٹرانسلوانیا پر روس نے حملہ کر دیا ہے۔۔۔اور وہاں کا حکمران مارا جا چکا ہے۔''

دیوان میں ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔

''شاہی خاندان کا کوئی فرد زندہ نہیں بچا۔''

سکندر کی تلوار کی نوک نقشے پر رکی۔اس نے سر اٹھا کر پاشا کو دیکھا۔اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نمایاں تھے۔

''انہیں مدد فراہم نہیں کی گئی تھی؟''

''میرے آقا! ہم نے فوج بھیجی تھی، مگر دیر ہو چکی تھی۔'' پاشا نے نظریں جھکا لیں۔

''اب ٹرانسلوانیا روس کے ہاتھوں میں ہے۔''

سکندر نے گہری سانس لی۔اس کی نظریں چند لمحے نقشے پر جمی رہیں، جیسے وہ بدلتی ہوئی دنیا کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''میرے آقا! ایک بات اور بھی ہے۔۔۔''

سکندر نے آہستہ سے سر اٹھایا۔

''کہو۔''

پاشا کے ہونٹ ہلے مگر الفاظ فوراً نہ نکل سکے۔

''میرے آقا ! شہزادہ مراد''

وہ رک گیا۔

''مراد کو کیا ہوا ہے؟'' سکندر نے اس کی جھجک دیکھ کر پوچھا۔

''میرے آقا! وہ فوج جمع کر رہے ہیں۔'' پاشا کی آواز مدھم ہو گئی، ''امرسیا کے سپاہیوں کو اکٹھا کر لیا ہے۔۔۔تاکہ آپ کو تخت سے معزول کر دیں۔''

دیوان میں سناٹا چھا گیا۔

سکندر جیسے پتھر کا ہو گیا۔

اس کا بھائی۔۔۔

وہی بھائی جس کے ساتھ اس نے میدانِ جنگ میں دشمنوں کے دل چیرے تھے۔۔۔آج وہی اس کا سینہ چیرنے کے لیے تیار تھا۔

''میرے آقا!۔۔۔'' پاشا نے آہستہ سے کہا، ''اطلاع ملی ہے کہ وہ کل روانہ ہونے والے ہیں۔''

چند لمحوں تک سکندر خاموش کھڑا رہا۔

پھر اس نے ہاتھ ماتھے پر رکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔

''ینی چریوں کو تیار کرو۔''

اس کی آواز اب مضبوط تھی۔

''ہم کل صبح روانہ ہوں گے۔''

وزراء نے فوراً سر جھکا دیے۔

''اور پایہ تخت سے دور اس کا سامنا کریں گے۔''

وہ نقشے سے ہٹ کر چند قدم آگے بڑھا۔

''اگر وہ امن نہیں چاہتا اور جنگ چاہتا ہے۔۔۔تو میں جنگ کیلئے تیار ہوں۔''

اس کی آواز اب دیوان کی بلند دیواروں سے ٹکرا کر گونج رہی تھی۔

وہ رکا۔

''تخت اب میرا ہے۔''

اس کی نظریں سخت ہو گئیں۔

''میرے پاس میرے والد کی امانت ہے۔۔۔سلطنت کی امانت۔''

اس نے تلوار کو مضبوطی سے تھاما۔

''اور اس امانت کی حفاظت کے لیے۔۔۔میں جان دے بھی سکتا ہوں۔۔۔اور لے بھی سکتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ دیوان کے بیچ رکھی شاہی نشست کی طرف بڑھا اور اس پر جا بیٹھا۔

تلوار اب بھی اس کے ہاتھوں میں تھی۔

اس کا دستہ اس کی مٹھی میں تھا۔۔۔

اور اس کی نوک زمین سے لگی ہوئی تھی۔

سورج کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

اس لمحے وہ صرف ایک بیٹا یا بھائی نہیں تھا، وہ ایک سلطان تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کمرے میں مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ دیواروں پر لگی مشعلوں کی سنہری جھلک لکڑی کی میز پر بکھرے قیمتی پتھروں پر پڑ رہی تھی، اور وہ مختلف رنگوں میں چمک رہے تھے۔

وہ میز کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھا تھا۔

اس کے سامنے میز پر کئی طرح کے قیمتی پتھر رکھے تھے۔۔۔زمرد، یاقوت، نیلم اور فیروزی۔ وہ انہیں نہایت باریکی سے ترتیب دے کر کچھ بنانے میں مصروف تھا۔ یہ فن اسے بچپن سے پسند تھا۔ جب بھی

اسے سلطنت کے معاملات سے فرصت ملتی، وہ چند لمحے نکال کر جواہرات تراشنے یا ان سے زیور بنانے لگتا۔

مگر آج اس کا دھیان ان پتھروں پر نہیں تھا۔

اس کی نظریں اگرچہ ان پر تھیں، مگر ذہن کل کے دن میں الجھا ہوا تھا۔

کل۔۔۔۔جب وہ اپنے ہی بھائی کے مقابل کھڑا ہوگا۔

وہ یہی سوچ رہا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو وہ خیالوں سے چونک کر باہر آیا۔

''آجاؤ،''اس نے بلند آواز میں اجازت دی۔

دروازہ کھلا۔

''میرے آقا، والدہ سلطان۔۔۔۔''

سپاہی ابھی اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ سکندر نے اس کی بات کاٹ دی۔

''انہیں آنے دو۔''

وہ احتراماً کرسی سے اٹھا اور دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

توربان سلطان اندر داخل ہوئیں تو سکندر نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور ادب سے چوم لیا۔ یہ صرف شاہی رسم نہیں تھی، یہ اس کی ماں سے اس کی محبت بھی تھی۔ وہ انکے احترام میں پہلے ہی کھڑا ہو جاتا تھا۔

''کیسی ہیں، والدہ؟''

توربان نے شفقت سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا، پھر ان کی نظر میز پر بکھرے قیمتی پتھروں پر گئی۔

''جواہرات پہننے والی تو ہے نہیں تمہارے پاس،''انہوں نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

سکندر بھی مسکرا دیا۔

"کیوں؟ میری والدہ ہیں۔۔۔وہ بھی تو جواہرات پہنتی ہیں۔"

وہ ذرا جھک کر بولا،

"آپ کے لیے بھی تو بنا سکتا ہوں۔"

تورہان سلطان اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیں۔

وہ چند لمحے انہیں دیکھتا رہا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اپنی ماں کو کل ہونے والی جنگ کے بارے میں کیسے بتائے۔۔۔کہ اسے اپنے ہی بھائی مراد کے مقابل جانا ہے۔

"تمہیں خبر ہوئی؟ ٹرانسلوانیا کی شہزادی آئی ہے۔"

سکندر نے چونک کر اپنی ماں کی طرف دیکھا، جو اب قریب رکھے شاہی صوفے پر بیٹھ رہی تھیں۔

وہ خاموشی سے جا کر ان کے قریب بیٹھ گیا۔

"اسے ترکی نہیں آتی۔ وہ ہنگیرین بولتی ہے،" تورہان آہستہ آہستہ بتانے لگیں، "ہم میں سے کسی کو اس کی بات سمجھ نہیں آئی۔ شاید ہمیں اس کی شناخت کا بھی پتہ نہ چلتا اگر وہ نوجوان آغاؤں کو بتا کر نہ جاتا۔"

سکندر خاموشی سے ان کی بات سنتا رہا۔

"اسے تم سے ملنا ہے۔ اور چونکہ تمہیں ہنگیرین آتی ہے، اس لیے تم اس سے ملاقات کر لینا۔ فی الحال میں نے اسے ایک کمرہ دے دیا ہے۔"

وہ کچھ لمحے رُکیں، پھر آہستہ سے پوچھا،

"ویسے کچھ اندازہ ہے کہ وہ کیوں آئی ہے؟"

سکندر نے نظریں جھکا لیں۔

"ٹرانسلوانیا روس کے قبضے میں چلا گیا ہے اور شاہی خاندان مارا جا چکا ہے۔ شاید وہ اسی سلسلے میں بات

کرنے آئی ہو۔''

''میں کل ایک ضروری کام سے پایہ تخت سے باہر جا رہا ہوں۔ حرم اور محل آپ کے پاس امانت ہوں گے۔ جب میں واپس آؤں گا تو اس کے مسئلے کو سن کر حل کرنے کی کوشش کروں گا۔'' سکندر نے بات کے دوران کئی بار نگاہیں چرائیں۔

''کیا ضروری کام؟'' تو رہان نے نرمی سے حیران ہو کر پوچھا۔

وخاموشی سے رخ پھیر گیا۔ یہ انکار کا دوسرا طریقہ تھا۔

''ٹھیک ہے،'' تو رہان نے نرمی سے کہا۔

وہ کچھ دیر اور اس کے پاس بیٹھی رہیں، اسے حرم کے معاملات بتانے لگیں، پھر اٹھ کر چلی گئیں۔

سکندر نے انہیں جاتے ہوئے دیکھا۔

اس نے اپنی ماں کو اپنے اصل ارادے کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔

عثمانیوں کا دستور تھا کہ سلطان بننے کے بعد شہزادہ اپنے بھائیوں کو قتل کر دیتا تھا تا کہ تخت کے لیے کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔

وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

لیکن مراد حد سے گزر چکا تھا۔

اگر وہ آج اس کا سامنا نہ کرتا۔۔۔اگر اس کا سر نہ کچلتا۔۔۔تو مستقبل میں سلطنت کو بڑے مسائل کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔

مگر اس کی والدہ یہ کبھی نہیں سمجھتیں۔

وہ ہمیشہ ایک ہی بات کہتیں۔

کہ وہ ان کے بیٹے کا قاتل ہے۔

کہ اس نے ان کا مان اور غرور توڑ دیا ہے۔

ترکی، یدیکلے:

زندان کی ٹھنڈی اور نم دیواروں کے درمیان اچانک اس کی سانس تیز ہوگئی۔

''تم مجھ سے غداری کیسے کر سکتے ہو، ابراہیم؟ تم میرے دشمنوں کے پاس کیسے جا سکتے ہو؟ ان کے پاس پناہ کیسے لے سکتے ہو؟'' سلطان بیاضت کی گرج دار آواز دیوان میں گونج رہی تھی۔

''بابا۔۔میں روس نہیں گیا تھا۔ میں ٹرانسلوانیا میں تھا۔''

ابراہیم نے کپکپاتی آواز میں صفائی پیش کی۔

''تو پھر یہ سب کیا ہے؟''

بادشاہ نے کاغذات اٹھا کر اس کے منہ پر دے مارے۔

ابراہیم نے کانپتے ہاتھوں سے ان خطوط پر ایک نظر ڈالی۔

''بابا۔۔۔یہ سب۔۔''

الفاظ اس کے گلے میں ہی اٹک گئے۔

دیوان میں کھڑے ہر شخص کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

''ابراہیم! میں تمہیں تخت اور ریاست سے عاق کرتا ہوں اور صرف یہی نہیں تمہیں سات سال قید کی سزا بھی سناتا ہوں۔''

یہ الفاظ بجلی کی طرح گرے۔

ابراہیم کے ہوش اڑ گئے۔

''بابا! بابا!''

اس کی چیخیں گونجنے لگیں۔

اچانک وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

اس کا سینہ تیزی سے اٹھ رہا تھا اور چہرہ پسینے سے تر تھا۔

سات سالوں میں وہ یہ منظر بے شمار مرتبہ خواب میں دیکھ چکا تھا۔

اس کے سیاہ گھنگریالے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔اب وہ پہلے سے کافی لمبے ہو چکے تھے۔داڑھی بھی بڑھ کر الجھ گئی تھی۔اس نے تھکے ہوئے انداز میں ہاتھ چہرے پر پھیرا۔

زندان کے باہر کھڑے سپاہیوں کی گفتگو اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔

''سنا ہے سلطان بیاضت خان کا انتقال ہو گیا ہے اور اب ان کی جگہ سلطان سکندر مرزا تخت نشین ہو گئے ہیں۔''

سکندر مرزا کا نام سنتے ہی اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ آ گئی۔

مگر اگلے ہی لمحے جب بیاضت خان کا خیال آیا تو اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

جو بھی تھا وہ اس کا باپ تھا۔

اسے سلطان بیاضت خان سے نفرت تھی مگر اپنے والد سے نہیں۔

اس کے ذہن میں اب سکندر کا چہرہ ابھر آیا۔

وہ انیس سالہ لڑکا۔۔۔جو بے بسی سے سپاہیوں کو اسے لے جاتے دیکھ رہا تھا۔

وہ اس کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا۔

وہ اسے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔

ایک آنسو اس کی آنکھ سے ڈھلک گیا۔

اسے وہ لمحہ یاد آیا جب سکندر نے آخری بار اسے گلے لگایا تھا۔

اس نے پیچھے کھڑے بیاضت خان کو نہیں دیکھا تھا۔

وہ سپاہیوں کو دھکیل کر ابراہیم تک پہنچا تھا۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر اس کے کافتان پر گر رہے تھے وہ کافتان جو بعد میں اس کے جسم سے اتار لیا گیا تھا۔

اسے سفید جبّہ پہنا کر قید خانے میں لے جایا گیا تھا۔

اور اب بھی۔۔۔ سات سال بعد۔۔۔ وہ اسی سفید جبّے میں ملبوس تھا۔

اس نے آہستہ سے دیوار کے ساتھ سر ٹکا دیا۔

بس آج کی رات باقی تھی۔

کل۔۔۔ وہ آزاد ہونے والا تھا۔ کل سات سال مکمل ہونے والے تھے۔

''سکندر اب بڑا ہو گیا ہوگا۔۔'' وہ خود سے بولا۔

پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

اور اس کی نظروں کے سامنے دو آنکھیں ابھریں۔

وہی آنکھیں۔۔۔

جو دلکش تھیں۔۔۔

جنہیں اس نے شاید تین مرتبہ ہی دیکھا تھا۔

مگر وہ آنکھیں۔۔۔

ان میں ایک ایسی کشش تھی۔۔۔ جو سات سال کی قید بھی اس کے دل سے مٹا نہ سکی تھی۔

ترکی، ادرنا:

ادرنا کے کھلے میدان میں شام کی دھندلی روشنی پھیل رہی تھی۔ ہوا میں ہلکی سردی تھی اور ہر قدم پر گھاس کے سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ میدان میں صرف دو مرد تھے۔۔۔سکندر اور مراد۔۔۔دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے پر جم گئی تھیں۔

''مراد! ہار مان لو، واپس جا کر امرسیہ میں حکومت کرو۔ میں سب بھول جاؤں گا۔'' سکندر کی آواز گونجی۔

''میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں اور یہ بات تم جانتے ہو سکندر۔ میں یا تخت لوں گا اور یا مر جاؤں مگر تمہاری غلامی نہیں کروں گا۔'' وہ بھی ضدی تھا۔ جھکنا نہیں سیکھا تھا اس نے۔

''جیسے تم چاہو۔'' سکندر اپنی جگہ کھڑا رہا۔ پہل ہمیشہ کی طرح مراد نے ہی کی تھی۔ تاہم سکندر اور مراد نے سپاہیوں کو اپنی جنگ میں شامل نہیں کیا تھا۔ یہ جنگ دو بھائیوں کی تھی۔ دو بھائیوں کی جو کبھی جگری یار ہوا کرتے تھے۔

تلواریں ٹکرائیں، دھات کی کڑک گونجی اور خراش دار آواز نے ماحول کو سنجیدہ اور خطرناک بنا دیا۔ دونوں نے اپنی طاقت اور مہارت دکھائی۔

مراد نے تلوار سے زوردار وار کیا، سکندر نے اسے مہارت سے روکا اور بدلے میں ایک وار کیا۔ خون کے چھوٹے قطرے زمین پر گرے، لیکن وہ دونوں لڑائی میں مکمل طور پر خود کو سنبھالے ہوئے تھے۔

سکندر نے ایک جھٹکے سے مراد کو دبوچ لیا، لیکن مراد نے اپنی آخری طاقت لگا کر پاؤں کے ذریعے اسے دھکیل دیا۔ دونوں زمین پر جھکے، سانسیں تیز تھیں اور جسم پر زخموں کے نشان واضح۔

میدان کے کنارے ان کے سپاہی کھڑے تھے، نظریں جمائے، مگر کسی نے قدم آگے نہیں بڑھایا۔ وہ جانتے تھے کہ یہ دو بھائی کے درمیان ذاتی مقابلہ ہے۔۔۔لڑائی صرف تخت اور عزت کی تھی، اور کسی کو اس میں مداخلت کی اجازت نہیں۔

مراد کے بازو سے خون زمین پر ٹپک رہا تھا، اور اس کے ماتھے پر بھی ایک گہرا نشان بن گیا تھا۔ سکندر کے

کندھے اور پیٹ پر بھی چھوٹے زخم تھے، لیکن اس کے چہرے پر سنجیدگی اور طاقت برقرار تھی۔

سکندر نے تلوار کے آخری وار سے مراد کی تلوار کو دور دھکیل دیا، پھر اسے زمین پر دبوچ لیا۔ مراد کی آنکھوں میں خوف اور حیرت دونوں نظر آئے۔

"سکندر۔۔۔ تم یہ سب نہیں کر سکتے" مراد کی آواز کانپ رہی تھی۔ وہ جو کچھ دیر پہلے مرنے کیلیئے تیار تھا موت کو قریب دیکھ کر ڈر گیا تھا۔

"یہ ذاتی نہیں ... یہ سلطنت کی حفاظت ہے۔ اور سلطنت کیلیئے کچھ بھی۔" سکندر تلوار کو اسکی گردن کے قریب لے جا رہا تھا۔ تلوار دھیرے دھیرے مراد کے سر کی طرف بڑھ رہی تھی کہ اچانک نرم قدموں کی آواز سنائی دی۔

توربان سلطان میدان میں آئیں۔ ان کے قدم زمین پر گونج رہے تھے، اور آنکھوں میں اضطراب تھا۔

"سکندر!" ان کی آواز میں سختی تھی۔

سکندر کی آنکھوں نے کچھ لمحے کے لیے طاقت کھو دی۔ توربان کو دیکھ کر وہ پیچھے ہٹا۔

توربان سلطان آگے بڑھ کر مراد کے قریب کھڑی ہو گئیں اور ہاتھ بڑھا کر اسے سہارا دیا۔

"مراد کو چھوڑ دو، سکندر۔" ان کی آواز میں نرمی اور حکم دونوں تھے۔

"والدہ! جنگ کا ارادہ یہ رکھتا ہے۔ میں نے اسے لوٹ جانے کا کہا تھا مگر یہ مجھے تخت سے معزول کرنا چاہتا ہے۔"

"جب تک میں زندہ ہوں تخت تمہارا ہی رہے گا اور مراد کچھ نہیں کرے گا۔"

"مگر والدہ آپ۔۔۔"

"میں تم سے گزارش کرتی ہوں ... اسے جانے دو۔"

سکندر مرزا کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

سکندر نے اپنی تلوار نیچے کر دی۔خون سے لت پت مراد دھیرے دھیرے اٹھا۔

میدان میں ایک لمحے کے لیے سکوت چھا گیا۔دونوں بھائی سانسیں سہلاتے کھڑے تھے،زخموں اور تھکن کے باوجود نظریں ایک دوسرے پر جمائی ہوئی تھیں۔

توربان سلطان نے اپنے ہاتھ سے مراد کے زخموں کو چھوا۔سکندر نے نظریں نیچی رکھیں،لیکن دل میں ایک اضطراب چھپا ہوا تھا۔۔۔مراد بدلنے والوں میں سے نہیں تھا لہذا سکندر کو فیصلہ تو کرنا ہی تھا۔

فلحال سکندر توربان اور مراد کو چھوڑ کر پایہ تخت کی طرف بڑھ گیا۔

ترکی،استنبول:

رات تقریبا ہو چکی تھی اور وہ پایہ تخت آچکا تھا۔پورا رستہ وہ بس یہی سوچتا رہا تھا کہ آئیندہ مراد نے ایسا سوچا تو وہ معاف نہیں کرے گا۔وہ تھک کر جب اپنے کمرے کی جانب بڑھا تو اس کے کمرے کے سامنے کوئی کھڑا تھا۔اسکی پشت سکندر کی طرف تھی۔سکندر نے اسے دیکھا۔سکندر کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔وہ جہاں تھا وہیں رک گیا۔سامنے کھڑے شخص نے چہرا موڑا۔وہ ابراہیم تھا۔سکندر کا استاد، بھائی،دوست،سکندر کا سب کچھ۔

''برادر'' سکندر کی زبان آہستہ سے ہلی۔

ابراہیم نے اسے دیکھ کر دونوں باہیں پھیلا دیں۔سکندر مزید نہیں رکا تھا۔وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔''برادر!'' اسنے مضبوطی سے ابراہیم کو گلے لگایا۔بلکل ویسے جیسے سات سال پہلے لگایا تھا۔آج بھی اسی طرح سکندر کے آنسو ابراہیم کے کافتان کو بھگو رہے تھے۔سکندر بہت کم روتا تھا۔صرف تب جب وہ بہت تکلیف میں ہوتا یا بہت خوش ہوتا۔ابراہیم نرمی سے اسے تھپک رہا تھا۔وہ کافی دیر یوں ہی کھڑے رہے۔یاقوت انہیں دیکھ رہا تھا۔اسکی آنکھیں نم ہو گئیں۔وہ سکندر کا بہترین دوست تھا۔سکندر

ابراہیم سے کتنی محبت کرتا تھا، یاقوت جانتا تھا۔

سکندر ایک لمحے کیلیئے پیچھے ہٹا۔ اسے دیکھنے لگا۔ گنگھرالے بال اب کاٹے جاچکے تھے تاہم اب بھی ماتھے پر گر رہے تھے۔ چہرے پر داڑھی کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ وہ وہیں کھڑا تھا جب مرجان آغا وہاں آیا۔

مرجان آغا حرم کے معاملات دیکھتا تھا۔ وہ ہیجڑہ تھا۔ وہ محل کے ماحول کو خوشگوار رکھتا تھا۔

''میرے آقا!'' اس نے بڑی نرمی سے آنکھیں جھکائیں۔

''کہو مرجان۔'' سکندر نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔

''میرے آقا! شہزادی کو دیوان میں بھجوادیا ہے۔ وہ وہاں آپکی منتظر ہیں۔'' اسکی نگاہیں اب بھی جھکی ہی تھیں۔

''میں آرہا ہوں مرجان۔'' سکندر نے کہہ کر رخ دوبارہ ابراہیم کی طرف کیا۔

''میں آرہا ہوں برادر۔ اندر جا کر بیٹھو۔'' وہ اپنے حجرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیوان کی طرف بڑھ گیا۔

جیسے ہی اس نے دیوان میں قدم رکھا، دیوان کا ماحول تبدیل ہوگیا۔ ایک دم سکوت چھا گیا۔ سامنے کھڑی شہزادی، جسکا چہرا تخت نما نشست کی جانب تھا، نے اسکی موجودگی کو محسوس کیا۔

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ اسکے قدموں کی آواز گونج رہی تھی۔ الیگزنڈرا کے قریب آکر وہ رک گیا۔ اسنے اپنا شاہی فرغل اتار کر الیگزنڈرا کے کندھے پر رکھا۔ فرغل نے اسکے کندھے اور سینہ ڈھانپ لیا تھا۔ الیگزنڈرا کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ اب آگے نشست کی جانب بڑھ چکا تھا۔

الیگزنڈرا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اسکی پشت الیگزنڈرا کی جانب تھی۔ چوڑے شانے، شاہانہ قامت۔ اسکا ہر قدم شاہانہ تھا۔ گہری نیلی کفتان اس پر خوب جچ رہی تھی۔ جیسے ہی وہ مڑا الیگزنڈرا نے سر جھکا لیا۔

دیوان میں آنے سے پہلے اسے کچھ اصول بڑی مشکل سے سکھائے گئے تھے جن میں سے ایک سلطان کے سامنے سر نہ اٹھانا تھا۔ وہ ویسے ہی کھڑی رہی۔ جب وہ اپنی نشست پر براجمان ہو گیا تو الیگزنڈرا نے ہنگرین زبان میں بات کا آغاز کیا۔

''سلطان مرزا۔'' وہ شاید اسکا پورا نام نہیں جانتی تھی یا شاید اس نے خود ہی مرزا پکارا تھا۔''روس کے حملے میں میرا سارا خاندان مر گیا۔ بابا نے مجھے ٹرانسلوانیا سے نکالتے ہوئے یہ خط دیا اور کہا کہ ترک بادشاہ کو دے دوں۔'' سلطان کے اشارے پر وہ خط لے کر اس کے پاس گئی۔ سلطان نے خط پکڑنے کیلئے ہاتھ آگے بڑھایا۔ وہ جھکی نظروں سے اسکی انگلیاں دیکھ رہی تھی۔ اسکی انگلیاں مصور کی سی نفیس تھیں جن میں شاہی انگوٹھیاں چمک رہی تھیں۔ الیگزنڈرا نے اس سے زیادہ خوبصورت انگلیاں نہیں دیکھی تھیں۔ سلطان اب خط کھولنے لگا۔ وہ واپس اپنی جگہ پر چلی گئی تھی۔ اسکا سر ابھی تک جھکا ہوا تھا۔

''کیا یہ خط آپ نے پڑھا ہے؟'' اس نے خط پڑھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

سکندر کی آواز اسے جانی پہچانی محسوس ہوئی۔ اسکی آواز ویسی ہی تھی جیسی اس نے خواب میں سنی تھی۔

''نہیں۔'' اس نے نرمی سے یک لفظی جواب دیا۔

''آپکے والد نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں آپکو یہاں استنبول میں پناہ دوں۔ اگر آپکو کوئی مسئلہ نہ ہو تو آپ یہاں رک سکتی ہیں۔ میری طرف سے اجازت ہے۔'' وہ حیران تھی۔ جو ترک اسے برے لگتے تھے اسے انہیں کے پاس رکنا تھا۔

وہ اپنی نشست سے اٹھ کر اس کے قریب آیا۔ خط اسے پکڑا کر وہ کھڑا رہا۔

''میں بہت جلد ٹرانسلوانیا کو فتح کروں گا اور پھر آپکو وہاں حفاظت سے پہنچا دوں گا۔'' وہ کہہ کر باہر کی طرف بڑھا۔ پھر ایک لمحہ رکا۔

''کوشش کریں کہ میرے سامنے نامناسب لباس میں نہ آئیں۔ میں اسے سخت ناپسند کرتا ہوں۔'' وہ کہہ

کر آگے بڑھ گیا۔ الیگزنڈرا نے فوراً اسے مڑ کر دیکھا وہ بس اسکی پشت ہی دیکھ سکی تھی۔ وہ جب تک وہاں موجود تھی اس نے ایک بار بھی اسکی نظریں خود پر محسوس نہیں کی تھیں۔ اس نے ایک نظر اپنے کندھے پر پڑا شاہی فرغل دیکھا۔ پھر اس نے اپنے لباس پر غور کیا۔ کیا یہ فرغل اسے غیر مناسب لباس کی وجہ سے اوڑھایا گیا تھا؟ اسے وہ جنگل والا نوجوان یاد آیا تھا۔ دو دن گزر چکے تھے وہ اس نوجوان کو بھول چکی تھی مگر سلطان کی اس بات پر اسے وہ شخص دوبارہ یاد آیا۔ اس نے دنیا کا سب سے خوبصورت منظر دیکھا تھا۔ اس نے ایک حیادار شخص دیکھا تھا۔ وہ مسلمان نہیں تھی مگر پھر بھی نا جانے کیوں سکندر کا عمل اسے اچھا لگ رہا تھا۔

کون کہتا ہے حیا صرف عورتوں پر جچتی ہے؟ حیا تو مردوں کو بھی زیب دیتی ہے۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر ابراہیم پر پڑی جو میز کے قریب کھڑا اس پر رکھے پتھروں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ دروازہ ہلکے سے بند ہوا تو ابراہیم نے پلٹ کر دیکھا۔

سکندر کو دیکھتے ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''اب تم مت شروع ہو جانا، اِبیو۔۔۔'' سکندر نے طنزاً کہا۔

سکندر کی بات سن کر ابراہیم زور سے ہنس پڑا۔

''بیٹے، اب تو تجھے ملکہ لانی پڑے گی۔ گھوم پھر، کہیں نہ کہیں کوئی حسین اور دل فریب مل ہی جائے گی۔۔۔ کوئی نہ کوئی تو آخر تجھے بھی بھا جائے گی۔''

وہ سکندر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

سکندر نے اس کی بات سن کر نفی میں سر ہلایا۔

''حسین اور دل فریب نہیں چاہیے۔۔۔ حسن مجھے متاثر نہیں کرتا۔''

یہ کہہ کر وہ آہستہ قدموں سے دالان کی طرف بڑھ گیا۔ ابراہیم بھی مسکراتا ہوا اس کے پیچھے چل دیا۔

''تو پھر کیا متاثر کرتا ہے تمہیں؟ کیسی خاتون کو ملکہ بنانے کا ارادہ ہے سلطانِ معظم کا؟''

وہ سکندر کے قریب آ کر رک گیا۔

سکندر نے اس کی بات سن کر سر کو ذرا خم دیا اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا،

''وہ۔۔۔ جو اسلام کو صرف زبان سے نہیں بلکہ دل سے قبول کرتی ہو۔

جس کی آنکھوں میں حیا ہو۔

جو خوددار ہو۔۔۔ جس میں عزتِ نفس ہو۔

جو میرے آگے خود کو بچھا نہ دے۔

جو مجھے پانے کے لیے خود کو گرا نہ دے۔

جو میرے قدم اٹھانے کا انتظار کرے۔۔۔ جو خود کبھی پہل نہ کرے نہ منانے میں، نہ اظہار میں، نہ اقرار میں۔ جو مجھ سے ڈرے نہیں بلکہ میرا مقابلہ کرے۔ میرے برابر میں کھڑے ہونے کی ہمت رکھتی ہو۔''

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

ابراہیم نے چند لمحے اسے دیکھا، پھر سر جھٹک دیا۔

''مبارک ہو پھر!''

سکندر چونک کر اس کی طرف مڑا۔

''کس بات کی مبارک؟''

ابراہیم نے سر اٹھا کر سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''اس بات کی کہ تم نے تاریخ بنانی ہے۔''

سکندر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''کون سی تاریخ؟''

ابراہیم نے ہنستے ہوئے اس کے گال پر ہلکی سی تھپکی دی۔

''تم ترک سلطنت کے وہ واحد سلطان ہو گے۔۔۔جو کنوارا ہی مرے گا۔''

سکندر نے اس کا ہاتھ اپنے گال سے ہٹا کر نظریں پھیر لیں۔

مگر اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں اچانک ایک چمک سی ابھری اور اس نے ابراہیم کی طرف دیکھا۔

''اِبیو۔۔۔''

ابراہیم بھی اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اب سکندر اس کے گلے میں بازو ڈالے اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

''ہمم؟'' ابراہیم نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''اِبیو۔۔۔تمہارا شادی کا کیا ارادہ ہے؟''

ابراہیم اس کی بات سن کر مسکرایا۔

سکندر نے بڑی گہری نظر سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔وہ اس طرح کبھی نہیں مسکرایا تھا۔

''اوہو۔۔۔تو جناب کو کوئی پسند تو نہیں آ گئی؟''

ابراہیم کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔اس کے گال ہلکے سرخ بھی ہو گئے تھے۔

''جلدی سے بتاؤ۔۔۔کون ہے؟ حرم میں سے تو نہیں ہو گی؟''

اب سکندر قدرے سنجیدہ ہو چکا تھا۔

ابراہیم نے ایک لمحہ اسے دیکھا، پھر دھیرے سے بولا،

''سات سال پہلے۔۔۔ایک نظر دیکھا تھا اسے۔اب ٹھیک سے یاد بھی نہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے چہرے کا رخ کھلے دالان سے باہر پھیلی ریاست کی طرف کر لیا۔

''پھر بھی اِبیو۔۔۔کچھ تو یاد ہو گا۔''

ابراہیم نے گہری سانس لی۔

''بس ایک چیز یاد ہے۔۔۔''

وہ چند لمحے خاموش رہا۔

''وہ آنکھیں۔۔۔ نیلی آنکھیں۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ جیسے یادوں کے پردے پر وہی منظر دوبارہ ابھر آیا ہو۔

اس کے لب آہستہ آہستہ حرکت کرنے لگے اور وہ مدھم آواز میں شاعری پڑھنے لگا۔

.عَیْنَا کَ نَجْمَانِ فِی سَمَاءِ الْحُسْنِ تَلُوحَانِ

وَکُلُّ نَظْرَةٍ مِنْهُمَا قِصَّةٌ لِلْعُشَّاقِ تُرْوَی

تیری آنکھیں جمال کے آسمان میں دو ستارے ہیں جو چمک رہے ہیں،

اور ان کی ہر نظر عاشقوں کے لیے ایک کہانی سناتی ہے۔

رَمْشَاکَ سَیْفَانِ فِی لَیْلِ الْهَوَی یَضْمَنَانِ

وَکُلُّ شَعْرَةٍ مِنْهُمَا أَمْرٌ خَفِیٌّ یُنَادِی

(تیرے پلکوں کے بال عشق کی رات میں تلوار کی مانند ہیں

اور ہر بال میں ایک حکم ہے جو پکارتا ہے۔)

إِذَا لَمَحْتَنِی، فَقَدْ تَزَوَّجَ الْقَلْبُ الشَّغَفَ

الْعَیْنَانِ سُلْطَانَانِ عَلَى الْأَرْوَاحِ تَحْكُمَانِ

(اگر تو مجھے ایک بار دیکھ لے تو دل عشق میں مکمل طور پر گرفتار ہو جاتا ہے،

کیونکہ یہ دونوں آنکھیں روحوں پر حکم کرنے والی سلطان ہیں۔)

جب وہ خاموش ہوا تو دالان میں چند لمحوں کے لیے عجیب سی خاموشی پھیل گئی۔ (سکندر اور ابراہیم دونوں

کئی زبانیں جانتے تھے۔)

سکندر ابراہیم کو دیکھ رہا تھا۔

اور اس کے لبوں پر آہستہ آہستہ ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھر رہی تھی۔

''بڑی گہرے والی محبت ہوگئی ہے تمہیں ابیو'' اس نے سرگوشی کی۔ ''کہاں دیکھا تھا اسے، اِبیو؟'' سکندر نے گرفت مزید سخت کی۔

ابراہیم کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ اس نے جیسے یادوں کو وہیں روک دینے کا فیصلہ کیا۔

''بس بیٹے۔۔۔آج کے لیے اتنا ہی بہت ہے۔''

وہ اتنا کہہ کر مڑ گیا اور کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔

''اِبیو۔۔۔'' سکندر اس کے پیچھے آ گیا۔ ''میں تمہاری فکر کر رہا ہوں۔ بتا دو تو ڈھونڈ لیں گے اسے۔''

ابراہیم رک گیا۔ اس نے مڑ کر سکندر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی شرارت اور سنجیدگی ایک ساتھ تھی۔

''سلطانِ معظم، آپ اپنی ملکہ کی فکر کریں۔ میں تو اگر کنوارا ابھی مر جاؤں تو کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا لیکن آپ سلطنت کو وارث دیے بغیر نہیں مر سکتے۔''

یہ کہتے ہوئے وہ ہنس پڑا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے اس نے سر کو ہلکا سا خم دیا تھا۔

آخر وہ سلطان کے سامنے کھڑا تھا اور کچھ آداب کا خیال رکھنا ضروری تھا۔

ابراہیم کے جاتے ہی سکندر کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ ابھری۔ اس نے رخ واپس دالان کی طرف کر لیا۔

نیچے اس کے کمرے کے دالان میں وہ کھڑی تھی۔

سکندر کی نظر ایک لمحے کو اس پر پڑی ۔۔۔ پھر اس نے فوراً نظریں ہٹالیں اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔
وہ اگر وہیں کھڑا رہتا تو اس کی نگاہیں شہزادی پر بار بار پڑتیں۔
اور وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔
''ابراہیم کسے پسند کرتا ہے؟'' سکندر متجسس تھا۔
''تم انتظار کیوں نہیں کرتے لڑکے۔تمہیں انتظار کرنا کیوں نہیں آتا؟'' وہ اسکے یوں ٹوکنے پر تقریباً غصہ تھا۔
''مجھے انتظار کرنا آتا ہے۔میں نے کسی سے قیامت تک کے انتظار کا وعدہ کیا ہے۔''
''ہاں تو تھوڑا ابھی بھی کرلو۔''

وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔
کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر اس صندوق پر پڑی جو سات برس بعد بھی ویسا ہی رکھا تھا جیسے وہ چھوڑ کر گیا تھا۔
ابراہیم آہستہ سے اس کے قریب گیا۔اس نے ایک کپڑا اٹھایا اور صندوق پر جمی مٹی صاف کرنے لگا۔
جب مٹی ہٹ گئی تو اس نے دھیرے سے ڈھکن کھولا۔
صندوق کھلتے ہی اس کی نظر سب سے پہلے اس تصویر پر پڑی۔وہی تصویر جو اس نے سات سال پہلے بنائی تھی۔
کیا دلکش تصویر تھی اور کیا کمال کی مصوری تھی۔
ابراہیم نے احتیاط سے تصویر باہر نکالی اور کپڑے سے اس پر جمی ہلکی سی گرد صاف کی۔پھر وہ اٹھا اور تصویر کو کمرے میں صوفے کے ساتھ دیوار کے سہارے رکھ دیا۔وہ خود تصویر سے چند قدم کے فاصلے پر زمین

پر بیٹھ گیا۔

کمرے میں گہری خاموشی تھی۔

وہ دیر تک اس چہرے کو دیکھتا رہا۔نیند کا دور دور تک کوئی نشان نہیں تھا۔اس کی نظریں بغیر پلک جھپکائے انہی آنکھوں پر ٹکی رہیں۔

ابراہیم خان کے صرف دو ہی مشاغل تھے۔

ایک شاعری کی کتابیں پڑھنا اور لکھنا...

اور دوسرا مصوری، تصویریں بنانا۔

مگر جس انسان کی اس نے سب سے پہلی تصویر بنائی تھی ۔۔۔ وہ سکندر نہیں تھا۔

وہ لڑکی تھی ۔۔۔ جسے اس نے ٹرانسلوانیا میں صرف ایک ہی بار دیکھا تھا۔

صرف ایک نظر۔

وہ کون تھی؟

ابراہیم نہیں جانتا تھا۔

بس اتنا جانتا تھا کہ سات سال گزر جانے کے باوجود وہ ان آنکھوں کو نہیں بھول سکا تھا۔

وہ اپنے کمرے کے دالان میں کھڑی تھی۔

اس کی نظریں باہر پھیلی ہوئی ریاست پر جمی تھیں، مگر اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔۔۔ بہت دور۔۔۔ ٹرانسلوانیا میں۔

وہ اسٹیفن کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

کیا وہ بچ گیا ہوگا؟

نہ جانے کیوں، اتنا کچھ ہونے کے باوجود وہ اب بھی اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

اس نے بیاختیار اپنے گلے میں موجود ہار کو چھوا۔اس کی انگلیاں اس کے موتیوں پر ٹھہر گئیں۔وہ چاہ کر بھی اسے اتار نہیں پائی تھی۔

اسے اسٹیفن پر غصہ تھا، شدید غصہ۔

وہ اس سے لڑنا چاہتی تھی،

اس پر چیخنا چاہتی تھی،

اس سے شکوہ کرنا چاہتی تھی۔

مگر شاید ان سب چیزوں سے محبت ختم نہیں ہو جایا کرتی۔

اس نے آہستہ سے سانس لی اور جیسے خود کو سمجھانے لگی۔

انسان سب سے پہلے اپنی جان کا ہی سوچتا ہے۔

اگر میں اس کی جگہ ہوتی تو؟

وہ لمحہ بھر کو رک گئی۔

شاید۔۔۔شاید میں بھی یہی کرتی۔

کوئی بھی اس کی جگہ ہوتا تو شاید یہی کرتا۔

اس نے ایک بار پھر اپنے دل کو اسی دلیل سے خاموش کر دیا۔

یہ پہلی بار نہیں تھا کہ اس نے اسٹیفن کا دفاع کیا ہو۔

اس سے پہلے بھی وہ کئی بار ایسا کر چکی تھی۔

اسے یاد آیا۔۔۔وہ لمحہ جب اسٹیفن نے اسے اصولوں کے مطابق اپنے سامنے جھکنے کا اشارہ کیا تھا۔

اور وہ موقع بھی۔۔۔جب اس نے اسے کہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ نہیں بلکہ اس کے پیچھے رہا کرے۔

ایسے اور بھی بہت سے لمحے تھے۔

اور ہر بار اس نے خود ہی اس کی باتوں کا جواز ڈھونڈ لیا تھا۔

ہر بار اس نے یہی کہا تھا کہ اسٹیفن غلط نہیں تھا۔

اور آج۔

آج بھی وہ یہی کر رہی تھی۔

وہ خاموش کھڑی تھی، مگر اس کے دل میں ایک عجیب سی جنگ جاری تھی۔

غصے اور محبت کے درمیان۔

مگر آج۔۔۔ آج محبت نہیں جیت رہی تھی۔ اسکے دل میں سٹیفن کا مقام ختم ہو رہا تھا۔

اس نے آہستہ سے نظر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

وہاں سے اوپر والا شاہی کمرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ کمرے کی شان وشوکت اور اس کی خاص بناوٹ دیکھ کر ہی وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ یہ عام کمرہ نہیں تھا۔۔۔ یقیناً سلطان کا کمرہ تھا۔

وہ کچھ دیر تک خاموشی سے اسی کمرے کو دیکھتی رہی۔ دالان بھی واضح نظر آ رہا تھا۔

اور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہاں کوئی موجود تھا۔۔۔

کوئی جو خاموشی سے بیٹھا ہو۔

وہ ابھی پلٹ کر اندر جانے ہی والی تھی کہ اچانک ایک خوبصورت آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

وہ ٹھٹھک کر وہیں رک گئی۔

اس نے غور سے سننے کی کوشش کی۔

کوئی کچھ پڑھ رہا تھا اور وہ بھی بلند آواز میں۔

چونکہ وہ کمرہ سلطان کے کمرے کے قریب تھا اور دونوں دالان ایک ہی سمت میں کھلتے تھے، اس لیے آواز

بڑی آسانی سے اس کی سماعت تک پہنچ رہی تھی۔

وہ وہیں ٹھہر گئی۔

اب اس کی ساری توجہ اسی آواز پر مرکوز تھی۔

کتنا خوبصورت کلام تھا۔

اور کتنی دلکش آواز۔

ہر لفظ جیسے اسکے دل میں اتر رہا تھا، اور اس کے دل میں ایک نرمی پیدا کر رہا تھا۔

وہ بیاختیار چند قدم آگے بڑھی، مگر پھر رک گئی۔

اسکا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سنتی رہے۔ حالانکہ اسے ان الفاظوں کا مفہوم معلوم نہیں تھا۔

مگر پھر بھی اسکا دل چاہ رہا تھا کہ بس اسی طرح خاموش کھڑی رہے اور اس آواز میں پڑھے جانے والے الفاظوں کو اپنے دل میں اترنے دے۔

وہ کافی دیر وہاں کھڑی رہی۔ پھر جب آواز آنی بند ہو گئی تو وہ کمرے سے نکل کر حرم کی جانب بڑھ گئی۔

اسکی زبان کوئی نہیں جانتا تھا۔ اس نے سکندر کے علاوہ کسی کو ہنگرین بولتے نہیں سنا تھا۔ وہ یونہی حرم میں چلی گئی تھی۔ وہاں لڑکیاں اسے دیکھ کر کچھ حیران ہوئیں اور پھر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔ اسے کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ وہ وہیں ایک طرف کھڑی رہی تاہم باقی تمام لڑکیاں اب بستر لگا رہی تھیں۔

''جلدی کرو لڑکیوں! کتنی سست ہو گئی ہو تم سب۔'' مرجان آغا ان پر چلا رہا تھا۔ اس نے شہزادی کو دیکھ کر سر کو ذرا خم دیا۔ اور پھر دوبارہ انہیں ڈانٹنے میں مصروف ہو گیا۔

''شاباش جلدی کرو۔ ہاں ایسا نا تم بھی۔'' وہ وہیں کھڑی سب کو خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اچانک اس نے کسی کی نظریں خود پر محسوس کرتے ہوئے سر اٹھایا۔ اوپر والدہ سلطان کے کمرے کے سامنے کوئی کھڑا تھا۔ اسکا چہرا اپنے قریب کھڑے ایک آغا کی جانب تھا۔ وہ اس سے کچھ بات کر رہا تھا۔ گفتگو

کرتے ہوئے وہ مڑا۔ وہ اسکا چہرا دیکھ سکتی تھی۔ نیلی آنکھوں کی چمک اسے اتنی دور سے بھی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ بھی اسی کو دیکھ رہا تھا۔ اور پھر وہ دیکھتا ہی رہا۔ کیا حسن تھا۔ وہ اسے ایک دوبار پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔

''تو یہ ہے انکا سلطان، نیلی آنکھوں والا۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا اور پھر حرم کی جانب بڑھنے لگا۔ اسکی دھڑکن تیز ہونے لگی تھی۔ لڑکیاں اسی طرح قطار میں کھڑی ہو چکی تھیں۔ سر جھکا ہوا، نظریں زمین پر۔ تاہم وہ ایسے ہی کھڑی رہی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ مرجان نے اشارے سے اسے کچھ سمجھایا تو وہ بھی انہیں لڑکیوں کے ساتھ قطار میں کھڑی ہوگئی۔ وہ اسکے قریب آیا تو رک گیا۔ ایک نظر اس پر ڈال کر اس نے ایک خوبصورت سفید ریشمی رومال اسکی جانب بڑھایا۔ وہ ایک لمحہ حیران ہو کر اسے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے ہچکچاتے ہوئے رومال تھام لیا۔ وہ اسے کیوں دیا جا رہا تھا اسے خبر نہیں تھی۔ رومال تھما کر وہ مرجان کے کان کے قریب جھکا اور پھر کچھ کہہ کر چلا گیا۔ مرجان پریشانی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر تیزی سے والدہ کے کمرے کی جانب بڑھا۔

''والدہ سلطان! شہزادے مراد!''

''کیا ہوا مراد کو؟'' توران اچانک حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

''شہزادے مراد، وہ شہزادی کو حرم کی کنیز سمجھ بیٹھے ہیں اور اب اسے اپنی منظور نظر بنانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اس سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''وہ حرم میں کیا کر رہی تھی؟'' والدہ نے غصے سے پوچھا۔

''پتا نہیں ملکہ۔۔۔'' مرجان کافی گھبرایا ہوا تھا۔

''مرجان تم مراد سے کہہ دو کہ وہ شہزادی ہے کنیز نہیں ہے۔ وہ ہماری مہمان ہے۔'' والدہ حرم، سلطنت اور اسلام کے قائدے قانون توڑنے والوں میں سے نہیں تھی۔

''جو حکم ملکہ۔'' مرجان باادب طریقے سے کہتا مراد کے کمرے کی طرف بڑھا۔

مراد کے سامنے اسکی زبان بہت کم اور سوچ سمجھ کر چلتی تھی۔

''شہزادے! جس خاتون کی آپ ابھی بات کر رہے تھے وہ ٹرانسلوانیا کی شہزادی ہے۔کنیز نہیں۔'' اس نے جھکی نظروں سے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔وہ شہزادہ مراد تھا۔حسن کا دلدادہ، حسن پر فدا ہو جانے والا۔

''مطلب اسے اپنا بنانے کیلیئے نکاح کرنا پڑے گا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''شہزادے وہ ہمارے آقا کی مہمان ہیں، کچھ دنوں کیلیئے یہاں ہیں۔'' مرجان کی بات سن کر وہ ٹھٹھکا۔

''اچھا! ویسے مہمانوں سے ملاقات منع نہیں ہے نا؟ میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔''

''شہزادے کل مہمان خانے میں۔۔۔۔'' اس نے غصے سے مرجان کی بات کاٹی۔

''مرجان میں ابھی ملاقات چاہتا ہوں۔''

مرجان اسکی آواز سن کر ڈر گیا۔

''جو حکم شہزادے۔'' وہ دوڑتا ہوا کمرے سے باہر نکلا۔

مرجان کو جاتا دیکھ کر وہ کچھ ٹھنڈا ہوا۔غصہ ختم ہو چکا تھا۔وہ اس کا چہرا سوچ کر مسکرا رہا تھا۔خوبصورت تھی وہ۔بے انتہا خوبصورت۔

وہ ابھی تک حرم میں موجود تھی اور لڑکیوں کا جائزہ لے رہی تھی، جو اسے بہت عجیب طرح سے دیکھ رہی تھی۔

''شہزادی میرے ساتھ آیئے۔'' مرجان اسے اشارے سے سمجھانے لگا۔

وہ حیران نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔لارا ابھی اسکے پاس موجود تھی۔مرجان کے اشارے اور الفاظوں کو کچھ سمجھ کر وہ شہزادی کو دیکھنے لگی۔

''سلطان آپ سے ملاقات چاہتے ہیں۔''

لارا کی بات سن کر الیگزنڈرا کبھی ہاتھ میں پکڑے رومال کو دیکھتی کبھی مرجان کو۔

مرجان تیزی سے قدم اٹھاتا آگے بڑھ گیا۔وہ بھی نا چاہتے ہوئے اس کے پیچھے چل پڑی۔

کمرے کا دروازہ کھلا تو وہ سامنے کھڑا تھا اسکا چہرا دوسری جانب تھا۔وہ اندر داخل ہوئی تو مرجان اور لارا دونوں باہر چلے گئے۔مرجان واپس حرم میں چلا گیا جبکہ لارا وہیں شہزادی کا انتظار کرنے لگی۔

وہ مڑا۔اسکا چہرا اب الیگزنڈرا کی جانب تھا۔وہ اتنا خوفناک نہیں تھا جتنا اس نوجوان نے اسے بتایا تھا۔مگر جیسے جیسے وہ قدم اس کی طرف بڑھا رہا تھا اسکے ذہن میں نوجوان کی باتیں آرہی تھیں۔

''حسن کا دلدادہ ہے۔''

''تمہارا حسن اسے پسند آگیا تو کچھ نہیں کہا جاسکتا۔''

وہ ڈرنے لگی تھی۔جیسے جیسے انکے درمیان فاصلہ کم ہورہا تھا اسکے ہاتھ کانپنے لگے تھے۔اسکی دھڑکن اور خوف بڑھنے لگے تھے۔

''تو ہمارے آقا کی مہمان ہو تم۔'' وہ قریب آکر طنزیہ ہنستے ہوئے بولا۔

اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔وہ ترک زبان میں بات کررہا تھا۔وہ خاموش کھڑی رہی۔

''نام کیا ہے تمہارا؟'' مراد نے ایک نظر اسکے چہرے پر ڈالی۔اسکے چہرے پر پسینے کے قطرے موجود تھے۔وہ خاموش رہی۔

''ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔میں اتنا خوفناک نہیں ہوں۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔وہ اب بھی خاموش تھی۔اسکے کسی لفظ کی اسے سمجھ آتی تو وہ جواب دیتی۔مگر اس کے لہجے میں چھپی ہوئی بیادبی اور تمسخر کو وہ اچھی طرح محسوس کرسکتی تھی۔

''ویسے کافی حسین ہو تم۔مجھے پسند بھی آگئی ہو۔اور جو مجھے پسند آتا ہے وہ میرا ہوتا ہے۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

پھر اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

الیگزنڈرا ایک لمحے کو ساکت رہ گئی۔

مراد ہاتھ میں موجود انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنانے ہی والا تھا کہ اچانک الیگزنڈرا کا دوسرا ہاتھ پوری طاقت سے اس کے گال پر پڑا۔

مراد ایک لمحے کو ساکت رہ گیا۔

الیگزنڈرا نے غصے سے اسے زور سے پیچھے دھکیلا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

آج تک کسی شہزادے یا سلطان کے کمرے سے کوئی خاتون اس طرح باہر نہیں نکلی تھی جیسے وہ نکلی تھی، سر بلند، قدم تیز اور آنکھوں میں غصے کی چمک لیے۔

مراد کا چہرہ غصے سے سرخ ہو چکا تھا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی انگوٹھی پوری طاقت سے دیوار پر دے ماری۔

کمرے میں انگوٹھی کے دیوار اور زمین سے ٹکرانے کی آواز گونج گئی۔

غصے سے اس کی سانسیں بھاری ہو رہی تھیں۔ اس کے ذہن میں ایک کے بعد ایک خیال گردش کر رہے تھے۔

''سمجھتی کیا ہے خود کو؟''

وہ غصے سے بڑبڑایا۔

''ایک مقبوضہ ریاست کی شہزادی ہو کر، عثمانیہ سلطنت کے شہزادے پر ہاتھ اٹھایا ہے اس نے!''

اس کی آنکھوں میں غصے کی چمک اور گہری ہو گئی۔

''حساب تو لوں گا۔۔۔ اور بہت اچھی طرح لوں گا۔''

وہ غصے سے یہی الفاظ اپنے ذہن اور لبوں پر دہراتا رہا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے چہرے پر پریشانی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ چہرہ غصے سے سرخ تھا اور سانسیں تیز چل رہی تھیں، جیسے ابھی ابھی کوئی طوفان اس کے اندر سے گزر رہا ہو۔

''شہزادی کیا ہوا ہے آپ کو؟''

لارا جلدی سے اس کے قریب آ کر پوچھنے لگی۔

الیگزینڈرا کمرے میں بےچینی سے ادھر سے اُدھر چلنے لگی۔

''لارا۔۔۔سامان سمیٹو۔ہم۔۔۔ہم کل یہاں سے جا رہے ہیں۔ہم یہاں نہیں رکیں گے۔''

اس کی آواز میں اضطراب تھا۔

''شہزادی، ہوا کیا ہے؟''لارا کی پیشانی پر فکر کی لکیریں ابھر آئیں۔

الیگزینڈرا رک گئی۔اس نے ایک لمحے کو گہری سانس لی، مگر اس کے دل کی بےچینی کم نہ ہوئی۔

''لارا۔۔۔وہ سلطان۔۔۔عجیب وحشی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔دیوان میں وہ جیسا دکھائی دے رہا تھا ویسا بالکل نہیں ہے۔انتہائی بدلحاظ اور بدتمیز انسان ہے وہ۔۔۔مجھے یہاں نہیں رکنا۔ہم کل ہی یہاں سے نکل جائیں گے۔''

اس کی آواز میں غصہ بھی تھا اور خوف بھی۔

''شہزادی! مگر جائیں گے کہاں؟''لارا ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔

الیگزینڈرا چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔

''لارا۔۔۔کہیں بھی رہ لیں گے، مگر یہاں نہیں۔''

''شہزادی، مگر''

’’لارا، اگر مگر کچھ نہیں۔ میں نے کہہ دیا نا!‘‘

اس کی آواز اچانک سخت ہوگئی۔ پھر وہ خاموش ہوگئی۔

اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ آنسو دراصل خوف کے تھے۔۔۔ایسا خوف جسے وہ خود بھی پوری طرح سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

لارا اسے خاموشی سے دیکھتی رہی۔

یہ محل اس کے لیے ابھی بالکل نیا تھا۔۔۔اور اسے معلوم نہیں تھا کہ یہاں اسے اور کیا کیا دیکھنا پڑے گا۔

وہ اس وقت صرف ایک چھوٹی سی بات پر رو دینے کو تھی۔

جبکہ ریاستیں تو اپنے لوگوں سے اس سے کہیں بڑی قربانیاں مانگتی ہیں۔

’’سلطان کی عزت تو ملیامیٹ ہوگئی۔‘‘ سکندر بولتے ہوئے ہنسا۔’’اور محبت کی داستان شروع ہونے سے پہلے ہی ختم۔‘‘

بزرگ اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا۔’’کبھی کبھی جہاں ہمیں اختتام لگتا ہے وہیں سے آغاز ہوتا ہے۔‘‘

وہ گھٹنوں سے اوپر تک آتے شاہی سفید کُرتے اور سیاہ تنگ پاجامے میں ملبوس تھا۔ کھلے صحن میں ہلکی دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور اس کے ہاتھ میں موجود تلوار چمک رہی تھی۔ وہ بڑی پھرتی سے تلوار کو ہاتھ میں گھما رہا تھا، اس کے مقابل ابراہیم نیلے کفتان میں ملبوس کھڑا تھا۔تلواروں کی ٹکر سے تیز آوازیں فضا میں گونج رہی تھیں۔

تیسرے ہی وار میں ایک بار پھر سکندر نے ابراہیم کی تلوار ایک جھٹکے سے دور پھینک دی۔ اگلے ہی لمحے ابراہیم گھٹنے کے بل زمین پر تھا اور سکندر کی تلوار اس کی گردن پر ٹکی ہوئی تھی۔

’’اپو! اگر دیوانوں کی طرح شاعری پڑھنے اور لکھنے کے بجائے تم نے تلوار بازی کی مشق کی ہوتی، تو آج

میری تلوار تمہاری گردن پر نہ ہوتی۔" سکندر نے ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

ابراہیم اس کی بات سن کر ہنس پڑا۔ اگلے ہی لمحے اس نے غیر معمولی تیزی دکھاتے ہوئے آستین میں چھپا چھوٹا سا چاقو نکالا اور پلٹ کر سکندر کی گردن پر رکھ دیا۔

"اور سلطانِ معظم... اگر آپ نے زیورات بنانے میں وقت ضائع کرنے کے بجائے زیورات پہننے والی تلاش کی ہوتی، تو والدہ سلطان کے اتنے طعنے نہ سن رہے ہوتے۔"

سکندر نے فوراً اس کا ہاتھ موڑا اور اس کا بازو اس کی کمر کے پیچھے جکڑ دیا۔

"ایبو!" اس نے خفگی سے پکارا۔

ابراہیم اس کی آواز پر کھل کر ہنس پڑا۔ چند لمحوں بعد سکندر کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

دونوں ابھی وہیں کھڑے تھے کہ مرجان آغا تیزی سے ان کی طرف بڑھتا ہوا آیا۔

"میرے آقا!" اس نے نہایت ادب سے سر جھکایا۔

سکندر نے ابراہیم کا بازو چھوڑ دیا اور رخ مرجان کی طرف کر لیا۔

"ہاں کہو مرجان۔"

مرجان نے قدرے جھجکتے ہوئے کہا،

"میرے آقا! وہ شہزادی محل سے جانا چاہتی ہیں۔"

"کیوں؟" سکندر کی پیشانی پر ہلکی سی شکن ابھری۔

"آقا! ہمیں ان کی گفتگو پوری طرح سمجھ نہیں آ رہی، مگر مجھے لگتا ہے معاملہ اہم ہے۔"

مرجان کی بات سن کر سکندر چند لمحے خاموش رہا، جیسے کسی سوچ میں ڈوب گیا ہو۔

"انہیں روکے رکھو... میں آ رہا ہوں۔"

مرجان فوراً تعمیل میں سر جھکا کر مڑ گیا۔

ابراہیم نے دلچسپی سے سکندر کی طرف دیکھا۔

''سلطانِ معظم! کون ہے یہ شہزادی؟ کہیں سنجیدہ ہو کر کوئی واقعی ۔۔۔''

سکندر نے اسے گھورا اور پھر اسکے پیٹ پر مکا مار کر قریب شاہی نشست کی جانب بڑھا۔ ابراہیم اسکی حرکت پر ہنسا۔

سکندر اپنا شاہی فرغل اٹھا کر پہننے لگا۔

''ٹرانسلوانیا کی شہزادی ہیں، ایبو۔ میں نے انہیں محل میں پناہ دی ہے مگر اب نہ جانے کیا مسئلہ ہو گیا ہے۔''

یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے اس سمت بڑھ گیا جہاں وہ شہزادی سپاہیوں سے الجھ کر محل سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

فضا میں ایک عجیب بے چینی پھیل گئی تھی۔ وہ تیزی سے قدم بڑھاتا جا رہا تھا۔

وہ ایک بار پھر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اچانک محافظ نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر اسے پیچھے دھکیل دیا۔ وہ لڑکھڑا گئی اور قریب کھڑے سکندر کے قدموں میں جا گری۔

سکندر فوراً ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ وہ اب بھی اپنے علاقائی لباس میں ملبوس تھی۔ سکندر نے اپنے کندھے پر پڑا فرغل اتارا اور خاموشی سے اس کے اوپر ڈال دیا۔ پھر اس نے مرجان آغا کو اشارہ کیا اور خود اس محافظ کی طرف بڑھ گیا۔

اگلے ہی لمحے ایک زوردار تھپڑ کی آواز گونجی۔

سکندر کا ہاتھ محافظ کے گال پر پڑا تھا اور وہ زمین پر جا گرا۔

اب سکندر اس کے سامنے کھڑا تھا، اس کی آنکھوں میں سخت غصہ جھلک رہا تھا۔

''تمہاری اتنی جرات؟ شہزادی کو ہاتھ کیسے لگایا تم نے؟''

وہ ترکی زبان میں اس پر برس رہا تھا۔

''آقا! وہ شہزادی باہر جانے کی ضد۔۔۔''

''خاموش!''

سکندر کی گرج دار آواز نے اس کی بات وہیں کاٹ دی۔

''عورت کو کوئی اس طرح ہاتھ لگاتا ہے؟ محافظ ہو اور عورتوں سے بات کرنے کا طریقہ تک نہیں جانتے؟''

اس نے غصے سے ہاتھ کے اشارے سے اسے ہٹنے کا حکم دیا۔

''دور ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔۔۔اور اس وقت تک واپس مت آنا جب تک تم آداب نہ سیکھ لو۔''

محافظ سر جھکائے فوراً وہاں سے چلا گیا۔

وہ وہیں کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ اب تک وہ صرف اس کی پشت ہی دیکھ سکی تھی، مگر اس کی آواز۔۔۔کچھ جانی پہچانی سی تھی۔ وہ اس کی بات تو نہیں سمجھ سکی، مگر اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ شدید غصے میں تھا۔

اچانک وہ مڑا۔

اور الیگزینڈرا کی نظریں اس پر ٹھہر گئیں۔

وہ چونک گئی۔

وہی جنگل والا نوجوان۔۔۔

وہی سیاہ آنکھیں۔

''یہ۔۔؟''

وہ حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ آخر یہ تھا کون؟

سکندر نے اگلے ہی لمحے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' الیگزینڈرا بے اختیار کہتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔ وہ اسکے قریب چلی گئی۔ بہت قریب۔

سکندر نے ایک قدم پیچھے لیا اور مرجان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''مرجان! شہزادی کو دیوان میں لے آؤ۔''

یہ کہہ کر وہ خود دیوان کی طرف بڑھ گیا۔

مرجان آغا نے احترام سے راستہ دکھایا اور الیگزینڈرا کو ساتھ لے کر دیوان تک پہنچا۔ وہ اب بھی حیران تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے۔

چند لمحوں بعد وہ دیوان میں کھڑی تھی۔ سکندر کا فرغل اب بھی اس کے کندھوں پر تھا۔

اب وہ سر جھکا کر نہیں کھڑی تھی۔

سکندر اس کے سامنے آ کر رکا۔

''میرا نام سکندر مرزا ہے۔ سلطنت عثمانیہ کا سلطان۔''

الیگزینڈرا کے چہرے پر حیرت پھیل گئی۔

سکندر مرزا۔۔۔ سلطان؟

اگر وہ سلطان تھا۔۔۔ تو پھر وہ نیلی آنکھوں والا کون تھا؟

''وہ۔۔۔ نیلی آنکھوں والا۔۔۔'' وہ بولتے بولتے رک گئی۔

سکندر نے پرسکون لہجے میں جواب دیا،

''وہ نیلی آنکھوں والا ترک سلطنت کا شہزادہ ہے۔۔۔ شہزادہ مراد۔''

''اور اس دن جنگل میں تم۔۔۔'' الیگزنڈرا بولتے بولتے رکی۔

سکندر جواباً ہلکا سا مسکرایا۔

''وہ بس ایک مزاق تھا۔ میں جنگل میں آپکو اپنی حقیقت نہیں بتا سکتا تھا۔''

الیگزینڈرا حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

''اب مجھے بتائیے۔۔۔ آپ محل سے کیوں جانا چاہتی ہیں؟ کیا کوئی مسئلہ ہے؟ کوئی پریشانی؟''

وہ چند لمحے خاموش رہی۔

''نہیں۔۔۔ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

''پھر جانا کیوں چاہتی ہیں؟''

وہ پھر خاموش ہوگئی۔ کیا کہتی؟ کیا وہ شہزادے کی شکایت کرتی؟

سکندر نے اس کی خاموشی کو غور سے دیکھا۔

''میں سمجھ سکتا ہوں۔۔۔ آپ ترکوں کے اصول و رواج سے واقف نہیں ہیں۔ مگر خود کو کچھ وقت دیں۔ اور یہ بھی زیادہ دیر کی بات نہیں۔ میں جلد ہی ٹرانسلوانیا کو فتح کروں گا۔''

اس نے ایک لمحہ توقف کیا۔

''اگر کوئی مسئلہ ہو... تو آپ مجھے بتا سکتی ہیں۔''

الیگزینڈرا کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ پھر جیسے کوئی فیصلہ کر کے بولی۔

''شہزادہ مراد۔۔۔ کل ان سے میری ملاقات ہوئی تھی۔''

وہ رکی، پھر اپنے ہاتھ میں موجود رومال اس کی طرف بڑھایا۔

''انہوں نے یہ مجھے دیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم وہ مجھے کیا سمجھ بیٹھے ہیں۔ مجھے ان کی نظروں سے مسئلہ ہے۔ وہ مجھے عجیب طرح سے دیکھتے ہیں۔''

سکندر کی نظر ایک لمحے کے لیے رومال پر ٹھہری۔

پھر اس نے خاموشی سے وہ رومال اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''آئندہ وہ آپ کو تکلیف نہیں پہنچائے گا۔''اس نے نرم مگر قطعی لہجے میں کہا۔

''اور کوئی مسئلہ تو نہیں؟''

''نہیں... اور کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

اس نے آہستہ سے سر جھکا دیا۔

سکندر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مڑا اور دیوان سے باہر چلا گیا۔

مگر اس کے ہاتھ میں موجود رومال پر اس کی گرفت غیر محسوس طور پر سخت ہو چکی تھی۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑا تھا اور اس کے قریب کھڑا یاقوت اس کا لباس درست کر رہا تھا۔ کافتان کی شکنیں سیدھی کرتے ہوئے جب یاقوت کی نظر پاس پڑے شاہی فرغل پر پڑی تو اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے فوراً وہ مسکراہٹ دبا لی اور خاموشی سے شاہی دستار اٹھا کر سکندر کے سر پر سجا دی۔

''یاقوت!''

سکندر کی آواز آئی۔

''کیا ہوا ہے؟ تم مسکرا کیوں رہے ہو؟''

سکندر نے اس کی دبی ہوئی مسکراہٹ پہچان لی تھی۔

''کچھ نہیں آقا۔''

یاقوت فوراً سنجیدہ ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

سکندر نے چہرہ اس کی طرف موڑ لیا۔

''بتا دو۔اگر بات پسند نہ آئی تو سر نہیں کاٹوں گا۔''

وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور یاقوت کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

یاقوت بھی آہستہ سے مسکرا دیا۔

''آقا! آپ کب تک شہزادی کو اپنے فرغل دیتے رہیں گے؟ آج تیسری بار آپ نے اپنا فرغل قربان کیا ہے۔''

وہ بمشکل ہنسی روکتے ہوئے بولا۔

سکندر اسے غلاموں سے زیادہ بھائیوں کی طرح رکھتا تھا، اس لیے وہ بے تکلفی سے بات کر لیتا تھا۔

سکندر اس کی بات سن کر ہنس دیا۔

''تب تک۔۔۔جب تک وہ خود پہن کر آنا شروع نہ کر دے۔''

پھر اس نے قدرے سنجیدگی سے کہا،

''میں اس پر زبردستی نہیں کر سکتا۔کیونکہ جبر کی اجازت نہیں ہے۔مگر اسے سمجھا تو سکتا ہوں نا۔اور مجھے لگتا ہے۔۔۔اسے سمجھانے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔''

یہ کہہ کر وہ مسکراتا ہوا دالان کی طرف بڑھ گیا۔

یاقوت وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا، اس کے چہرے پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔

''کیا ہوا؟''

سکندر نے مڑ کر پوچھا۔

''کچھ نہیں۔۔۔''یاقوت نے جواب دیا۔

''یاقوت! تم کب سے مجھ سے باتیں چھپانے لگ گئے ہو؟''

یہ کہتے ہوئے سکندر پاس رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔

یاقوت آکراس کے قریب کھڑا ہوگیا۔

''کچھ نہیں آقا۔۔۔۔بس آج تک میں نے آپ جیسا حکمران نہیں دیکھا۔''

سکندر اس کی بات سن کر مسکرا دیا۔

''وہ اس لیے یاقوت۔۔۔کیونکہ تم دنیا میں ذرا دیر سے آئے تھے۔''

یاقوت اس کی بات سن کر ایک بار پھر مسکرا دیا۔

سکندر نے کبھی غرور نہیں کیا تھا

نہ اپنے اخلاق پر،

نہ اپنے کردار پر،

نہ اپنے عہدے پر۔

وہ ہمیشہ عاجزی اختیار کرتا تھا۔

وہ ہدایت پر تھا تو وہ اللہ کی طرف سے تھی۔

وہ صالح تھا تو وہ اللہ کی طرف سے تھا۔

وہ سلطان تھا تو وہ بھی اللہ کی عطا تھی۔

اس میں اس کا اپنا کوئی کمال نہیں تھا۔

''آقا!'' یاقوت ایک بار پھر مخاطب ہوا۔

''میں آج بازار گیا تھا، لوگ کافی باتیں بنا رہے ہیں۔ ابھی تک کوئی ملکہ نہیں ہے آپکی اس لئے لوگ مختلف باتیں بنا رہے ہیں۔'' وہ لمحہ بھر رکا، ''آپکا غلام ہوں بازار میں کیا چل رہا ہے آپکو بتانا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔'' وہ کہہ کر خاموش ہوگیا۔

''میرے سوا پوری ریاست کو میری ملکہ کی فکر ہے، آہ یاقوت، میں اپنی زندگی کے فیصلے بھی اپنی مرضی

سے نہیں کر سکتا۔'' وہ میز پر پڑا شاہی قہوہ پینے لگا۔

''ویسے آقا، بہت حیران ہوں میں۔ عام طور پر شہزادے جب گورنر منتخب ہوتے ہیں تو ایک کی بجائے کئی ملکائیں ہوتی ہیں انکی مگر آپکو میں نے آج تک کسی خاتون میں دلچسپی لیتے نہیں دیکھا۔ اس کی کوئی خاص وجہ ہے آقا؟'' یاقوت بول کر خاموش ہو گیا۔

''نہیں یاقوت، بس کبھی سوچا نہیں اس بارے میں۔ پورا حرم میرا ہے مگر حرم کی عورتوں میں سے ہر عورت صرف عہدہ، دولت اور طاقت کیلئے میرے ساتھ جڑنے کی کوشش کرے گی۔ مجھے وفادار خاتون چاہیئے۔ اس تخت پر بیٹھنے کے بعد بہت سے قریبی لوگ میرے دشمن بن گئے ہونگے اور میں انہیں پہچانتا بھی نہیں ہوں گا، میں چاہتا ہوں جب میں ساری ریاست کو چھوڑ کر اس کمرے میں داخل ہوں تو مجھے یقین ہو کہ یہاں کوئی غدار نہیں ہے یہاں جو موجود ہے وہ میری وفادار ہے۔''

''مگر آقا آپ کوئی ایسی خاتون تلاش بھی تو نہیں کر رہے؟''

''یاقوت! میں نے اس معاملے کو خدا پر چھوڑا ہے، مجھے یقین ہے وہ مجھے خود ہی کسی ایسی خاتون سے ملوا دے گا۔'' اس نے قہوے کا خالی کپ میز پر رکھا اور پھر صوفے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''پھر تو مجھے یقین ہے آپکو اس خاتون سے پہلے محبت ہو گی اور پھر وہ آپکی زندگی میں شامل ہو گی۔'' یاقوت نے مسکرا کر اپنا خیال ظاہر کیا۔

''ضروری نہیں ہے یاقوت۔ میرا نہیں خیال ایسا کوئی جذبہ ہے مجھ میں۔ عورتوں کی قدر اور احترام کرتا ہوں میں مگر محبت میرا نہیں خیال۔۔۔''

''آقا آپکو علم بھی نہیں ہوگا اور محبت ہو جائے گی۔'' یاقوت نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''تمہیں کبھی محبت ہوئی ہے یاقوت؟'' سکندر کی بات سن کر یاقوت خاموش ہو گیا۔

''اس خاموشی کو میں ہاں سمجھوں گا یاقوت۔'' وہ اسکے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کمرے میں داخل ہوا۔ پھر میز

پر پڑی انگوٹھیاں اٹھا کر پہننے لگا۔اس نے میز پر پڑا رومال ہاتھ میں پکڑا اور دروازے کی جانب آہستگی سے بڑھنے لگا۔

''میرے آس پاس ہر شخص محبت میں پڑنے لگا ہے، مجھے ویسے محبت ہو نہ ہو تم سب کی صحبت میں رہتے رہتے ضرور ہو جائیگی۔'' وہ مسکرا کر کہتا کمرے سے باہر نکل گیا۔یاقوت کچھ لمحے کھڑا رہا پھر فوراً کمرے سے باہر چلا گیا۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑا اپنا کفتان درست کر رہا تھا کہ اچانک محافظ کی بلند آواز کمرے میں گونجی۔

''با ادب، باملاحظہ، ہوشیار! سلطان سکندر مرزا تشریف لا رہے ہیں!''

مراد نے ناگواری سے آنکھیں گھمائیں اور آہستہ سے مڑا۔اس نے رسمی طور پر سر جھکا لیا۔توران سلطان پایہ تخت میں لا کر اسے سختی سے سمجھا کر گئی تھیں کہ اب وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گا اور کل ہی امرسیہ روانہ ہو جائے گا۔اسی لیے وہ بظاہر پورا ادب دکھا رہا تھا۔

دروازہ کھلا اور سکندر اندر داخل ہوا۔

اپنے مخصوص رعب اور وقار کے ساتھ وہ چلتا ہوا مراد کے قریب آ کر رکا۔اس کی نگاہ پہلے پورے کمرے پر گھومی، پھر مراد پر ٹھہر گئی۔ہونٹوں پر ایک ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

''امرسیہ کا حرم کم پڑ گیا ہے کیا۔۔۔جو اب تم سلطنت کے مہمانوں پر بھی نگاہیں گاڑھنے لگے ہو؟''

مراد نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''کیا بات کر رہے ہیں آپ، سلطانِ معظم؟''

اس نے جان بوجھ کر سلطانِ معظم کے لفظ پر خاص زور دیا۔

سکندر نے خاموشی سے رومال اس کی طرف بڑھایا۔مراد حیرت سے کبھی رومال کو دیکھتا اور کبھی سکندر کے

چہرے کو۔

''دوبارہ شہزادی کے قریب مت جانا اور اپنی ان وحشی نگاہوں کو بھی دور رکھنا۔''

اس کی آواز ٹھنڈی مگر خطرناک تھی۔

''اگر مجھے پتا چلا کہ تم نے شہزادی کو دوبارہ پریشان کیا ہے تو۔۔۔''

وہ جملہ ادھورا چھوڑ گیا اور اپنی انگلیوں کے درمیان موجود رومال کو زور سے دبانے لگا۔ یہ اشارہ ہی کافی تھا، مزید الفاظ کی ضرورت نہیں تھی۔

اس نے رومال مراد کے ہاتھ میں تھمایا اور دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

''سلطانِ معظم!''

مراد کی آواز پر سکندر رک گیا۔

''میں نہ تو آپ کی حکومت قبول کروں گا۔۔۔ اور نہ ہی آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔'' وہ سلطان معظم اور آپ اسے احتراماً نہیں بلکہ طنزاً کہہ رہا تھا۔

سکندر آہستہ سے پلٹا۔

مراد کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

''اور جہاں تک شہزادی کا تعلق ہے۔۔۔ وہ میرا اور شہزادی کا مسئلہ ہے۔ اس سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔''

مراد کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ سکندر چند قدموں میں اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اگلے ہی لمحے اس نے غصے سے اس کی گردن پکڑ کر اسے دیوار سے دے مارا۔

مراد کی سانس ایک لمحے کو رک گئی۔

سکندر کی آنکھوں میں خطرناک چمک تھی۔

''اگر تم نے میری حکومت اور میرا حکم تسلیم نہ کیا۔۔۔۔تو یہ سر تمہارے تن سے جدا کر کے جنگل میں پھینک دوں گا۔''

اس کی گرفت مزید سخت ہو گئی۔

''صرف والدہ کی وجہ سے تمہیں اب تک زندہ چھوڑ رکھا ہے۔اور میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم نے برادر ابراہیم کے ساتھ کیا کیا تھا۔''

وہ اور قریب جھکا۔

''تمہارا سر اتارنے کی بہت سی وجوہات ہیں میرے پاس، مراد۔''

اس کی آواز اب سرگوشی جیسی مگر خوفناک تھی۔

''مجھ سے بغاوت کرنے کی کوشش کی نا۔۔۔تو خدا کی قسم، اس بار والدہ کے کہنے پر بھی تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

پھر اس نے مزید سخت لہجے میں کہا،

''اور جہاں تک شہزادی کا تعلق ہے۔۔۔۔جب تک وہ میری ریاست میں ہیں، ان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کا تعلق مجھ سے بھی ہے۔''

اس نے اسے زور سے دیوار سے ہٹا کر زمین پر گرا دیا۔

''ان سے دور رہنا۔''

یہ کہہ کر سکندر غصے سے مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

چند لمحے کمرے میں خاموشی رہی۔

مراد آہستہ آہستہ اٹھا۔اس نے پیشانی پر آتے بالوں کو پیچھے کیا اور ہلکے سے مسکرایا۔

''اوہ! تو سلطانِ معظم کے لیے شہزادی اتنی اہم ہو گئی ہیں۔''

وہ خود سے بڑبڑایا۔

پھر اچانک اس کے ہونٹوں پر ایک گہری، مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس کے ذہن میں اب ایک نئی کہانی جنم لے رہی تھی۔

اور اس کہانی کا انجام شاید بہت خطرناک ہونے والا تھا۔

وہ آہستہ قدموں سے کمرے میں داخل ہوا۔

''والدہ... '' وہ قریب آتے ہوئے بولا اور تورہان سلطان کا ہاتھ تھام کر ادب سے چومنے لگا۔

''میں تم سے خفا ہوں، سکندر۔ تمہیں کم ازکم مجھے منانا چاہئے تھا۔'' تورہان نے شکوا کیا۔

سکندر چند لمحے خاموش رہا، پھر سنجیدگی سے بولا،

''والدہ آپ جانتی ہیں بنا غلطی کے معذرت کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اور خفا تو مجھے ہونا چاہیے، والدہ۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی آپ نے مراد کا ساتھ دیا ہے۔''

تورہان نے گہری سانس لی۔

''تو کیا کرتی میں، سکندر؟ تمہیں مراد کی جان لینے دیتی؟ وہ میرا بیٹا ہے سکندر۔''

''جی۔۔۔ وہ آپ کا بیٹا ہے،'' سکندر نے سرد لہجے میں کہا،'' اور میری سلطنت کے لیے خطرہ بھی۔''

پھر اس نے تورہان کی طرف دیکھتے ہوئے مزید کہا،

''میں ابھی آپ کے لاڈلے کے کمرے سے آرہا ہوں۔ کیا کیا ہے اس نے شہزادی کے ساتھ؟ ہمم؟''

اس کے لہجے میں واضح سوال تھا۔

تورہان نے قدرے نظریں چرا لیں۔

''کچھ نہیں۔ اسے لگا وہ کوئی غلام لڑکی ہے۔ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ شہزادی ہے۔''

یہ صرف آدھی سچائی تھی۔

سکندر تلخی سے ہنسا۔

''جی۔مگر اس کے باوجود اس نے شہزادی سے دوبارہ ملاقات کی اور انہیں رومال بھی تھمایا۔اور یہی نہیں زبردستی شہزادی کے ہاتھ میں انگوٹھی بھی پہنانے کی کوشش کی۔ایسا ہی ہے نا، والدہ؟''

تورہان نے جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی۔

''ہر چیز کی خبر ہوتی ہے مجھے۔حرم کے معاملات سے بیخبر نہیں رکھ سکتیں آپ مجھے۔''

کچھ لمحوں کیلئے کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔تورہان کو سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کہے۔

سکندر نے گہری سانس لی۔

''والدہ!اسے کہہ دیجیے جتنا جلد ممکن ہو امرسیہ کے لیے روانہ ہو جائے۔''

وہ مڑ کر جانے لگا کہ تورہان نے اسے روک لیا۔

''سکندر! مجھے تم سے شہزادی کے بارے میں بات کرنی ہے۔''

وہ رک گیا اور پلٹا۔

''جی کہیے والدہ، سن رہا ہوں۔''

تورہان نے چند لمحے توقف کے بعد کہا،

''سکندر!اس نے کل مراد کے ساتھ کافی گستاخی کی ہے۔''

سکندر کے چہرے کے تاثرات نہیں بدلے۔

''کی ہوگی۔اس سب کے علاوہ بھی آپ کے لاڈلے نے کوئی حرکت کی ہوگی۔''

تورہان نے اس کی بات نظرانداز کر دی۔

''ٹھیک ہے، مگر وہ حرم میں نہیں رہ سکتی، سکندر۔اگر ایک دو دن کی بات ہوتی تو میں اسے حرم میں رکھ لیتی،

مگر اس میں مہینے بھی لگ سکتے ہیں۔شاید سال بھی۔"
وہ سنجیدگی سے بول رہی تھیں۔
"تم اسے کہیں اور رکھو۔وہ کوئی کنیز نہیں ہے کہ حرم میں رہے۔"
"والدہ! حرم کے باہر وہ محفوظ نہیں ہوگی۔"
"تو محافظ تعینات کر دو شکار سرائے کے باہر،" تورہان نے دوٹوک لہجے میں کہا۔
"مگر وہ یہاں نہیں رہے گی۔حرم کا نظام خراب ہو رہا ہے۔اور جو اس نے کل مراد کے ساتھ کیا ہے، اس کے بعد تو ہرگز نہیں۔"
وہ ذرا رکیں، پھر ناگواری سے بولیں،
"اور ویسے بھی۔مجھے اس لڑکی کے یہاں ہونے سے کچھ اچھا محسوس نہیں ہو رہا۔"
سکندر کے چہرے پر سختی آ گئی۔
"والدہ! وہ میری مہمان ہیں۔ان کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔آپ کے اس عیاش بیٹے کی وجہ سے میں۔۔۔۔"
"سکندر، بس!"
تورہان کی آواز سخت ہوگئی۔
"حرم میں کیا ہوگا اور کون رہے گا۔یہ میں طے کرتی ہوں۔میں کہہ چکی ہوں نا وہ یہاں کے اصول نہیں جانتی۔اور اس کا لباس۔۔۔۔دیکھا ہے تم نے؟"
وہ قدرے ناراضی سے بولیں۔
"اسلام کو وہ نہیں جانتی۔میں اسے یہاں نہیں رکھوں گی۔تم چاہو تو اسے کہیں اور بھیج دو۔"
کمرے میں چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔

سکندر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ اپنی والدہ سے گستاخی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اسی لیے وہ خاموشی سے مڑا اور بغیر کچھ کہے کمرے سے باہر نکل گیا۔

رات کا وقت ہو چکا تھا۔ باہر آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ اندر کمرے میں وہ خاموشی سے بیٹھا زیورات بنا رہا تھا، مگر اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ صبح توران سلطان کے ساتھ ہونے والی گفتگو بار بار اس کے ذہن میں لوٹ آتی۔

''یاقوت!''

کچھ سوچ کر اس نے آواز دی۔

کمرے کے باہر کھڑا محافظ فوراً اندر آ گیا۔

''میرے آقا! دربانِ خاص یہاں موجود نہیں ہیں۔''

سکندر نے اس کی طرف دیکھا۔

''کہاں ہے وہ؟''

اس کی پیشانی پر بل ابھر آئے۔

''باغیچے میں ہیں، آقا۔''

سکندر چند لمحے خاموش رہا، جیسے کسی خیال میں گم ہو۔

''مرجان کو خبر کرو۔ مجھے شہزادی سے ضروری بات کرنی ہے۔ شہزادی کو دیوان میں لے آئے۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنے سامنے رکھے زیورات ایک طرف کر دیے۔

''جو حکم، میرے آقا۔''

محافظ سر جھکا کر باہر چلا گیا۔

سکندر کمرے سے نکل کر دالان کی طرف آ گیا۔ وہ وہیں کھڑا آنکھیں بند کیے کافی دیر تک خاموش کھڑا رہا۔

اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔

نیچے دالان میں کھڑی الیگزینڈرا خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ کافی دیر تک اسے دیکھتی رہی۔ اس کے ذہن میں صبح کا منظر ابھرا۔۔۔ پھر جنگل کا وہ لمحہ یاد آیا۔

تو اس دن اس کے گھوڑے کی لگام تھام کر چلنے والا شخص۔۔۔ سکندر تھا؟

وہ تین براعظموں پر حکومت کرنے والا اس کے گھوڑے کی لگام تھامے چل رہا تھا۔

کیا واقعی؟

وہ حیرت سے اسے دیکھتی ہوئی سوچتی رہی۔

سکندر کچھ دیر اور وہاں کھڑا رہا، پھر واپس کمرے میں چلا گیا۔ اسے الیگزینڈرا کی موجودگی کا علم تک نہ ہوا۔

وہ ابھی بھی وہیں کھڑی تھی کہ لارا اندر آ گئی۔

''شہزادی! وہ مرجان آغا آپکو بلا رہے ہیں۔ شاید سلطان آپ سے ملاقات چاہتے ہیں۔'' مرجان آغا انہیں اشاروں میں ہی بات سمجھایا کرتا تھا، لارا کو جتنی سمجھ آتی وہ الیگزنڈرا کو بتا دیتی۔

الیگزینڈرا نے سر اٹھا کر ایک بار پھر دالان کی طرف دیکھا۔ پھر خاموشی سے کمرے کی طرف چل پڑی۔

وہ دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ اچانک رک گئی۔

آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے خود کو دیکھا۔

اس کا لباس آج بھی ویسا ہی تھا۔

اس نے سامنے رکھا فرغل اٹھایا اور اپنے کندھوں پر اوڑھ لیا۔ پھر ایک بار خود کو آئینے میں دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

جب وہ دیوان میں پہنچی تو سکندر پہلے ہی وہاں موجود تھا۔

وہ اندر داخل ہوئی تو سکندر کی نظر ایک لمحے کے لیے اس پر ٹھہری۔

اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ پھر اس نے نظریں جھکا لیں۔

''اتنے فرغل قربان کرنے کے بعد کچھ تو تبدیلی آئی۔'' وہ دل ہی دل میں سوچ کر مسکرا دیا۔

پھر اس نے بات شروع کی۔

''حرم کے کچھ قاعدے ہیں۔ کچھ قوانین۔''

وہ آہستہ آہستہ تمہید باندھ رہا تھا۔

''والدہ کو حرم کے نظام کے بگڑنے کا خدشہ ہے۔ آپ یہاں زیادہ عرصے تک نہیں رہ سکتیں۔''

وہ چند لمحے رکا۔

''اس لیے میں آپ کو شکار سرائے بھیج رہا ہوں۔ وہاں آپ کی مکمل حفاظت ہوگی۔''

سکندر کی بات سن کر الیگزینڈرا طنزیہ مسکرا دی۔

''آپ سیدھا کہہ دیں۔ کہ آپ مجھے پناہ نہیں دے سکتے۔''

سکندر اٹھا اور چند قدم اس کی طرف بڑھا۔

''میں یہ کہہ دیتا۔۔۔ اگر میں واقعی یہی کہنا چاہتا۔ مگر میں یہ نہیں کہہ رہا۔''

وہ سنجیدگی سے بولا۔

''آپ شکار سرائے میں بھی آپ محفوظ ہوں گی۔ بلکہ سلطنتِ عثمانیہ کے کسی بھی شہر میں ہوں۔ آپ محفوظ ہوں گی۔''

الیگزینڈرا نے خاموشی سے اسے دیکھا۔

''مگر محافظ آپ تو نہیں ہوں گے نا۔''

اس کے الفاظ پر سکندر ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔

پھر آہستگی سے مخاطب ہوا۔

''میرے سب سے قابل محافظ آپ کی حفاظت کے لیے وہاں موجود ہوں گے۔''

الیگزینڈرا نے دھیرے سے سر ہلایا۔

''مجھے اس ریاست میں آپ کے سوا کسی پر بھروسا نہیں ہے۔''

اس کے الفاظ سن کر سکندر پھر ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔

''میں آتا رہوں گا۔ اگر آپ کو کوئی مسئلہ ہو تو مجھے بتا سکتی ہیں۔ ضرورت پڑے تو خط بھی لکھ سکتی ہیں۔''

پھر اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا،

''کل تیار رہیے گا... آپ کو شکار سرائے منتقل کر دیا جائے گا۔''

یہ کہہ کر وہ دیوان سے باہر نکل گیا۔

مگر جیسے ہی وہ راہداری میں پہنچا، الیگزینڈرا کا جملہ اس کے ذہن میں گونجنے لگا۔

''محافظ آپ تو نہیں ہوں گے نا''

چند لمحے وہ وہیں رکا۔ پھر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''یاقوت کو کس سے محبت ہے؟'' سکندر کو نا جانے اسکا خیال کہاں سے آیا۔

''تم میری کہانی کی روانی خراب کر رہے ہو لڑکے۔'' بزرگ نے کھانستے ہوئے اسے تنبیہ کی۔

''مگر مجھے جو جاننا ہے آپ وہی بتائیں نا۔'' سکندر بھی بضد تھا۔

''سنو پھر۔''

باغیچے میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ وہیں خاموش کھڑا تھا۔ اسکی نگاہیں ستاروں پر تھیں۔ کسی نے اس سے کہا تھا کہ انکے بزرگ مرنے کے بعد ان ستاروں کی شکل میں انکی رہنمائی کرتے ہیں۔ وہ کافی عرصہ اس بات کو سچ سمجھتا تھا مگر آج وہ اپنی اس احمق سوچ پر مسکرا رہا تھا۔ اچانک قدموں کی آہٹ سن کر وہ مڑا۔

اس سے کچھ فاصلے پر شہزادی عتیقہ چند کنیزوں کے ساتھ کھڑی تھیں۔

یاقوت کی نگاہ ایک لمحے کے لیے اس پر پڑی۔ پھر جیسے ٹھہر ہی گئی۔

وہ کافی دیر تک انہیں دیکھتا رہا۔

وہ جانتا تھا۔ وہ غلط جگہ دل لگا بیٹھا ہے۔

کہاں سلطنتِ عثمانیہ کی شہزادی۔۔۔ اور کہاں وہ، محض ایک غلام۔

یہ سوچتے ہی اس نے نظریں پھیر لیں۔ مگر دل دلیلیں اور وجوہات نہیں سمجھتا تھا۔ وقفے وقفے سے اس کی نگاہ پھر اسی طرف اٹھ جاتی۔

پچھلے کئی برسوں میں جیسے وہ اس کے ہر انداز کو حفظ کر چکا تھا۔ اس کے مسکرانے کا انداز، گفتگو کرنے کا طریقہ۔ سب کچھ۔

وہ اس کی معمولی سی حرکت سے بھی اندازہ لگا لیتا تھا کہ اس کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔

وہ اس طرح اسے دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر عتیقہ کے قدموں کے قریب سرکتی ایک سیاہ چیز پر پڑی۔

ایک سانپ۔

یاقوت کو زیادہ سوچنے کا موقع نہیں ملا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

''شہزادی!''

اس نے عتیقہ کو پکارتے ہوئے انہیں اپنی طرف کھینچ لیا، اور اگلے ہی لمحے پھرتی سے خنجر نکال کر سانپ کے سر میں پیوست کر دیا۔

سانپ زمین پر تڑپنے لگا۔

عتیقہ کا ہاتھ بے اختیار یاقوت کے بازو پر آ گیا تھا۔

یاقوت چند لمحے اسی طرح سانپ کو دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ بالکل ساکت ہو گیا۔

تب اس کی نظر عتیقہ پر پڑی۔

اور ٹھہر گئی۔

اس نے پہلی بار اسے اتنے قریب سے دیکھا تھا۔

وہ سانس لینا تک بھول گیا۔

سب کہتے تھے کہ ترک سلطنت کی سب سے حسین شہزادی عتیقہ سلطان ہیں اور یاقوت نے کبھی اس بات سے انکار نہیں کیا تھا۔

سیاہ آنکھیں۔۔۔دراز پلکیں۔۔۔اور گال میں پڑتا گہرا گڑھا۔

وہ واقعی بے حد خوبصورت تھی۔

چند لمحے اسی طرح گزر گئے۔

پھر یاقوت آہستگی سے ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''معذرت، شہزادی۔''

اس نے نرمی سے کہا اور سر جھکا لیا۔

عتیقہ نے ایک لمحہ اسے دیکھا۔ پھر زمین پر پڑے مردہ سانپ کو۔

''شکریہ، یاقوت۔''

وہ دھیرے سے بولی۔

''تم نے بہادری دکھائی ہے۔''

اس نے ایک بار پھر اس پر نظر ڈالی۔

بھوری آنکھیں اور ہلکی بھوری داڑھی اس کے چہرے پر خوب جچ رہی تھی۔

''شہزادی، والدہ سلطان آپ کو بلا رہی ہیں۔''

سنوبَر کالفا نے قریب آ کر کہا۔

''ہاں، آ رہی ہوں۔''

عتیقہ نے جواب دیا۔

پھر اس نے ایک آخری نظر یاقوت پر ڈالی۔

وہ اب بھی سر جھکائے کھڑا تھا۔

اور پھر وہ مڑ کر محل کی طرف بڑھ گئی۔

تاہم اس کے ذہن میں بہت سے خیالات تھے۔ یہ پہلی بار نہیں تھا جب یاقوت نے اسکی جان بچائی تھی۔ انکی ملاقات جب بھی ہوئی تھی اسی طرح کے حالات میں ہوئی تھی۔ وہ اسکے بھائی کا قریبی دوست تھا اسکے بھائی کا دایاں بازو۔ وہ اسے اچھا لگتا تھا اور بات اب اچھے لگنے سے آگے بڑھ رہی تھی۔ کم از کم عتیقہ کی جانب سے تو ایسا ہی تھا۔ یاقوت کے دل میں کیا تھا اسے معلوم نہیں۔

\-------------------

وسیع میدان میں غیر معمولی گہما گہمی تھی۔ ہر طرف لوہے کی ٹکرانے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ بھٹیاں دہک رہی تھیں اور ان میں نئی تلواریں اور توپیں تیار کی جا رہی تھیں۔

سکندر ان دنوں ٹرانسلوانیا کو فتح کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ وہ جلد از جلد ٹرانسلوانیا کو فتح کر کے شہزادی کو اسکے ملک بھیجنا چاہتا تھا۔ نئی تلواریں بنائی جارہی تھیں، توپوں کو مضبوط کیا جارہا تھا اور نئی چھریوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ صرف یہی نہیں، انہیں بہترین تلوار بازی اور جنگی حکمتِ عملی بھی سکھائی جارہی تھی۔

وہ وقفے وقفے سے خود آکر تیاریوں کا جائزہ لیتا تھا۔

آج بھی وہ انہی کے درمیان کھڑا تھا۔ اس کی نگاہیں سامنے رکھی تلواروں اور توپوں پر گھوم رہی تھیں۔ اس نے ایک تلوار اٹھائی اور اسے اپنے بازو پر رکھ کر غور سے دیکھنے لگا۔ اس نے تلوار کے کنارے کو چھو کر دیکھا۔

چند لمحے بعد اس نے تلوار نیچے کر دی۔

''اس کی دھار کم ہے، لالا! اسے مزید بہتر کریں۔''

وہ اپنے قریب کھڑے محمت پاشا سے مخاطب ہوا۔

محمت پاشا نے حیرت سے تلوار کو دیکھا۔

''میرے آقا! یہ سب سے زیادہ تیز تلوار ہے۔ کیا آپ کو اس سے بھی زیادہ تیز تلوار چاہیے؟''

سکندر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

''جی لالا۔ مجھے اس سے بھی زیادہ تیز تلوار چاہیے۔''

اس کی آواز میں عزم تھا۔

''اتنی تیز۔۔۔ کہ میں ایک ہی لمحے میں کئی دشمنوں کے دل چیر سکوں۔''

یہ کہہ کر اس نے تلوار واپس رکھ دی اور آگے بڑھ کر باقی ہتھیاروں کا جائزہ لینے لگا۔

اسی دوران یاقوت خاموشی سے اس کے قریب آیا۔

''میرے آقا! شکار سرائے سے مکتوب آیا ہے۔''

اس نے خط سکندر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

سکندر نے خط تھام لیا۔

اب اس کی نگاہیں تحریر پر دوڑ رہی تھیں۔

پورا مکتوب پڑھنے کے بعد وہ چند لمحوں تک خاموش کھڑا رہا۔

''شہزادی ملاقات چاہتی ہیں۔'' وہ خود سے مخاطب تھا۔

وہ مڑا اور باہر چلا گیا۔

اس نے اپنے پسندیدہ سیاہ گھوڑے کی پشت پر محبت سے ہاتھ پھیرا، پھر ایک پھرتیلے انداز میں اس پر سوار ہو گیا۔

چند ہی لمحوں بعد گھوڑا تیزی سے راستوں پر نکل چکا تھا۔

سکندر اب شکار سرائے کی طرف جا رہا تھا۔

وہ کسی کے پکارنے پر فوراً کبھی نہیں جاتا تھا مگر نا جانے کیوں وہ اس کے بلانے پر فوراً جا رہا تھا۔

ٹھنڈی ہوا کھڑکی کے پردوں کو ہلکا ہلکا ہلا رہی تھی۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑی باہر پھیلے جنگل کو دیکھ رہی تھی۔ شکار سرائے آئے اسے کئی دن گزر چکے تھے۔

یہ جگہ خوبصورت تھی، مگر اس کے لیے کسی قید سے کم نہ تھی۔ سکندر نے اس کی حفاظت کے لیے حکم دیا تھا کہ وہ شکار سرائے سے باہر نہیں جائے گی، سوائے باغیچے کے۔ اس عمارت میں اس کے اور لارا کے علاوہ صرف محافظ تھے۔ کوئی ہم صحبت نہیں، کوئی مشغلہ نہیں۔ اس کا زیادہ تر وقت اسی کھڑکی کے پاس گزرتا تھا۔ اور انہی لمحوں میں اس کے ذہن میں دو نام بار بار آ جاتے۔

سٹیفن اور سکندر

وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ کیوں ان دونوں کا موازنہ کرنے لگتی تھی۔

چند دن پہلے اسے فیرنیک کی موت کی خبر ملی تھی۔اس خبر نے اس کے دل کو مزید بوجھل کر دیا تھا۔مگر سٹیفن کے بارے میں اب تک کوئی خبر نہیں ملی تھی۔

وہ زندہ تھا یا مر چکا؟ اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔

اسی سوچ میں گم وہ کھڑکی کے پاس کھڑی تھی کہ اچانک گھوڑوں کے قدموں کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

وہ چونک کر جھکی اور نیچے دیکھا۔

نیچے سکندر اپنے سیاہ شاہی گھوڑے پر سوار تھا۔

وہ گھوڑے سے اترا۔

ایک لمحے کے لیے اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

ان کی نظریں ٹکرائیں۔

پھر وہ خاموشی سے اندر چلا گیا۔

الیگزینڈرا نے فوراً کھڑکی سے رخ موڑ لیا اور دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔وہ ترک لباس پہننے لگی تھی۔شاید اس لئے کہ سکندر کے سامنے وہ دوسرا لباس نہیں پہن سکتی تھی۔یا اس لئے کہ وہ لباس اسے خود بھی معیوب لگنے لگا تھا۔

چند ہی لمحوں بعد دروازہ کھلا۔

سکندر اندر داخل ہوا۔

اس کے قدم ہمیشہ کی طرح پُرسکون اور باوقار تھے۔

''کیسی ہیں آپ؟''

وہ صوفے کی طرف بڑھا۔

کافی دنوں بعد وہ اس سے مل رہا تھا، اس لیے اس کی آواز میں غیر محسوس سی نرمی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔''

الیگزینڈرا کا جواب مختصر تھا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔

''یہاں کوئی تنگی تو نہیں آپ کو؟'' سکندر اب صوفے پر براجمان تھا۔

''نہیں۔''

وہ اب بھی کھڑی تھی۔

سکندر نے چند لمحے اسے دیکھا۔

''آپ نے مکتوب بھیجا تھا۔کوئی خاص وجہ؟''

الیگزینڈرا نے گہری سانس لی۔

''کیا ہم باہر چل کر بات کر سکتے ہیں؟''

وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

پھر آہستہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

دروازے تک جا کر اس نے دستک دی اور ایک طرف ہٹ گیا۔آج تک سکندر سے آگے کوئی نہیں چلا تھا کسی کو اجازت نہیں تھی۔مگر وہ اسے پہلے نکلنے کی اجازت دے رہا تھا۔دروازہ کھلا تو وہ باہر چلی گئی۔

چند لمحوں بعد وہ دونوں شکار سرائے سے باہر جنگل کے راستے پر چل رہے تھے۔

راستے کے دونوں طرف گھنے درخت تھے اور ہوا میں مٹی اور پتوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

کافی دیر تک دونوں خاموش رہے۔

پھر سکندر نے خاموشی توڑی۔

''آپ نے صرف چہل قدمی کے لیے تو مجھے نہیں بلایا ہوگا۔''

الیگزنڈر انے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے ایک مدد چاہیے تھی۔''

وہ رک گیا۔

''کس قسم کی مدد؟''

الیگزینڈرا نے نظریں جھکا لیں۔

''کیا آپ میرے لیے ایک شخص کو تلاش کر سکتے ہیں؟''

''کون؟''

''سٹیفن۔۔۔سٹیفن راکوزی۔''

سکندر کے قدم رک گئے۔

''آپ ٹرانسلوانیا کے شہزادے کو تلاش کرنا چاہتی ہیں؟''

''جی، میں جاننا چاہتی ہوں۔ وہ زندہ ہے یا نہیں۔ اور اگر زندہ ہے تو کہاں۔''

کچھ لمحے خاموشی رہی۔

''کوئی خاص شخص ہے؟'' سکندر نا جانے کیوں پوچھ رہا تھا۔

الیگزینڈرا کی آواز مدھم ہوگئی۔

''ہم چرچ میں تھے۔ ہماری شادی ہونے والی تھی۔''

وہ چند لمحے کے لیے خاموش ہوگئی۔

''پھر حملہ ہوگیا۔'' اس دن کے مناظر اسکے سامنے آئے۔ اسکا ہاتھ چھوڑنا، اسکے بابا کا واپس جانا۔ سب

کچھ۔

سکندر نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''چرچ میں جتنے لوگ تھے۔سب مارے گئے تھے۔میرا نہیں خیال وہ زندہ ہوگا۔''

''وہ چرچ میں نہیں تھا۔'' الیگزینڈرا نے فوراً کہا، ''حملہ ہوتے ہی وہ باہر نکل گیا تھا۔ممکن ہے زندہ ہو۔''

سکندر کے لبوں پر ایک ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ آئی۔

''یعنی وہ آپ کو وہاں چھوڑ کر بھاگ گیا؟''

الیگزنڈرا اسکی بات پر خاموش رہی۔

''اور آپ اب بھی اسے تلاش کرنا چاہتی ہیں؟''

''وہ مجھ سے محبت کرتا تھا اور میں بھی۔'' الیگزینڈرا کو اسکی مسکراہٹ بری لگی۔

سکندر کی آنکھوں میں عجیب سی چمک آئی۔

''میں مہر لگا کر دے سکتا ہوں، وہ آپ سے محبت نہیں کرتا تھا۔محبت چھوڑیں اس کے دل میں آپ کیلئے کوئی جذبہ بھی نہیں تھا۔اگر وہ محبت کرتا تو یوں بھاگتا نہیں۔''

''موت سامنے تھی کوئی بھی ہوتا ایسا ہی کرتا۔'' الیگزنڈرا نے ایک بار پھر دفاع کیا۔

سکندر اچانک رک گیا۔

وہ بھی رک گئی۔

اب وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''ہرگز نہیں۔'' سکندر کی آواز بلند تھی۔

وہ ایک قدم قریب آیا۔ان کے درمیان اب بھی کافی فاصلہ تھا۔

''میں تو نہیں کرتا۔''

اس کی آواز میں عجیب سا یقین تھا۔

''اگر میرے قریب میری مستقبل کی سلطانہ کھڑی ہوتی اور ایسے حالات پیش آجاتے، تو میں اسے چھوڑ کر بھاگنے کے بجائے اس کی حفاظت کرتے ہوئے مرنا پسند کرتا۔''

چند لمحوں کے لیے فضا خاموش ہوگئی۔

وہ سٹیفن کے خلاف دلیل لے کر آچکا تھا اور مضبوط دلیل۔ وہ کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ کیا واقعی وہ صرف بات کر رہا تھا یا وہ واقعی ایسا ہی کرتا؟ وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

پھر اچانک۔۔۔

ایک تیر آکر سکندر کے بازو میں پیوست ہوگیا۔

الیگزینڈرا کی سانس رک گئی۔ مگر سکندر نے پرواہ تک نہ کی۔ اس نے فوراً اسے ایک درخت کے پیچھے ہونے کا اشارہ کیا اور خود دوسرے درخت کے پیچھے چلا گیا۔

تیر ان کی طرف آرہے تھے مگر وہ محفوظ تھے۔ جب تیروں کی بارش تھمی تو درختوں کے درمیان سے نقاب پوش نکل آئے۔ ان کی تعداد کافی تھی۔ مگر سکندر کے چہرے پر خوف نہیں تھا۔ صرف ایک سرد عزم تھا۔

اسکے دائیں جانب الیگزنڈرا کھڑی تھی۔ اسکے ایک ہاتھ میں شاہی خنجر اور دوسرے میں وہ تلوار کو گھما رہا تھا۔ اسنے الیگزنڈرا کو ایک طرف جانے کا اشارہ کیا اور خود وہیں کھڑا رہا۔ وہ سب ایک ساتھ اسکی طرف بڑھے۔ اسکی تلوار تیزی سے چل رہی تھی۔ ایک ایک کر کے دشمن گرتے جا رہے تھے۔

الیگزینڈرا نے پہلی بار اسے لڑتے دیکھا تھا۔ وہ کسی طوفان کی طرح لڑ رہا تھا۔ وہ مرد تھا حفاظت کرتے ہوئے خوبصورت لگ رہا تھا۔ وہ آج اسے سٹیفن سے زیادہ خوبصورت لگ رہا تھا۔ اسکے دل کے کسی چھوٹے سے کونے نے اقرار کیا تھا۔ اسی دوران ایک نقاب پوش پیچھے سے الیگزینڈرا کی طرف بڑھا۔

سکندر نے خنجر اس کی طرف پھینکا۔ وہ گھبرا گئی، مگر خنجر اس کے پاس سے گزرتا ہوا سیدھا اس شخص کے سینے

میں جالگا۔

وہ لڑتے لڑتے اس کی حفاظت بھی کرر ہاتھا۔

اسی لمحے کسی نے الیگزینڈرا کا ہاتھ پکڑلیا۔

وہ چونک گئی۔

ایک نقاب پوش اسے لے کر جانے کی کوشش کرر ہاتھا۔ادھر سکندر نے آخری دشمن کو گرا کرادھر دیکھا۔

اور پھر وہ برق رفتاری سے اس کی طرف لپکا۔اسنے الیگزنڈرا کا ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ایک ہی وار میں اس نے اس آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا۔

اگلے ہی لمحے اس کی تلوار اس کی گردن پر تھی۔

''کس نے بھیجا تمہیں؟''

اس کی آواز سخت تھی۔

''میں فقط ایک ڈاکو ہوں۔مجھے جانے دو۔۔۔۔میں۔۔''

اس سے پہلے کہ وہ جملہ پورا کرتا،تلوار اس کی گردن سے گزر گئی۔

خون کے چھینٹے سکندر کے چہرے پر آ گرے۔وہ کچھ دیر اسی طرح کھڑا رہا پھر پلٹا،اسکا رخ اور چہرا اب الیگزنڈرا کی طرف تھے۔

الیگزینڈرا بے اختیار اس کی طرف بڑھی۔

اس نے اپنا سفید رومال نکالا اور اس کا چہرہ صاف کرنے لگی۔

مگر سکندر فوراً ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

اس نے نرمی سے اس کے ہاتھ سے رومال لے لیا۔

''میں مسلمان ہوں۔''

وہ آہستہ سے بولا۔

''اسلام اجازت نہیں دیتا۔''

اس وقت تک یاقوت وہاں پہنچ چکا تھا۔

''میرے آقا! آپ ٹھیک ہیں؟''

اس نے گھبرا کر پوچھا۔

سکندر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ دونوں بازو پھیلا دیے۔

''تمہیں کیسا لگ رہا ہوں، یاقوت؟''

یاقوت نے فوراً اسے گلے لگالیا۔ یاقوت بچپن سے اسکے ساتھ تھا، دونوں کا بچپن ساتھ میں گزرا تھا۔ ایک عرصہ پہلے جب وہ محل میں آیا تھا تو بیاضت خان نے اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ جب تک محل میں رہے گا سکندر کی حفاظت کرے گا اور پھر یاقوت نے عمر بھر اس عہد کو نبھانے کی ٹھان لی۔ سکندر نے ایک دن جب اسے آزاد کرنے کی بات کی تو وہ دکھی ہو گیا۔ اسے سکندر کی غلامی آزادی سے زیادہ عزیز تھی۔

اچانک اس کا ہاتھ سکندر کی پشت پر گیا اور وہ چونک اٹھا۔

''آقا! آپ زخمی ہیں!''

''چھوٹا سا زخم ہے۔''

سکندر نے لاپرواہی سے کہا۔

پھر اس نے مڑ کر الیگزینڈرا کی طرف دیکھا۔

''یاقوت! انہیں شکار سرائے واپس لے جاؤ۔''

یہ کہہ کر وہ گھوڑے پر سوار ہوا۔

اور چند ہی لمحوں میں وہ سپاہیوں کے ساتھ محل کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔

”اللہ اللہ میں چار سے بیک وقت نہیں لڑ سکتا وہ اتنوں سے لڑ گئے۔“ اسکی بات پر بزرگ ہنس پڑا۔

”وہ ایسا ہی تھا کمال، بہادر اور دلیر۔ اسکے قصے سنو تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔“

”میں اسکے بعد اسکے قصے بھی سننا چاہوں گا۔“ بزرگ نے سر ہاں میں ہلایا اور دوبارہ آغاز کیا۔

”ویسے بات کا پکا تھا۔ ہاتھ اور ساتھ نہیں چھوڑا اس نے۔“ سکندر کی داد پر بزرگ خاموش رہا۔ جو بزرگ جانتا تھا سکندر وہ کہاں جانتا تھا۔

کمرے میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔

دیواروں پر لٹکتے مشعل دانوں کی مدھم روشنی سنگِ مرمر کی دیواروں پر لرز رہی تھی۔

سکندر خاموشی سے کھڑا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے حکیم اس کے بازو پر مرہم لگا کر گیا تھا۔ زخم پر بندھی پٹی کے نیچے ہلکی سی جلن باقی تھی مگر اس کے چہرے پر اس تکلیف کا کوئی اثر نظر نہیں آتا تھا۔ وہ آہستگی سے اپنا سیاہ کافتان سیدھا کرتے ہوئے اس کے بٹن بند کر رہا تھا۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔

”آجاؤ۔“ سکندر نے مختصر سا کہا۔

دروازہ کھلا اور آغا اندر داخل ہوا۔

”آقا! والدہ سلطان تشریف لائی ہیں۔“

سکندر نے سر ہلا کر اجازت دی۔

اگلے ہی لمحے تورہان سلطان تیز قدموں سے اندر آئیں۔ ان کے چہرے پر واضح پریشانی تھی۔

سکندر فوراً آگے بڑھا، احترام سے ان کا ہاتھ تھاما اور جھک کر اسے چوما۔

”سکندر! تم ٹھیک ہو نا؟“

تورہان نے بےچینی سے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ ''مجھے ابھی مرجان نے بتایا کہ تم زخمی ہو گئے ہو۔'' ان کے لہجے میں وہی فکرمندی تھی جو ایک ماں کو اپنے بیٹے کے لیے ہوتی ہے۔

''والدہ!''

سکندر نے نرمی سے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

''میں ٹھیک ہوں۔ بس ایک چھوٹا سا زخم تھا۔''

''چھوٹا سا؟'' تورہان کی آواز میں خفگی آ گئی۔

''سکندر، تمہیں تیر لگا تھا۔ خون بہہ رہا تھا اور تم اسے چھوٹا سا زخم کہہ رہے ہو؟''

سکندر ہلکا سا مسکرایا۔

''والدہ! سکندر مرزا کے لیے یہ واقعی چھوٹا سا زخم ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ آپ کا بیٹا کمزور نہیں ہے۔''

یہ کہتے ہوئے وہ آہستہ آہستہ کمرے سے نکل کر دالان کی طرف بڑھنے لگا۔

اسی وقت دروازہ دوبارہ کھلا اور ابراہیم تیزی سے اندر داخل ہوا۔

''سکندر!''

اس کی آواز میں صاف گھبراہٹ تھی۔ وہ فوراً آگے بڑھا اور سکندر کے دونوں کندھے مضبوطی سے تھام لیے۔

''تم ٹھیک ہو نا؟ ابھی ابھی مجھے۔۔۔۔''

''سلطانِ معظم کہو۔''

تورہان سلطان کی سخت آواز نے اس کی بات کاٹ دی۔

ابراہیم ایک لمحے کو رک گیا۔ اس کی نظریں تورہان سلطان پر گئیں جو اسے سرد اور نفرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

وہ فوراً ایک قدم پیچھے ہٹا اور ادب سے سر جھکا لیا۔

کمرے میں لمحہ بھر کے لیے عجیب سی خاموشی چھا گئی۔

سکندر نے تورہان کی نگاہوں کو نظر انداز کیا اور آگے بڑھ کر ابراہیم کو گلے لگا لیا۔

ان کی ماؤں کے درمیان چاہے کتنی ہی دشمنی کیوں نہ تھی ان دونوں کی محبت پر اس کا کبھی اثر نہیں پڑا تھا۔

ابراہیم کے دل میں تورہان کے لیے نفرت ضرور تھی، مگر وہ ہمیشہ ان کا ادب کرتا تھا۔ بالکل ویسے ہی جیسے مراد اور سکندر کرتے تھے۔

''میں ٹھیک ہوں، ابراہیم۔''

پھر سکندر نے مڑ کر تورہان کی طرف دیکھا جو اسکی حرکت پر غصہ تھیں۔

''والدہ، آپ کو کچھ کہنا تھا؟''

تورہان نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں۔''

''تو پھر میں اور ابراہیم دالان میں جا رہے ہیں۔''

یہ کہہ کر سکندر ابراہیم کے ساتھ باہر نکل گیا۔

تورہان سلطان وہیں کھڑی انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔

ان کے دل میں غصے کی ایک لہر اٹھتی تھی جب بھی وہ سکندر اور ابراہیم کے درمیان وہ قربت دیکھتی تھیں۔۔۔۔ وہی قربت جسے وہ ہمیشہ مراد اور سکندر کے درمیان دیکھنا چاہتی تھیں۔

انہوں نے اپنی مٹھی بھینچی، غصہ ضبط کیا اور خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

دالان میں ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔

سکندر اور ابراہیم آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے۔

کچھ لمحے خاموشی رہی، پھر سکندر نے سنجیدگی سے کہا۔

''ایبو! مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

''حکم کریں، سلطانِ معظم۔''

ابراہیم نے احترام سے جواب دیا۔

''میں چاہتا ہوں تم پتہ لگاؤ کہ آج مجھ پر اور شہزادی پر حملہ کرنے والے لوگ کون تھے۔''

ابراہیم کا جھکا ہوا سر اچانک اٹھا۔

''آپ۔۔۔شہزادی کے ساتھ تھے؟''

سکندر نے ایک نظر اس پر ڈالی۔

''وہ مجھ سے ملنا چاہتی تھیں۔ کسی شخص کو تلاش کروانا چاہتی ہیں۔ اسی لیے گیا تھا۔''

ابراہیم کے ہونٹوں پر ایک دبی دبی مسکراہٹ آئی، مگر اس نے فوراً چہرہ سنبھال لیا۔

''ایبو، میں سنجیدہ ہوں۔''

''جی۔۔۔سلطانِ معظم۔''

ابراہیم نے سر جھکا دیا۔

''میں ابھی پتہ کرواتا ہوں اور جیسے ہی کچھ معلوم ہوا آپ کو آ کر بتا دوں گا۔''

کچھ لمحے گزرے۔

پھر سکندر نے نرمی سے اسے دیکھا۔

''ایبو!''

''جی؟''

''تمہیں والدہ کی بات کا برا تو نہیں لگا؟ تم جیسے چاہو مجھے مخاطب کر سکتے ہو۔''

یہ کہتے ہوئے سکندر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

ابراہیم کی آنکھوں میں ہلکی سی نرمی اتر آئی۔

''سلطانِ معظم! مجھے آپ سے اس قدر محبت ہے کہ آپ سے جڑے کسی شخص کی بات بھی بری نہیں لگتی۔ جو شخص آپ کے لیے قیمتی ہے، وہ میرے لیے بھی قیمتی ہے۔''

دنیا کا ہر شخص سکندر کو دھوکہ دے سکتا تھا۔

مگر ابراہیم حان نہیں۔

کبھی نہیں۔

سکندر کی زندگی میں ایک شخص ایسا تھا جس پر اسے سب سے زیادہ بھروسہ تھا اور وہ ابراہیم تھا۔

یہ بھروسہ آج کا نہیں تھا۔

یہ بچپن سے تھا۔

بہت سے واقعات تھے، بہت سی یادیں۔

سکندر کو وہ دن یاد تھا جب ابراہیم نے بیاضت خان کے خلاف کھڑے ہو کر جلاد کے ہاتھوں سے اسے بچایا تھا۔

وہ ہمیشہ ہر قدم پر اس کے ساتھ کھڑا رہتا تھا۔

وہ ایسا شخص تھا جو ساتھ دینے سے پہلے انجام نہیں سوچتا تھا۔

وہ بس ساتھ دیتا تھا۔

سکندر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

اسے کبھی ڈر نہیں لگتا تھا۔

کیونکہ اس کے پیچھے ابراہیم حان کھڑا تھا۔

پچھلے کئی سالوں میں جب ابراہیم اس کے پاس نہیں تھا۔

تو سکندر اکثر ڈر جاتا تھا۔

کبھی جب کوئی رات کو اس کے کمرے کے باہر سے گزرتا۔

کبھی جب محل کی راہداریوں میں سرگوشیاں سنائی دیتیں۔

مگر اب؟

اب جب ابراہیم اس کے پاس تھا۔

تو اسے یقین تھا، دنیا کی کوئی طاقت اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

''مراد نے کیا کیا؟ وہ آخر کچھ سوچ رہا تھا۔سکندر کا تجسس بزرگ کو زچ کر رہا تھا۔

''بتاتا ہوں۔'' وہ بڑی مشکل سے خود کو پرسکون کر رہے تھے۔

کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

صرف آتشدان میں جلتی لکڑی کی مدھم سرخی دیواروں پر پرچھائیاں ڈال رہی تھی۔

الیگزینڈرا گہری نیند میں تھی کہ اچانک اسے کسی ہلکی سی آہٹ کا احساس ہوا۔

جیسے کسی کے قدم آہستگی سے پتھر کے فرش کو چھو رہے ہوں۔

اس کی آنکھیں فوراً کھل گئیں۔

وہ چند لمحے ساکت لیٹی رہی۔ پھر اچانک اٹھ بیٹھی۔

کوئی اس کے بستر کے پاس کھڑا تھا۔

اندھیرے کی وجہ سے چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا، مگر دو نیلی آنکھیں تاریکی میں عجیب سی چمک کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھیں۔

اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔

وہ گھبرا کر تھوڑا پیچھے ہٹی۔

وہ شخص آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔قدم اتنے نرم کہ جیسے زمین کو چھو بھی نہ رہے ہوں۔

الیگزینڈرا کی سانسیں تیز ہو گئیں۔

پھر وہ اس کے بالکل قریب آ کر رک گیا۔

''ہاتھ بہت چلتے ہیں تمہارے۔۔۔شہزادی۔''

اس کی آواز دھیمی، سرد اور عجیب حد تک پُرسکون تھی۔

الیگزینڈرا ساکت بیٹھی رہی۔

کمرے میں چند لمحوں کے لیے مکمل خاموشی چھا گئی۔

پھر وہ شخص مڑا اور خاموشی سے کمرے کے دوسرے حصے کی طرف بڑھ گیا۔

آتشدان میں لکڑی جل رہی تھی۔

اس نے آہستگی سے جھک کر ایک جلتی ہوئی لکڑی اس کے پچھلے سرے سے اٹھا لی۔

سرخ انگاروں کی روشنی نے ایک لمحے کو اس کے ہاتھ کو روشن کیا۔

الیگزینڈرا کے دل میں خوف کی ایک سرد لہر دوڑ گئی۔

وہ ابھی تک اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی تھی۔

خوف جیسے اس کے جسم کو جکڑ چکا تھا۔

کوئی رات کے اس پہر اس کے کمرے میں گھس آیا تھا۔

اور مرزا کہتا تھا کہ وہ محفوظ ہے۔

وہ صرف اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ شخص اب آتشدان سے جلتی لکڑی ہاتھ میں لیے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''ہاں۔۔۔ہاتھ بہت چلتے ہیں نا تمہارے؟''

اگلے ہی لمحے اس نے الیگزینڈرا کا دایاں ہاتھ جھٹکے سے پکڑ لیا۔

اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اس کی کلائی پر فوراً سرخ نشان ابھر آئے۔

پھر۔۔۔جلتی ہوئی لکڑی کا سرخ انگارہ اس کی ہتھیلی سے لگا دیا گیا۔

جلنے کی بو پھیل گئی۔

الیگزینڈرا کی آنکھیں خوف اور درد سے پھیل گئیں۔

وہ چیخنا چاہتی تھی۔

مگر اس شخص نے فوراً دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔

اس کی چیخ گلے ہی میں گھٹ کر رہ گئی۔

اس کی آنکھوں سے گرم آنسو بہنے لگے۔جو گالوں پر لڑھک کر بستر پر گر رہے تھے۔

جلتا ہوا انگارہ اس کی ہتھیلی کو بری طرح جھلسا چکا تھا۔

چند لمحوں بعد اس شخص نے لکڑی کو واپس آتشدان کی طرف پھینک دیا۔

پھر وہ مڑا اور ایک لمحہ اسے دیکھتا رہا۔

الیگزینڈرا تقریباً نیم بے ہوش حالت میں بستر پر بیٹھی تھی اس کا جلا ہوا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

اگلے ہی لمحے وہ شخص کھڑکی کی طرف بڑھا۔

اور بغیر کسی آواز کے کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا کر غائب ہو گیا۔

کمرے میں صرف آتشدان کی مدھم روشنی باقی رہ گئی تھی۔

اور بستر پر بیٹھی الیگزینڈرا۔۔۔جو شدید درد اور خوف سے تقریباً بے ہوش ہو چکی تھی۔

وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ زخمی ہونے کی وجہ سے اسے آرام کا کہا گیا تھا اور وہ دوا لے کر سو گیا تھا۔ دروازے کے پاس مسلسل سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔ سرگوشیوں نے اس کی نیند میں خلل ڈالا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ماتھے پر بال بکھرے تھے، سفید ڈھیلا کُرتہ اور پاجامے میں ملبوس، وہ دروازے کی جانب بڑھا۔

اس نے تیزی سے دروازہ کھولا۔ ''یاقوت، کیا ہو رہا ہے؟ کوئی مسئلہ ہے؟'' اس نے سامنے کھڑے یاقوت سے پوچھا۔

''میرے آقا، شکارسرائے میں آگ لگ گئی ہے۔'' یاقوت نے فوراً جواب دیا۔

سکندر کی نیم کھلی آنکھیں مکمل کھل گئیں۔ اس کے ذہن میں فوراً شہزادی کا خیال آیا۔ ''شہزادی۔۔۔ شہزادی کیسی ہیں؟'' اس نے بے صبری سے پوچھا۔

''میرے آقا شہزادی تو ٹھیک ہیں مگر وہ ہوش میں نہیں ہیں۔ وہ ابھی بھی وہیں ہیں!'' یاقوت نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

سکندر فورا کمرے میں واپس گیا۔ کچھ دیر بعد جب وہ کمرے سے باہر نکلا تو سیاہ کفتان پہنے ہوئے تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر شکارسرائے کی جانب بڑھا۔ آج تک اس نے اتنی تیزی سے گھوڑا نہیں دوڑایا تھا۔

شکارسرائے پہنچا تو آگ تقریباً بجھ چکی تھی۔ باغیچے میں لارا شہزادی کو تھامے بیٹھی تھی، جبکہ شہزادی بے ہوش تھی۔

سکندر فوراً ان کے قریب پہنچا۔ ''شہزادی ٹھیک ہیں؟'' اس نے آہستہ اور فکری لہجے میں پوچھا۔

الیگزینڈرا نے نیم کھلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''ایسے حفاظت کرتے ہیں آپ؟ یہ ہوتی ہے حفاظت؟''

اس لمحے سکندر کو شدید شرمندگی محسوس ہوئی۔ وہ وہاں کھڑا رہا، پھر یاقوت کی طرف اشارہ کر کے آگ کی وجہ معلوم کرنے کے لیے پیچھے ہٹ گیا۔

''یہ آگ کیسے لگی؟ جس کی بھی غلطی ہے، مجھے شکار سرائے میں نہیں چاہیے!'' غصے سے اسکا چہرا سرخ ہو چکا تھا۔ ''شہزادی کو فورا محل لے کر جاؤ۔ حفاظت کے ساتھ۔ طبیبہ کو بلوا کر علاج کرواؤ۔'' یاقوت کو حکم دے کر وہ خود کافی دیر شکار سرائے کے سامنے کھڑا رہا۔

''ایسے کرتے ہیں آپ حفاظت؟'' الیگزنڈرا کی آواز اسکے کانوں میں گونج رہی تھی۔

محل پہنچ کر طبیباؤں کو شہزادی کے کمرے میں بھجوا دیا گیا تھا۔ جب اسکی حالت کچھ سنبھلی تو یاقوت نے اس سے حادثے کے متعلق معلومات دریافت کی۔ وہ اسے اپنے کمرے میں داخل ہونے والے شخص کے متعلق بتا رہی تھی۔

''میں اسکا چہرا نہیں دیکھ سکی اس نے سیاہ نقاب پہن رکھا تھا، مگر اسکی آنکھیں، اسکی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ انکا رنگ نیلا تھا۔'' وہ بہت مشکل سے سوچتے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔ یاقوت ایک لمحے کو حیران رہ گیا۔ اسکا ذہن سب سے پہلے کس کی جانب گیا تھا وہاں موجود کوئی نہیں جانتا تھا۔

''ٹھیک ہے شہزادی آپ آرام کریں میں آقا کو معلومات دے دوں گا۔''

یہ کہتا یاقوت کمرے سے باہر چلا گیا۔ تیز قدم اٹھاتا وہ سلطان کے کمرے میں اجازت لے کر داخل ہوا۔ سارا واقعہ جیسے شہزادی نے اسے بتایا تھا اس نے سلطان کو سن دیا۔

''کس کی اتنی جرأت کہ وہ شکار سرائے میں سلطنت کی مہمان پر حملہ کرے؟ ایک بار وہ شخص ہاتھ لگے ایسی موت دوں گا کہ ساری زندگی کوئی میری کسی عمارت کے گرد بھی نہیں بھٹکے گا۔'' سکندر کو غصہ آ رہا تھا۔ آنا ہی تھا۔ اگر شہزادی کو کچھ ہو جاتا تو یہ بات نہ صرف سکندر بلکہ سلطنت کیلئے شرمندگی کا باعث بنتی۔

''یاقوت ہر حال میں اس شخص کو تلاش کرو۔ مجھے وہ شخص کسی قیمت پر بھی چاہیئے۔'' وہ غصے سے چلاتا ادھر ادھر چکر لگا رہا تھا۔ یاقوت فوراً سر جھکا کر باہر چلا گیا۔ اس شخص کی تلاش میں وہ اب سپاہیوں کو ذمہ داریاں سونپ چکا تھا۔ شکار سرائے کے چاروں طرف لوگ سراغ تلاش کرنے پر مامور کیئے جا چکے تھے۔

''سکندر! تم پھر اُس شہزادی کو یہاں لے آئے ہو!''

رات کے اس پہر جبکہ پورا محل خاموش تھا، والدہ سلطان کی آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔

اس لمحے وہ صرف سکندر کی ماں نہیں تھیں، وہ بیاضت خان کی سلطانہ تھیں۔ وہ جنکی آواز پر بڑے بڑے وزرا خاموش ہو جاتے تھے۔

سکندر خاموشی سے اُن کے سامنے کھڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ پشت کے پیچھے بندھے ہوئے تھے۔

''والدہ! میں جو مناسب سمجھوں گا، وہی کروں گا۔'' اسکی آواز انتہائی نرم تھی۔

اس لمحے وہ بھی محض تورہان کا بیٹا نہیں تھا، بلکہ سلطان بیاضت خان کا جانشین، تین براعظموں کا حکمران سکندر مرزا تھا۔

''میں تم سے کہہ چکی ہوں سکندر، میں اُسے حرم میں رہنے نہیں دوں گی۔'' تورہان کی آواز سخت تھی۔

کمرے میں ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔

''والدہ! میں نے آپ کی ضد پر شہزادی کو شکار سرائے بھجوایا۔ پورا ایک ہفتہ وہیں رکھا میں نے۔ لیکن آپ جانتی ہیں کہ اس حادثے کے بعد نہ تو میں اُنہیں وہاں بھیجوں گا اور نہ ہی آپ کو بھیجنے دوں گا۔''

وہ ایک لمحہ رکا، پھر آہستہ مگر واضح لہجے میں بولا،

''مجھے حرم کے معاملات میں مت الجھائیں۔ سلطنت کے معاملات ویسے ہی مجھے چین سے نہیں رہنے دے رہے۔''

یہ کہہ کر وہ مُڑ گیا۔ اب اُس کی پشت تورہان سلطان کی جانب تھی۔ یہ اشارہ تھا کہ وہ اب جا سکتی ہیں۔

تورہان سلطان کی آواز میں دکھ تھا۔

''تم وہ سکندر نہیں رہے جو میرا بیٹا تھا، تم بدل گئے ہو۔ تخت نے تمہارے ذہن کو نہ جانے کیسا بنا دیا ہے،

بلکہ تخت نے نہیں، اُس شہزادی نے تم پر نہ جانے کیسا سحر کر دیا ہے۔اس سے پہلے تم نے کبھی مجھ سے اس طرح بات نہیں کی۔"

ان کا دل واقعی دکھا تھا۔ وہ مکمل طور پر غلط بھی نہیں تھیں، مگر مکمل درست بھی نہیں تھیں۔

سکندر کے ماتھے پر پڑے بل ایک لمحے میں غائب ہو گئے۔

"آپ نے بھی آج سے پہلے مجھ سے کبھی ناجائز ضد نہیں کی تھی، والدہ۔"

اس نے چہرہ موڑے بغیر جواب دیا۔

تورہان سلطان خاموش ہو گئیں۔

وہ جانتی تھیں۔۔۔سامنے کھڑا شخص اب اُن کی کسی بات سے پگھلنے والا نہیں تھا۔

بغیر کچھ کہے وہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔

سکندر آتشدان کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

تورہان سلطان جب کمرے سے باہر نکلیں تو سامنے ابراہیم اور یاقوت کھڑے تھے۔

دونوں کے چہروں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، مگر تورہان سلطان کو دیکھتے ہی وہ مسکراہٹ فوراً غائب ہو گئی۔

دونوں نے احترام سے سر جھکا دیا۔

تورہان سلطان نے ان پر حقارت بھری نظر ڈالی اور آگے بڑھ گئیں۔

"ایک غدار اور دوسرا غلام، دونوں نے ہی میرے بیٹے کا دماغ خراب کر دیا ہے۔"

وہ آہستہ سے بڑبڑائیں، مگر ان کی آواز دونوں کی سماعت تک پہنچ گئی۔

ابراہیم نے ایک لمحہ انہیں جاتے ہوئے دیکھا، پھر آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔

سکندر ابھی تک آتشدان کے قریب کھڑا تھا۔

"کیا ہوا ہے، سلطانِ معظم؟"

ابراہیم نے اندر داخل ہوتے ہی سر جھکا کر پوچھا۔

سکندر نے گہری سانس لی اور کرسی کی طرف بڑھ گیا۔ بیٹھ کر اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔

''بہت پریشانی ہے، ایبو! بہت۔''

اس کی آواز میں تھکن تھی۔

''ٹرانسلوینیا کو فتح کرنے کی تیاری کرنی ہے۔ ینیچریوں میں ان دِنوں کافی بحث چل رہی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ جنگ کو ملتوی کر دیا جائے۔ مگر میں نہیں چاہتا۔ اگر وقت دیا تو روس بہت زیادہ طاقت جمع کر لے گا۔ اور پھر اگر ہمیں فتح ہوئی تو بھی ہمارا نقصان بہت زیادہ ہوگا۔''

وہ چند لمحے خاموش رہا۔

''حرم کے معاملات الگ پریشان کر رہے ہیں، مراد کی طرف سے الگ فکر ہے۔ نہ جانے کیوں مجھے لگ رہا ہے کہ وہ کسی چیز کی تیاری میں ہے۔ ہر چیز پریشان کر رہی ہے اور اس پر مزید یہ کہ والدہ شہزادی کو یہاں نہیں رکھنا چاہتیں، اور میں انہیں بھیجنا نہیں چاہتا۔ اسی وجہ سے زیادہ فکر مند ہوں۔''

آج اس کا چہرہ پہلے کی نسبت کافی مرجھایا ہوا لگ رہا تھا۔

''اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات ہے؟ حرم میں اچھی خاصی جگہ ہے... والدہ کو منا لیجیے۔''

سکندر نے اسے دیکھا۔

''بات جگہ کی نہیں ہے، ایبو۔ وہ کہتی ہیں کہ نہ تو وہ غلام ہے اور نہ مسلمان۔ اور اس کا حرم سے کوئی تعلق بھی نہیں۔''

''کوئی اور طریقہ نہیں ہے؟'' ابراہیم نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

سکندر نے جواباً سر نفی میں ہلایا۔ وہ کچھ دیر یونہی خاموش رہے۔ پھر اچانک ابراہیم کچھ سوچ کر سکندر کی جانب دیکھنے لگا۔ ابراہیم چند قدم آگے بڑھا اور سامنے رکھی کرسی کے سہارے کھڑا ہو گیا۔

''ایک کام ہوسکتا ہے، سلطانِ معظم۔اس کا آپ سے براہِ راست تعلق نہیں،مگر آپ تعلق بنا تو سکتے ہیں نا۔''

سکندر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''مطلب؟''

ابراہیم نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا،

''مطلب یہ کہ سلطانِ معظم اُس سے نکاح کر لیں اور جب ٹرانسلوینیا فتح ہو جائے تو اسے آزاد کر دیجیے گا۔''

ابراہیم کا مشورہ واقعی کمال کا تھا۔

مگر پھر وہ رکا،

''مگر ایک مسئلہ ہے، سلطانِ معظم، وہ غیر مسلم ہے۔اگر وہ مسلمان ہو جائے تو ممکن ہے کیونکہ آج تک ریاست میں کسی حکمران نے غیر مسلم سے نکاح نہیں کیا۔اور ریاست کے اصولوں کے مطابق یہ منع ہے۔''

''ایبو! میں اسے مسلمان ہونے پر ہرگز مجبور نہیں کروں گا۔وہ اپنی مرضی کا مذہب رکھے گی۔''

ابراہیم نے سر ہلایا۔

''پھر تو یہ مشکل ہے، سلطانِ معظم۔''

یہ کہہ کر وہ دالان کی طرف بڑھ گیا۔

مگر سکندر وہیں بیٹھا رہ گیا، گہری سوچ میں ڈوبا ہوا۔

اور کافی دیر تک اسی طرح خاموش بیٹھا رہا۔

سلطنت عثمانیہ کے بہت سے اصول تھے ان میں ایک اصول یہ بھی تھا کہ کوئی حکمران کسی غیر مسلم شہزادی

سے نکاح نہیں کرسکتا۔ ایک سلطان کیلئے اصول کے خلاف جانا ناممکن نہیں تھا مگر اصول کے خلاف جانے کے نتائج سنگین ہوسکتے تھے۔ ینیچری ہمیشہ موقع کی تلاش میں رہتے تھے تاکہ بغاوت کرسکیں۔ اسکے علاوہ حرم کا نظام بگڑنے کا بھی خدشہ ہوتا اور پھر شاہی خاندان کے افراد اکثر ان خواتین کو قبول نہیں کرتے تھے۔ تو قصہ المختصر کسی ایسی شہزادی سے نکاح کرنے کا مطلب بہت لوگوں کی دشمنی مول لینا تھا۔

''کوئی کسی کیلئے اتنی دشمنیاں کیوں مول لے گا؟'' سکندر نے جیسے معاملہ ہی لپیٹ دیا۔ بزرگ مسکرایا۔ ''محبت اچھے اچھوں کو خوار کردیتی ہے۔''

دروازے پر کھڑے دربان نے اُس کے آنے کی اطلاع دی تو کمرے میں موجود سب افراد نے فوراً سر جھکا لیا۔

وہ نہایت نرمی اور وقار کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اُس کے قدموں میں عجیب سا سکون تھا۔

جیسے ہی وہ اندر آیا، کمرے میں موجود سب لوگ خاموشی سے باہر نکل گئے۔

اُسے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ وہ سب اُس کے اشارے ہی سمجھ جایا کرتے تھے۔

وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اُس کے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ آکر اُس کے دائیں جانب کھڑا ہوگیا۔

''ٹھیک ہوں۔''

الیگزینڈرا نے نہایت بے رُخی سے جواب دیا۔

وہ صبح سویرے ہی آ پہنچا تھا اور اس وقت اُس کا آنا اُسے پسند نہیں آرہا تھا۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد سکندر دوبارہ بولا۔

''میں معذرت خواہ ہوں، جو ہوا اُس کے لیے۔''

الیگزینڈرا نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

کیا واقعی اُس نے اُس سے معافی مانگی تھی؟

وہ چند لمحے اُسے دیکھتی رہی۔ سکندر کی نظریں اُس کے زخمی ہاتھ پر ٹکی ہوئی تھیں۔ یقیناً وہ تکلیف میں ہوگی۔۔۔ یہ سوچ کر سکندر کے دل میں ہلکا سا دکھ ابھرا۔

الیگزینڈرا اُسے دیکھتی رہی۔

تین براعظموں کا حکمران اُس سے معافی مانگ رہا تھا۔

وہ بھی اُس غلطی کے لیے، جو اُس نے کی بھی نہیں تھی۔

وہ سٹیفن کی طرح انا پرست نہیں تھا، نا جانے کیوں اس نے سٹیفن اور سکندر کا موازنہ کیا۔

''معذرت کی ضرورت نہیں۔''

کافی دیر بعد الیگزینڈرا نے جواب دیا۔

''شہزادی! یہ مکتوب آپ کے لیے ہے۔ اسے پڑھیے گا اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کیجیے گا۔''

سکندر نے ایک مکتوب اُس کی طرف بڑھایا۔

وہ مزید وہاں نہیں رکا تھا۔ اُس کے قدم اب دروازے کی طرف بڑھ چکے تھے۔

الیگزینڈرا نے ہاتھوں میں مکتوب تھامے اُسے دیکھا۔

دروازے تک پہنچ کر سکندر ایک لمحے کے لیے مڑا۔ اُس کی نظریں الیگزینڈرا پر پڑیں مگر صرف ایک لمحے کے لیے۔

اگلے ہی لمحے وہ باہر چلا گیا۔

سکندر کے جاتے ہی الیگزینڈرا نے مکتوب کھول لیا۔

''شہزادی الیگزینڈرا راکوزی،

جو کچھ ہوا... میں اُس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

مجھے دُکھ ہے کہ میں نے آپ کی حفاظت کا جو وعدہ کیا تھا... وہ پورا نہ کر سکا۔

تاہم اس کے پیچھے وجوہات تھیں۔ میں اُس وقت وہاں موجود نہیں تھا... اور شکار سرائے ایک خاموش اور ویران جگہ ہے، جہاں کسی کو فوراً خبر نہیں ہوتی۔"

یہ زندگی میں پہلی بار تھا کہ سکندر نے کسی عمل کی صفائی دی تھی۔

الیگزینڈرا بڑی توجہ سے خط پڑھ رہی تھی۔

"حرم کا نظام میری والدہ دیکھتی ہیں۔ اُن کے مطابق جو کچھ ہوا... اُس کے بعد بھی وہ آپ کو یہاں نہیں رکھ سکتیں۔ وہ سخت دل نہیں ہیں... بس اصول پسند ہیں۔

حرم میں آپ صرف دو ہی شرطوں پر رہ سکتی ہیں۔

یا تو یہ کہ آپ غلام ہوں...

یا پھر یہ کہ آپ کا سلطان سے کوئی تعلق ہو۔

میں آپ کو غلام نہیں بنا سکتا... کیونکہ آپ ایک آزاد خاتون ہیں۔

تاہم... میں آپ سے تعلق بنا سکتا ہوں۔

میں نہایت ادب، احترام اور سوچ سمجھ کر آپ سے ایک سوال کرتا ہوں۔

کیا آپ اس حرم میں محفوظ رہنے کے لیے بیاضت خان کے جانشین، تختِ عثمانیہ کے وارث، سلطان سکندر مرزا سے نکاح کریں گی؟"

یہاں خط ختم ہو گیا تھا۔

الیگزینڈرا نے بے یقینی سے آخری سطر دوبارہ پڑھی۔

اُس کے چہرے پر حیرت کے گہرے تاثرات ابھر آئے مگر اگلے ہی لمحے وہ حیرت غصے میں بدل گئی۔

اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

غصے سے وہ فوراً بستر سے اتر آئی۔

تیز قدم اٹھاتی ہوئی وہ سلطان کے حجرے کی طرف بڑھ گئی۔ ''سلطان اندر ہیں؟''

ٹوٹے پھوٹے الفاظوں میں اس نے محافظوں سے پوچھا۔محل میں ایک ہفتہ گزارنے کے بعد اسے کچھ کچھ انکی زبان سمجھ آنے لگی تھی، مگر زیادہ نہیں۔

''نہیں، شہزادی۔ آقا محل سے باہر جا چکے ہیں۔''

محافظ نے ادب سے جواب دیتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

الیگزینڈرا کا چہرہ غصے سے اور سرخ ہو گیا۔

وہ پلٹی اور تیز قدموں سے واپس اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

اگر اس وقت سکندر اُس کے سامنے ہوتا تو یقیناً وہ گستاخی کی مرتکب ہو جاتی۔

اور اُس گستاخی کی سزا شاید خود اُسے بھی معلوم نہ تھی۔

محل سے باہر اُس دن اُسے کوئی خاص یا ضروری کام نہ تھا۔ وہ محض یونہی دوبارہ جنگی تیاریوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ سپاہی مشقوں میں مصروف تھے، لوہار بھٹیوں کے پاس کھڑے تلواروں کی دھار تیز کر رہے تھے، اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ گونج رہی تھی۔

مگر سکندر کا ذہن ان سب سے ہٹا ہوا تھا۔

اُس کے خیالات بار بار ایک ہی سوال کے گرد گھوم رہے تھے۔

کیا وہ اُس کی پیشکش قبول کرے گی؟

نجانے کیوں وہ یہی سوچ رہا تھا۔ حالانکہ وہ نکاح محض اُس کی حفاظت کے لیے کرنا چاہتا تھا۔ مگر پھر بھی کہیں نہ کہیں اُس کے دل میں ایک انجانا سا خوف تھا۔

وہ تین برِ اعظموں کا حکمران تھا۔اگر وہ کسی اور خاتون کو یہ پیشکش کرتا تو وہ بلا تامل قبول کر لیتی۔
مگر وہ الیکز ینڈ رارا کوزی تھی ،ٹرانسلوانیا کی شہزادی۔
اور وہ اُسے ٹھکرا سکتی تھی۔
سکندر کو اپنے ٹھکرائے جانے کا خوف تھا۔
خط دینے کے فوراً بعد وہ محل سے باہر نکل آیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ خط پڑھ کر اُسے پہلے غصہ آئے گا۔وہ چاہتا تھا کہ وہ کچھ دیر، ٹھنڈے دماغ سے سوچ کر فیصلہ کرے۔اس کے ایک ہفتے اور دو دن کے قیام کے دوران اسے اسکے متعلق اتنا اندازہ تو ہو چکا تھا۔
مگر اتنی دیر باہر رہنے کا بھی کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔
رات کو حسبِ معمول جب وہ محل واپس پہنچا اور اپنی کرسی پر آ بیٹھا تو چند لمحوں بعد دروازہ یکا یک کھلا اور وہ اندر داخل ہو گئی۔
اُس نے اندر آنے سے پہلے اجازت نہیں مانگی تھی۔آج تک سلطان کے کمرے میں اس طرح کوئی داخل نہیں ہوا تھا۔
اُس کے پیچھے ایک سپاہی بھی اندر آیا۔
''میرے آقا، یہ۔۔۔''
وہ ابھی یہی بولا تھا کہ سکندر نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے چلے جانے کا حکم دیا۔
سپاہی فوراً باہر نکل گیا۔کمرے میں اب بس وہ دونوں ہی موجود تھے۔
سکندر کی نظریں ابھی تک جھکی ہوئی تھیں۔
''مجھے تم سے کوئی نکاح نہیں کرنا۔''
ادب ولحاظ جیسے ایک ہی لمحے میں ختم ہو گیا تھا۔وہ ایسی ہی تھی ،جب لوگ اسکی امیدوں کے برعکس نکلتے تو

وہ ادب ولحاظ کرنا چھوڑ دیتی تھی۔

''مجھے لگا تھا تم باقی ترکوں جیسے نہیں ہو مگر میں غلط تھی۔تم سب ایک جیسے ہو۔اسی لیے اتنی مدد کر رہے تھے؟''

سکندر نے غصے سے اپنی مٹھی بھینچ لی۔

کسی کی اتنی جرات نہیں تھی کہ ترک سلطان سے اس لہجے میں بات کرے۔اور اگر کوئی کرتا تو اس کی بھاری قیمت چکاتا۔

''خاموش کیوں ہو؟ جواب دو۔اسی لیے مدد کر رہے تھے نا؟ مجھے اندازہ ہو جانا چاہیئے تھا کہ تم اتنی ہمدردی کیوں دکھا رہے تھے مجھ سے۔صحیح سنا تھا میں نے تم ترکوں کے بارے میں۔عیاش پرست''

سکندر نے آنکھیں بند کر لیں۔اب سکندر کا صبر جواب دے چکا تھا۔

وہ غصے میں تھا،شدید غصے میں۔

اگر وہ خاتون نہ ہوتی تو اس وقت وہ واقعی کچھ کر گزرتا۔

''خاموش ہو جائیں۔''

اُس کی آواز سخت تھی،مگر اس میں اب بھی تہذیب باقی تھی۔

یہ اُس کی تربیت تھی،یہی تو اصل تربیت تھی۔

وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور اُس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

''پہلی بات۔۔۔آپ میرے حجرے میں بغیر اجازت لیے داخل نہیں ہو سکتیں۔'' وہ الفاظ چبا چبا کر ادا کر رہا تھا۔

''دوسری بات۔۔۔آپ مجھ سے اس طرح مخاطب نہیں ہو سکتیں۔''

اور تیسری بات۔۔۔

وہ ایک لمحہ رکا۔

''میں یہ نکاح کسی خواہش کے تحت نہیں کر رہا۔ میں یہ آپ کی حفاظت کے لیے کر رہا ہوں۔''

اُس کی آواز اب قدرے بھاری ہوگئی تھی۔

''سلطنتِ عثمانیہ میں آج تک کسی بادشاہ نے کسی غیر مسلم شہزادی سے نکاح نہیں کیا۔ میں صرف آپ کی خاطر یہ کر رہا ہوں، اپنی سلطنت کے اصول توڑ رہا ہوں۔

سکندر مرزا نے آج تک کوئی اصول نہیں توڑا، مگر آج توڑ رہا ہے۔

اور آپ میری نیت پر شک کر رہی ہیں۔''

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''افسوس ہے مجھے، بے حد افسوس۔'' اسے دکھ ہوا تھا۔ جب انسان آپکو صحیح ہونے کے باوجود غلط سمجھتے ہیں تو تکلیف ہوتی ہے اسے بھی ہوئی تھی۔

وہ اسے دیکھتی رہی۔ بہت سے سوال تھے اسکے ذہن میں۔

''اور سلطان مرزا، میری خاطر ایسا کیوں کر رہا ہے؟'' اس نے بنا سوچے پوچھا۔

اس سوال کا جواب خود سکندر کے پاس بھی نہیں تھا۔

وہ واقعی کیوں کر رہا تھا ایسا؟

کیوں وہ سلطنت کے اصول کے خلاف جا رہا تھا؟

''آپ اس خط کو دوبارہ پڑھیں۔''

وہ بولا اور کرسی پر واپس بیٹھ گیا۔

''اور اس بار اپنے ذہن سے ترکوں کے متعلق نفرت نکال کر پڑھیں۔ آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ میں نے کس نیت اور کس وجہ سے وہ خط لکھا تھا۔''

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔''

الیگزینڈرا نے جیسے اُسے یاد دلایا۔

''میں ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا، شہزادی۔ اب آپ جا سکتی ہیں۔''

وہ کہہ کر اپنے سامنے موجود اوراق کی طرف متوجہ ہو گیا۔

الیگزینڈرا خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔

مگر اُس کے ذہن میں کچھ اور چل رہا تھا۔

''اگر تمہیں لگتا ہے کہ نکاح کر کے تم مجھے زبردستی مسلمان کر سکتے ہو، تو ایسا نہیں ہو گا۔ میں ہرگز اسلام قبول نہیں کروں گی۔''

سکندر کی انگلیاں اُس کی بات پر رک گئیں۔

اُس نے نظریں اٹھا کر اُسے دیکھا۔

''کیا اس خط میں ایک مرتبہ بھی میں نے اس بات کا ذکر کیا؟''

اُس کی آواز پرسکون تھی۔

''اور رہی بات آپ کو زبردستی مسلمان کرنے کی، تو اگر مجھے یہ کرنا ہوتا تو میں بہت پہلے کر چکا ہوتا۔ میری ریاست میں آئے آپ کو ایک ہفتے سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ میں نے آپ کو مجبور نہیں کیا اور آئندہ بھی جب تک آپ یہاں ہیں، کسی کام کے لیے مجبور نہیں کروں گا۔

چاہیں تو نکاح بھی نہ کریں۔ کوئی مجبوری نہیں ہے۔

مگر پھر میں آپ کو دوبارہ شکار سرائے بھجوا دوں گا۔

اور اگر وہاں پھر کوئی حادثہ ہوا تو اگلی بار میں معذرت نہیں کروں گا۔''

وہ اب نظریں جھکائے بول رہا تھا۔

وہ اسکی بات سن کر حیران تھی۔یعنی اگلی بار اسکے ساتھ اگر کچھ ہوا تو وہ ذمہ دار نہیں ہوگا۔وہ عجیب مشکل میں پڑ گئی تھی۔اس نے ایک نظر ہاتھوں میں پکڑے خط کو دوبارہ دیکھا،

''ٹھیک ہے میں دوبارہ پڑھوں گی،لیکن اگر مجھے یہ پھر بھی مناسب نہ لگا تو؟''

''تو میں بتا چکا ہوں آپکو واپس شکار سرائے بھجوادوں گا۔''

''تو یعنی میری حفاظت نہیں کرو گے؟''

''جب آپ حفاظت کرنے دیں گی نہیں تو کیسے کروں گا حفاظت؟''سکندر نے نظریں اسکی جانب کیں۔ایک لمحے کو انکی آنکھیں ملیں۔سکندر نے خود کو اسکی آنکھوں میں ڈوبتا محسوس کیا۔''عجیب ساحرانہ آنکھیں ہیں اِسکی۔''اسنے خود سے اعتراف کیا۔پھر اگلے ہی لمحے اس نے نگاہیں جھکا لیں۔وہ ان آنکھوں میں زیادہ دیر نہیں دیکھ سکتا تھا۔اِسکی کئی وجوہات تھیں۔

سکندر کے خاموش ہونے کے بعد الیگزینڈرا کچھ دیر وہیں کھڑی رہی۔

اُسے بہت پہلے جانے کو کہہ دیا گیا تھا مگر وہ ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔

اب اُس کی نظریں کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

یہ پہلا موقع تھا جب اُس نے سکندر کا ذاتی حجرہ دیکھا تھا۔

اب تک وہ یا تو اُسے دیوان میں ملی تھی یا شکار سرائے میں۔

یہ اُس کا نجی کمرہ تھا۔

وہ کمرہ انتہائی کشادہ اور شاندار تھا۔

اونچی محرابی چھتوں پر نیلے اور سنہری رنگ کے نفیس نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔دیواروں پر عثمانی طرز کی باریک خطاطی آویزاں تھی جس میں سنہری حروف میں آیات اور اشعار کندہ تھے۔

کمرے کے بیچوں بیچ گہرے سرخ رنگ کا ایرانی قالین بچھا تھا جس کے پیچیدہ ڈیزائن دور سے ہی

نگاہوں کو اپنی طرف کھینچ لیتے تھے۔

ایک طرف دیوار کے ساتھ لمبی میز رکھی تھی جس پر سلطنت کے نقشے پھیلے ہوئے تھے۔ چند قلم دان اور سیاہی دان وہاں ترتیب سے رکھے تھے۔

قریب ہی ایک عظیم الشان آتش دان تھا جس میں جلتی ہوئی لکڑیوں کی مدھم آگ کمرے کو ہلکی سی حرارت دے رہی تھی۔

دوسری طرف بلند کھڑکیاں تھیں جن پر بھاری مخملی پردے لٹک رہے تھے۔ان کے درمیان سے چاندنی کی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔اور کمرے کے آخری حصے میں ایک بلند مسند نما بستر تھا، جس پر گہرے سبز رنگ کی ریشمی چادریں اور سنہری کڑھائی والے تکیے رکھے تھے۔

یہ کمرہ کسی عام شخص کا نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ ایک سلطنت کے وارث کا حجرہ تھا۔

اور اُس حجرے کے بیچوں بیچ، سکندر مرزا خاموش بیٹھا تھا۔

وہ اُس رات سو نہ سکی۔

رات جیسے ٹھہر سی گئی تھی اور ہر گزرتا لمحہ اُسے اسی ایک خیال کی طرف واپس لے آتا تھا۔بستر پر لیٹے لیٹے وہ چھت کو تکتے ہوئے بار بار اسی مکتوب کے بارے میں سوچتی رہی۔

وہ اتنی آسانی سے مجھے شادی کی پیشکش کر رہا ہے؟

اس کے ذہن میں سوالوں کا طوفان برپا تھا۔

کیا اسے اپنے شہزادوں اور ملکہ کی بھی پرواہ نہیں ہے؟

جہاں تک اسے معلوم تھا، سلطنتِ عثمانیہ کے سلاطین ایک سے زیادہ ملکائیں رکھتے تھے۔تو پھر یقیناً مرزا کی بھی کوئی نہ کوئی ملکہ ہوگی اور اگر ملکہ ہوگی تو شہزادے بھی ہوں گے۔

پھر وہ اسے نکاح کی پیشکش کیوں کر رہا تھا؟
کیا وہ اس کی پیشکش قبول کر لے؟
یہ پہلا موقع تھا جب وہ حیرت انگیز طور پر سٹیفن کے بارے میں نہیں سوچ رہی تھی۔
وہ صرف ''مرزا'' کے بارے میں سوچ رہی تھی۔
آخر کار تھک کر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔
اسی لمحے دروازہ آہستگی سے کھلا اور لارا کمرے میں داخل ہوئی۔
شہزادی کو جاگتے دیکھ کر وہ چونک گئی۔
''شہزادی! آپ ابھی تک سوئی نہیں؟''
وہ بستر کے قریب آ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔
''لارا! مجھے نیند نہیں آ رہی۔''
الیگزینڈرا نے نرمی سے جواب دیا۔مگر اس کی آواز میں الجھن واضح تھی۔اس کا ذہن اب بھی انہی سوالوں میں الجھا ہوا تھا۔
لارا نے چند لمحے اُسے غور سے دیکھا۔
''شہزادی، کیا ہوا ہے؟ میں صبح سے آپ کو دیکھ رہی ہوں، آپ بہت فکرمند ہیں۔''
لارا کافی عرصے سے الیگزینڈرا کے ساتھ تھی۔وقت کے ساتھ دونوں کے درمیان ایک عجیب سی دوستی پیدا ہو گئی تھی۔
الیگزینڈرا کو وہ پہلی بار ایک بازار میں ملی تھی، جہاں اسے غلامی کے لیے فروخت کیا جا رہا تھا۔نجانے کیوں اُس لمحے الیگزینڈرا کا دل پسیج گیا تھا اور اس نے اُسے خرید لیا تھا۔
اور تب سے لارا اس کی خدمت میں تھی۔

الیگزینڈرا نے کچھ سوچے بغیر مکتوب اس کی طرف بڑھا دیا۔

لارا نے پہلے کچھ لمحے اس کاغذ کو دیکھا، پھر آہستگی سے اسے تھام لیا۔

چند ہی لمحوں میں وہ پورا مکتوب پڑھ چکی تھی۔

''شہزادی!''

وہ حیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔

''ہاں لارا۔اب مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ اسے قبول کروں یا نہیں۔''

الیگزینڈرا نے تھکے ہوئے انداز میں ہاتھ سر پر رکھا۔

لارا کچھ دیر خاموش رہی، جیسے گہرائی سے سوچ رہی ہو۔

''شہزادی!''

الیگزینڈرا نے اس کی طرف دیکھا۔

''ان کی نیت حفاظت کی ہے، قبول کر لیجیے۔آپ کی زندگی سے زیادہ ضروری کوئی چیز نہیں۔''

لارا کی آواز نرم مگر پُراعتماد تھی۔

''وہ اچھے انسان ہیں۔میں نے کبھی انہیں آپ کی طرف غلط نظر سے دیکھتے نہیں دیکھا۔اگر وہ کہہ رہے ہیں کہ ان کی نیت حفاظت کی ہے، تو یقیناً حفاظت کی ہی ہوگی۔''

لارا اب اسے سکندر کی مثبت باتیں بتا رہی تھی۔اسکی جھکی نظریں، اسکا اعلی کردار، اسکی بہادری کے قصے جو اس نے ٹرانسلوانیا میں سن رکھے تھے، اور پھر عورتوں سے اسکا نرم رویہ۔۔۔وغیرہ۔

وہ بہت نرمی سے اسے سمجھا رہی تھی۔

اور لارا کی باتوں کا اثر ہو رہا تھا۔

کسی نے اسکی مشکل آسان کر دی تھی۔

اور پھر کچھ دیر پہلے سکندر مرزا کے ساتھ ہونے والی گفتگو بھی اس کے ذہن میں گونج رہی تھی۔

اس کی آواز، اس کے الفاظ، اور وہ سنجیدہ لہجہ۔

کمرے میں خاموشی پھیل گئی۔

اور اس خاموشی میں الیگزینڈرا کے دل میں پہلی بار ایک واضح خیال ابھرا۔

’شاید۔۔اسے یہ پیشکش قبول کر لینی چاہیے۔‘

سورج کی ہلکی ہلکی روشنی کھڑکی سے چھن کر کمرے میں پھیل رہی تھی۔نرم سنہری شعاعیں دیواروں اور آئینے پر پڑ کر ایک مدھم سی چمک پیدا کر رہی تھیں۔

الیگزینڈرا آئینے کے سامنے کھڑی تیار ہو رہی تھی۔اس کا چہرہ پُرسکون دکھائی دیتا تھا مگر آنکھوں کے نیچے رات کی بے خوابی کی ہلکی سی جھلک واضح تھی۔

اس نے آہستگی سے اپنا شاہی تاج اٹھایا اور نہایت وقار کے ساتھ اپنے سر پر سجا لیا۔

چند لمحوں تک وہ آئینے میں خود کو دیکھتی رہی۔

پھر اس کی نظر میز پر رکھے اُس مکتوب پر جا ٹھہری۔

وہی مکتوب، جس نے اس کی زندگی کا رخ بدل دیا تھا۔

وہ آگے بڑھی اور ایک بار پھر اسے خاموشی سے دیکھا۔جیسے اس کے الفاظ اب بھی اس کے ذہن میں گونج رہے ہوں۔

پھر اس نے گہرا سانس لیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ رات کو ٹھیک طرح سے سو نہیں سکی تھی۔مگر اس کے باوجود صبح وہ بہت جلد اٹھ گئی تھی۔

وہ انتظار میں تھی، کہ کب اسے اجازت ملے اور وہ مرزا کے حجرے میں جا سکے۔

چند ہی لمحوں بعد وہ محل کی وسیع راہداریوں سے گزرتی ہوئی سکندر مرزا کے حجرے کے سامنے آ کھڑی

ہوئی۔

دروازے پر کھڑے آغاؤں نے اسے دیکھتے ہی نظریں جھکا لیں اور خاموشی سے دروازہ کھول دیا۔

الیگزینڈرا اندر داخل ہوگئی۔

کمرہ ہمیشہ کی طرح سنجیدہ فضا لیے ہوئے تھا۔

میز پر کئی نقشے پھیلے ہوئے تھے اور سکندر مرزا ان پر جھکا کھڑا تھا۔

اس کا لباس وہی تھا جو اس نے گزشتہ روز پہنا تھا۔

یقیناً وہ ساری رات اسی طرح یہاں کھڑا رہا تھا۔

وہ ایک سلطان تھا۔اس کے کندھوں پر ایک سلطنت کی ذمہ داری تھی۔وہ نہ جانے کتنی راتیں قربان کر چکا تھا، کتنی کر رہا تھا اور کتنی اسے ابھی قربان کرنی تھیں۔اور اب تو وہ جنگ کا ارادہ بھی رکھتا تھا۔سردیاں ختم ہونے کے قریب تھی اور وہ خزاں کے اختتام پر ٹراسلوانیا فتح کرنے کی تیاری میں تھا۔

اس کے اندر داخل ہوتے ہی سکندر نے ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈالی۔

پھر فوراً دوبارہ نقشوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔

چند لمحے خاموشی میں گزرے۔

''میں نے مکتوب دوبارہ پڑھا، بالکل ویسے جیسے آپ نے کہا تھا۔'' غصہ ختم ہوا، تو احترام بھی آچکا تھا۔

سکندر کی نظریں اب بھی نقشے پر تھیں۔

وہ چند قدم آگے بڑھی۔

''اگر آپ کی پیشکش اب بھی موجود ہے، تو مجھے قبول ہے۔''

سکندر نے اسے دیکھا نہیں۔مگر اس کا ذہن نقشوں سے ہٹ چکا تھا۔

چند لمحوں بعد اس کے ہونٹوں سے ایک مختصر سا لفظ نکلا۔

''اعلیٰ''

بس ایک لفظ۔

الیگزینڈرا کچھ لمحے خاموش رہی۔

''مگر میں ایک بات پوچھنا چاہوں گی۔''

سکندر نقشے پر کچھ نشان لگا رہا تھا۔

اس کا ہاتھ اچانک رک گیا۔

اس نے سر اٹھا کر پہلی بار سیدھی نگاہ سے الیگزینڈرا کو دیکھا۔

''کیا اس نکاح سے آپ کی ملکہ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟ یعنی۔۔۔۔''

وہ جملہ مکمل نہ کر سکی اور خاموش ہوگئی۔

سکندر نے نظریں دوبارہ نقشے پر مرکوز کر لیں۔

''یقیناً اعتراض ہوتا اور یقیناً میں یہ قدم نہ اٹھاتا اگر میری کوئی ملکہ ہوتی۔''

الیگزینڈرا حیران رہ گئی۔ یہ پہلا سلطان تھا جس کی کوئی ملکہ نہیں تھی۔

''تو وہ عورتوں کا شوقین نہیں تھا،'' اسکے دل کو مزید تسلی ہوئی۔

کمرے میں ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔

''اب اگر آپ کو کوئی اعتراض نہیں، تو میں ابراہیم کو کہہ دیتا ہوں کہ تیاریوں کا آغاز کرے۔''

وہ اب بھی نقشے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

''آج ہی نکاح ہو جائے گا۔ مگر اس کی کسی کو خبر دینے کی ضرورت نہیں۔ محل میں یہ بات تب تک ظاہر نہیں ہونی چاہیے جب تک میں خود نہ چاہوں۔''

اس کی آواز ہمیشہ کی طرح پُرسکون تھی۔

الیگزینڈرا نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا، پھر میز پر پھیلے نقشوں کو۔ اور پھر خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ حرم کی دوسری عورتوں کی طرح اس کے سامنے جھکتی نہیں تھی۔ اور سکندر نے کبھی اس سے یہ مطالبہ بھی نہیں کیا تھا۔ کیوں نہیں کیا تھا، یہ بات وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

''کتنا ہی بڑا انسان کیوں نہ ہو، محبت ہو ہی جاتی ہے۔'' اسے ایک بار پھر ماہفیروز کا خیال آیا۔ اسکے ساتھ گزارا وقت سب ایک فلم کی طرح ذہن میں چلنے لگا۔

''بڑے چھوٹے ہونے کا کیا ہے، ہوتا تو انسان ہی ہے۔'' بزرگ نے تائید کی۔

ابراہیم نے سکندر کے حکم کے تحت تمام تیاریاں اس قدر خاموشی اور احتیاط سے کی تھیں کہ محل میں کسی کو ذرّہ برابر بھی اندازہ نہ ہوسکا تھا۔ وہ سکندر کا محل تھا وہاں اسکی مرضی کے بغیر نہ تو کوئی خبر پھیل سکتی تھی اور نہ چھپ سکتی تھی۔

محل کے ایک نسبتاً خاموش حصے میں واقع وسیع کمرہ اس مقصد کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ وہاں زیادہ لوگ موجود نہیں تھے۔ صرف وہی افراد جن کی موجودگی ضروری تھی۔

کمرے کے ایک حصے میں باریک نقش ونگار والا جالیدار دروازہ تھا اور اس دروازے کے پیچھے سکندر مرزا اور الیگزینڈرا کھڑے تھے۔

وہ دونوں خاموشی سے سامنے کا منظر دیکھ اور سن رہے تھے۔

سامنے کشادہ کمرے میں چند معزز افراد موجود تھے۔ ان میں سب سے نمایاں شیخُ الاسلام تھے جو نکاح پڑھانے کے لیے تشریف لائے تھے۔

ان کے ساتھ چند گواہ موجود تھے۔

سکندر کی جانب سے ابراہیم وہاں کھڑا تھا، جبکہ الیگزینڈرا کی طرف سے یاقوت موجود تھا۔
کمرے میں ایک سنجیدہ سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔
شیخُ الاسلام نے نکاح کی رسم کا آغاز کیا اور ترکی زبان میں خطبہ نکاح پڑھنے لگے۔
ان کی آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔
الیگزینڈرا خاموشی سے کھڑی سن رہی تھی۔
مگر اسے اس زبان کا زیادہ تر حصہ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔
پھر بھی وہ خاموشی سے سب کچھ سن رہی تھی۔
سکندر نے ایک لمحے کے لیے سر گھما کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔
وہ پُرسکون کھڑی تھی۔
اس کے چہرے پر نہ خوشی کا کوئی اظہار تھا، نہ ہی بے چینی کا۔
جیسے اس نے اپنے جذبات کو مکمل طور پر قابو میں رکھا ہوا ہو۔ یا شاید کوئی جذبہ تھا ہی نہیں۔
چند لمحوں بعد سکندر نے دوبارہ اپنی نظریں شیخُ الاسلام کی طرف کر لیں۔
اب رسمی سوالات کا وقت تھا۔
شیخُ الاسلام نے سکندر کی جانب سے ابراہیم کی طرف دیکھا۔
''سلطان سکندر مرزا ابن سلطان بیاضت خان کی طرف سے، کیا آپ شہزادی الیگزینڈرا راکوزی بنت فرینیک راکوزیِ، کا نکاح پانچ ہزار سونے کی اشرفیوں کے عوض قبول کرتے ہیں؟''
ابراہیم نے نہایت سنجیدگی اور وقار سے جواب دیا۔
''میں، سلطان سکندر مرزا کی جانب سے، یہ نکاح قبول کرتا ہوں۔''
شیخُ الاسلام نے یہی سوال دوسری مرتبہ دہرایا۔

اور پھر تیسری مرتبہ۔

ہر بار ابراہیم نے مضبوط آواز میں وہی جواب دیا۔

اس کے بعد شیخُ الاسلام نے الیگزینڈرا کی جانب سے یاقوت کی طرف دیکھا۔

''کیا آپ شہزادی الیگزینڈرا راکوزی بنتِ فیرینیک راکوزی کی طرف سے، سلطان سکندر مرزا ابنِ بیاضت خان کے ساتھ یہ نکاح قبول کرتے ہیں؟''

''میں، شہزادی الیگزینڈرا راکوزی کی جانب سے، یہ نکاح قبول کرتا ہوں۔''

یہ سوال بھی تین مرتبہ دہرایا گیا، اور تینوں مرتبہ وہی جواب دیا گیا۔

چند لمحوں بعد شیخُ الاسلام نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

''اللہ اس نکاح میں برکت عطا فرمائے، اور دونوں کے درمیان خیر و سکون قائم رکھے۔''

کمرے میں موجود تمام افراد نے آہستگی سے آمین کہا۔

یوں یہ نکاح مکمل ہو گیا۔ الیگزنڈرا راکوزی اب سلطان سکندر مرزا کی منکوحہ تھی۔

جالیدار دروازے کے پیچھے کھڑے سکندر اور الیگزینڈرا نے وہ سب خاموشی سے سنا۔ سکندر نے ایک لمحے کے لیے پھر اس کی طرف دیکھا۔ اگر اس جگہ اس کے ساتھ کوئی اور خاتون کھڑی ہوتی اور یہی منظر ہوتا، تو وہ خوشی سے نہال ہو جاتی۔ وہ شاید خود کو ساتویں آسمان پر محسوس کرتی۔ آخر وہ تین برِاعظموں کے حکمران سے نکاح کر رہی ہوتی۔ مگر الیگزینڈرا مختلف تھی۔ وہ اس کے ساتھ کھڑی تھی، اور اس کے لیے وہ تین برِاعظموں کا حکمران نہیں تھا۔ وہ صرف سلطان مرزا تھا۔ وہی سلطان مرزا، جس سے مدد لینے کے لیے اس کے والد نے اسے یہاں بھیجا تھا۔ اُن کا رخ اب والدہ سلطان کے حجرے کی جانب تھا۔

وہ اس خبر سے اپنی والدہ کو بے خبر رکھنے والا نہیں تھا۔ اگرچہ اُسے یہ بات پہلے بتانی چاہیے تھی، مگر وہ جانتا تھا کہ اگر وہ پہلے بتاتا تو شاید وہ اسے کبھی یہ قدم اٹھانے نہ دیتیں۔

کمرے کے ایک جانب نفیس مخملی صوفے پر تورحان سلطان بیٹھی تھیں، اور اُن کے قریب عتیقہ سلطان بیٹھی تھیں۔ دونوں کسی بات میں مصروف تھیں۔

تورحان سلطان کے چہرے پر گہری مسکراہٹ تھی، جیسے وہ کسی خوشگوار گفتگو میں مگن ہوں۔

اسی لمحے سکندر اندر داخل ہوا۔

اس کے دائیں جانب شہزادی خاموشی سے کھڑی تھی۔

''سکندر!''

تورحان سلطان نے اُسے اندر آتے دیکھ کر بڑی محبت سے پکارا۔

سکندر آگے بڑھا اور جھک کر اپنی والدہ کا ہاتھ چومنے لگا۔

''والدہ! مجھے آپ سے ایک نہایت ضروری بات کرنی ہے۔''

''ہاں کہو سکندر، میں سن رہی ہوں۔''

سکندر نے چند لمحے توقف کیا۔

''والدہ! ابھی کچھ لمحے پہلے شیخُ الاسلام نے میرے حکم اور اجازت سے، میرا اور شہزادی الیگزینڈرا راکوزی کا نکاح پڑھایا ہے۔''

الیگزینڈرا نظریں جھکائے خاموش کھڑی تھی۔ اس نے تورحان کے سرخ ہوتے چہرے کو نہیں دیکھا تھا۔ مگر سکندر نے دیکھا تھا۔

''سکندر! تم یہ کیسے کر سکتے ہو؟!''

تورحان سلطان فوراً صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ان کے پیچھے عتیقہ سلطان بھی اٹھ گئیں۔

''سکندر، تم مجھ سے پوچھے بغیر اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتے ہو؟''

''والدہ! اب چونکہ شہزادی کا اس حرم سے تعلق بن چکا ہے، اس لیے وہ یہیں رہیں گی۔''

توربان سلطان کے سخت لہجے کے باوجود وہ بہت نرمی سے بول رہا تھا۔

''سکندر، میں تم سے کچھ اور بات کر رہی ہوں!''

سکندر خاموش رہا۔

پھر اس نے اپنی بہن کی طرف دیکھا۔

''عتیقہ! شہزادی کو ان کا کمرہ دکھا دو۔ کمرہ اُن کے شایانِ شان ہونا چاہیے۔''

وہ واضح طور پر اپنی والدہ سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا تھا۔

''جو حکم میرے آقا۔''

عتیقہ نے احترام سے کہا اور الیگزینڈرا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اُسے اپنے ساتھ لے گئی۔

عتیقہ حیران ضرور تھی۔ مگر تورحان سلطان کی طرح غصے میں نہیں تھی۔

سکندر اس کا بھائی تھا، بالکل ویسے ہی جیسے مراد تھا اور جیسے ابراہیم تھا۔

وہ اُن کی خوشی میں خوش ہونے والوں میں سے تھی۔

جب وہ الیگزینڈرا کو کمرے کی طرف لے جا رہی تھی تو وہ خاموش تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ الیگزینڈرا اس کی زبان نہیں سمجھتی۔

مگر جب وہ اُسے اُس کے کمرے تک لے کر پہنچی اور مسکرا کر دروازہ کھولا تو اُس کی مسکراہٹ سے واضح تھا کہ اسے اپنے بھائی کے فیصلے یا عمل پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

کمرے کا دروازہ کھلا۔

اور الیگزینڈرا چند لمحوں کے لیے وہیں کھڑی رہ گئی۔

یہ کمرہ عام نہیں تھا بلکہ ایک سلطانہ کے شایانِ شان تھا۔

کمرہ وسیع اور روشن تھا۔اونچی محرابی چھت پر نیلے اور سنہری رنگ کے نفیس نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔
دیواروں پر عثمانی طرز کی باریک خطاطی اور خوبصورت نقش آویزاں تھے۔
فرش پر گہرے سرخ اور سنہری رنگ کا قیمتی قالین بچھا تھا جس کے پیچیدہ نقش پورے کمرے کو ایک شاہانہ شان دے رہے تھے۔
کمرے کے وسط میں ایک بلند و بالا بستر تھا جس پر نرم ریشمی چادریں اور سنہری کڑھائی والے تکیے رکھے تھے۔بستر کے چاروں طرف باریک ململ کے پردے تھے جو ہلکی ہوا سے آہستہ آہستہ لہرا رہے تھے۔
ایک جانب بڑی کھڑکیاں تھیں جن پر گہرے سبز رنگ کے مخملی پردے لٹک رہے تھے۔ان کے بیچ سے دھوپ کی کرنیں اندر آ رہی تھیں۔
کھڑکی کے پاس ایک چھوٹا سا بیٹھک نما حصہ تھا جہاں نفیس کڑھائی والے گاؤ تکیے اور ایک کم اونچی میز رکھی تھی۔
کمرے کے ایک کونے میں خوبصورت آئینہ نصب تھا جس کے گرد سنہری نقش کاری کی گئی تھی۔اس کے قریب قیمتی خوشبوؤں کی شیشیاں اور زیورات کے صندوق رکھے تھے۔
اور کمرے کے ایک حصے میں لکڑی کی باریک نقش ونگار والی الماری تھی جس میں پہلے ہی کئی نفیس ملبوسات آویزاں تھے۔
یہ کمرہ صرف آرام کی جگہ نہیں تھا، بلکہ ایک سلطانی وقار کی علامت تھا۔
عتیقہ نے مسکراتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے کمرہ دکھایا، جیسے کہہ رہی ہو کہ یہ اب اُس کا ہے۔
الیگزینڈرا خاموش کھڑی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔
”سکندر! میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔“
تورحان سلطان اب بھی اسی طرح غصے میں کھڑی تھیں۔ان کے چہرے پر سختی واضح تھی۔

''تم مجھ سے پوچھے بغیر یہ قدم کیسے اٹھا سکتے ہو؟''

سکندر چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔

''والدہ... میں ایک جہاں کا بادشاہ ہوں۔ مجھے اپنے ذاتی فیصلے کرنے کے لیے آپ کی اجازت لینے کی نہ ضرورت تھی نہ ہے اور نہ آئندہ ہوگی۔''

اس نے دوٹوک الفاظ میں کہا تھا۔

اس کی گفتگو سخت تھی مگر لہجہ اب بھی نرم تھا۔

تورحان سلطان کے چہرے پر حیرت اور غصہ بیک وقت ابھر آیا۔

''سکندر! تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ تم نے ریاست کا قانون توڑا ہے!''

سکندر کی آنکھوں میں ایک لمحے کو سخت چمک ابھری۔

''والدہ! ریاست میں ہوں، حکومت میں ہوں، سلطنتِ آل عثمانیہ میں ہوں۔''

وہ ایک ایک لفظ چبا کر ادا کر رہا تھا۔

پھر اس نے سیدھی نگاہ سے اپنی والدہ کو دیکھا۔

''قانون میں بناتا ہوں۔''

تورحان سلطان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''ٹھیک ہے، تم حکمران ہو۔ مگر اپنی ملکہ بنانے کے لیے کوئی مسلمان تو تلاش کر کے لاتے۔ نجانے کس عورت کو تم نے اتنا بڑا مقام دے دیا ہے، نجانے کیسا کردار۔۔۔''

''والدہ! بس!''

یہ پہلا موقع تھا جب سکندر نے تورحان سلطان کی بات کاٹ دی تھی۔

کمرے میں اچانک خاموشی چھا گئی۔

سکندر کی آواز اب پہلے سے زیادہ مضبوط تھی۔

''وہ سکندر مرزا کے عقد میں ہے۔سلطنتِ عثمانیہ کی سلطانہ ہے وہ۔''

وہ ایک قدم آگے بڑھا۔

''اس کے کردار پر بات کرنے کی اجازت خود سکندر مرزا کو بھی نہیں،تو آپ یہ جسارت کیسے کرسکتی ہیں؟''

تورحان سلطان خاموش ہوگئیں۔

مکمل خاموش۔

ان کے چہرے پر حیرت تھی اور شاید پہلی بار ایک انجانا سا احساس بھی۔

آخر اس عورت میں ایسا کیا تھا کہ سکندر اس کی اس قدر طرفداری کر رہا تھا؟

تورحان سلطان کو آج سکندر پر جتنا غصہ آرہا تھا،شاید کبھی کسی پر نہیں آیا تھا۔

چند لمحوں بعد وہ بولیں تو انکا لہجہ سخت تھا۔

''تم جو مرضی کہو سکندر، میں اسے ہرگز قبول نہیں کروں گی۔''

سکندر پرسکون تھا۔

''میں آپ سے اسے قبول کرنے کو کہہ بھی نہیں رہا، والدہ۔''

وہ چند لمحے رکا۔

''میں صرف آپ کو بتانا چاہتا تھا تا کہ آپ کو یہ بات کسی اور سے سن کر تکلیف نہ پہنچے۔اور فکر مت کریں، جب میں ٹراسلوانیا کو فتح کرلوں گا تو شہزادی کو واپس بھجوادوں گا۔وہ ہمیشہ کیلئے یہاں نہیں رہیں گی۔''

یہ کہہ کر سکندر نے مزید رکنے کی زحمت نہیں کی۔

وہ مڑا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

دروازہ بند ہونے کی ہلکی سی آواز کمرے میں گونجی۔

تورحان سلطان وہیں کھڑی رہ گئیں۔
انہیں یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اقتدار ان کے ہاتھوں سے پھسل رہا ہو۔
ان کا بیٹا ان کے خلاف جارہا تھا۔
اور وہ بھی ایک دوسری، نسبتاً معمولی ریاست کی شہزادی کے لیے۔
تورحان سلطان کو حکومت کی عادت تھی۔
برسوں سے وہ یہی کرتی آئی تھیں، اقتدار کا نشہ عجیب ہوتا ہے، ایک بار چڑھ جائے تو آسانی سے نہیں اترتا۔
ان کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔
وہ صرف حرم ہی نہیں، بلکہ اپنے بیٹے کے ذریعے ریاست کے فیصلوں پر بھی اثر انداز ہونا چاہتی تھیں۔
مگر سلطنت کا حکمران سکندر مرزا تھا۔ اور وہ اپنے فیصلے کبھی اپنی والدہ سے منظور نہیں کرواتا تھا۔
وہ اپنے عہدے اور اپنے اختیارات سے بخوبی واقف تھا۔ اور مزید یہ کہ وہ خوداعتماد بھی تھا۔ اور اسے شراکت داری سے شدید نفرت تھی۔
''سلطان کو تو محبت مل گئی، ابراہیم کا کیا ہوا؟ اسکی محبت؟ اسکا کیا؟'' بزرگ اسکی بات پر مسکرایا۔
'اسکی قسمت میں محبت نہیں تھی۔ اسکی قسمت میں قربانیاں لکھی گئیں تھیں اور اسے وہ دینی آتی تھیں۔''
حرم میں آئے اُسے کئی دن گزر چکے تھے۔ اب محل میں لوگ اُسے سکندر مرزا کی سلطانہ کے نام سے پہچانتے تھے۔ ہر کوئی اس کا ادب کرتا تھا۔ تاہم سکندر نے اُسے تورحان سلطان کے سامنے جانے سے منع کر رکھا تھا، اس لیے وہ کبھی وہاں نہیں جاتی تھی۔ ویسے بھی تورحان سلطان خود اسے دیکھنا نہیں چاہتی تھیں۔ وہ دن کا بیشتر حصہ اپنے کمرے میں گزاردیتی اور باقی وقت کبھی باغیچے میں ٹہلتی اور کبھی محل کے کسی پرسکون گوشے میں جا بیٹھتی۔ سکندر سے بھی اب اس کی ملاقات کم ہی ہوتی تھی۔ وہ واحد شخص تھا جس

سے وہ گفتگو کر سکتی تھی، مگر وہی اسے کم میسر آتا تھا۔ آج بھی وہ لارا کے ساتھ باغیچے میں کھڑی تھی۔ نرم ہوا درختوں کی شاخوں کو آہستہ آہستہ ہلا رہی تھی۔ اسی لمحے دالان کی جانب سے کسی نے اسے دیکھا۔

وہ کچھ دیر وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا، پھر اچانک جیسے کوئی فیصلہ کر کے تیزی سے باغیچے کی طرف بڑھا۔

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس کے قریب پہنچا۔ دروازے پر کھڑے آغا نے اس کی آمد کا اعلان کر دیا تھا۔

لارا نے فوراً نظریں جھکا لیں، مگر الیگزینڈرا نے مڑ کر اسے دیکھا۔

وہ ساکت ہو گیا۔

اس کی چمکتی آنکھوں نے ایک بار پھر گویا اس پر سحر کر دیا تھا۔

وہ جس خاتون کو پچھلے سات برسوں سے اپنے دل میں بسائے بیٹھا تھا، وہ آج اس کے سامنے کھڑی تھی۔

الیگزینڈرا نے بھی پہلی بار اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

''لارا... یہ کون ہے؟'' پھر اس نے لارا سے پوچھا۔

لارا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، مگر پھر اس کی نظریں ہٹ نہ سکیں۔

اس نے ابراہیم کو پہلی بار ٹرانسلوانیا میں دیکھا تھا، اور آج دوسری بار عثمانیوں کے محل میں۔

اسے ابراہیم تب بھی پسند آیا اور اب بھی۔

مگر ابراہیم نے لارا کی طرف ایک نظر بھی نہ ڈالی۔ وہ صرف الیگزینڈرا کو دیکھ رہا تھا۔

اس نے بھی الیگزینڈرا کو پہلی بار ٹرانسلوانیا میں دیکھا تھا اور دوسری بار آج عثمانیوں کے محل میں۔

''آپ کون ہیں؟''

الیگزینڈرا نے ہنگیرین زبان میں اس سے پوچھا۔

ابراہیم چند قدم بڑھا کر اس کے قریب آیا۔

''میں ابراہیم ہوں، شہزادہ ابراہیم۔''

اس نے بھی ہنگیرین زبان میں جواب دیا۔

الیگزینڈرا کے چہرے پر فوراً مسکراہٹ آ گئی۔

''شکر ہے، یہاں کسی کو ہنگیرین بھی آتی ہے۔''

ابراہیم اس کی بات سن کر ہلکا سا مسکرا دیا۔

پھر بے اختیار اس کے لبوں سے سوال نکلا،

''اور آپ؟''

ٹرانسلوانیا میں وہ یہ سوال اس سے پوچھ نہ سکا تھا۔ بلکہ وہاں تو وہ اس سے مل بھی نہیں پایا تھا۔

آج جب وہ سامنے تھی تو وہ یہ موقع گنوانا نہیں چاہتا تھا۔

''میں؟''

الیگزینڈرا نے حیرت سے اسے دیکھا۔ کیا واقعی اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ کون ہے؟

اس نے ایک لمحہ سوچا، پھر سکون سے جواب دیا۔

''میں الیگزینڈرا راکوزی، سلطان مرزا کی سلطانہ۔''

ابراہیم کی مسکراہٹ ایک لمحے میں غائب ہو گئی۔

ایک ہفتہ پہلے اس نے سکندر کو اپنی محبت سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا تھا اور چند دن پہلے وہ اپنی ہی محبت کا نکاح اپنے بھائی سے کروا کر آیا تھا۔ کیا واقعی تقدیر نے اس کے ہاتھوں سے ''یہ'' کروایا تھا؟

کیا اس نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی محبت کسی اور کے حوالے کر دی تھی؟

اُسے اب جا کر احساس ہوا تھا کہ بعض فیصلے انسان خود نہیں کرتا، بلکہ تقدیر اُس سے کروا لیتی ہے اور پھر عمر بھر اُس کا بوجھ بھی اُسی کے دل پر رہتا ہے۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اُس نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے دل کو کسی اور کے حوالے کر دیا ہو۔

ابراہیم نے ایک قدم پیچھے لیا پھر دوسرا۔۔۔

اور پھر بغیر کچھ کہے تیزی سے مڑا اور محل سے باہر نکل گیا۔

وہ وہاں رک کر کیا کرتا؟ صرف تکلیف محسوس کرتا۔

وہ تمام سپاہیوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے تیزی سے دوڑاتا چلا گیا۔

مگر وہ جتنا بھی دور چلا جاتا، اس حقیقت کو بدل نہیں سکتا تھا۔

اس کے ذہن میں وہ لمحہ بار بار ابھر رہا تھا، جب شیخُ الاسلام نے اس سے نکاح کا سوال کیا تھا۔

اس کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں، مگر وہ رو نہیں رہا تھا۔

اس کے دل میں صرف ایک پچھتاوا تھا۔

کاش وہ شہزادی سے پہلے ہی مل چکا ہوتا۔

پھر شاید وہ سکندر کو وہ مشورہ نہ دیتا۔

کاش اسے معلوم ہوتا۔۔۔

کاش۔۔۔

بعض محبتیں نصیب میں نہیں ہوتیں، صرف دل میں رہ جانے کے لیے ہوتی ہیں۔ اسکی محبت بھی ایسی ہی تھی۔ ہمیشہ کیلئے دل میں دفن ہونے والی۔

وہ دیوان میں ایستادہ تھا۔ سامنے فرش پر پھیلا ہوا دنیا کا عظیم نقشہ تھا، اور سکندر اپنی تلوار کی نوک سے اس پر جھک کر جنگی منصوبہ واضح کر رہا تھا۔ اس کے گرد وزراء ہاتھ باندھے خاموش کھڑے تھے جو ہر لفظ کو پوری توجہ سے سن رہے تھے۔

''وزیرِ اعظم پاشا'' اس نے بات کے دوران توقف کرتے ہوئے کہا، ''میں نے جو مکتوب روس بھیجنے کا کہا

تھا، کیا وہ روانہ کر دیا گیا ہے؟''

''جی میرے آقا،'' وزیرِ اعظم نے مؤدبانہ انداز میں سر جھکایا، ''میں نے وہ مکتوب روس سے آنے والے سفیر کے حوالے کر دیا تھا۔ اور جب میں نے اسے کہا کہ پرنس ایگور سے کہہ دے، اگر اس نے ٹرانسلوانیا سے قبضہ ختم نہ کیا اور اسے عثمانیوں کے حوالے نہ کیا، تو سلطان سکندر مرزا خود آئے گا اور پھر وہ صرف ٹرانسلوانیا نہیں لے گا، تو اس لمحے اس کے چہرے کا رنگ جس طرح اُڑ گیا تھا، میرے آقا، آپ کی ہیبت پورے مغربی جہاں پر طاری ہے۔''

سکندر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ اس کے دائیں گال میں پڑنے والا گہرا گڑھا نمایاں ہو گیا، وہی جو دیکھنے والے کو ایک لمحے کے لیے ٹھہرنے پر مجبور کر دیتا تھا۔

اسی لمحے، دیوان کے دروازے پر ایک وجود آ کر ٹھہر گیا۔

وہ اس کی سُلطانہ تھی۔

شاید وہ کسی ضروری بات کے لیے آئی تھی، مگر یہ جانے بغیر کہ دیوان کے دوران سکندر سے براہِ راست گفتگو نہیں کی جا سکتی، وہ خاموشی سے وہیں آ کھڑی ہوئی۔

سکندر نے جب جالی دار کھڑکی سے باہر نظر اٹھائی تو اس کی نگاہ اس پر جا ٹھہری اور اگلے ہی لمحے دونوں کی نظریں مل گئیں۔

وقت جیسے ایک لمحے کو ساکت ہو گیا۔

وزیرِ اعظم اب بھی کچھ کہہ رہا تھا، مگر سکندر سن نہیں رہا تھا۔ وہ صرف ان نیلی آنکھوں میں کھویا ہوا تھا وہ آنکھیں، جنہیں دیکھ لینے کے بعد دنیا کی کوئی اور چیز اسے بھلی نہیں لگتی تھی۔

اس نے آہستگی سے ہاتھ بلند کیا۔

اشارہ کافی تھا۔

پورا دیوان یک دم خاموش ہو گیا، ایسی خاموشی، جو اس جگہ پر کم ہی اترتی تھی۔

اسی اثنا میں ایک سپاہی اندر داخل ہوا۔

''میرے آقا، سُلطانہ حاضر ہیں۔''

سکندر نے تمام وزراء پر ایک سرسری نگاہ ڈالی، پھر پرسکون لہجے میں سلطانہ کو اندر لانے کا حکم دیا۔

وہ اندر داخل ہوئی اور اس کے داخل ہوتے ہی سب نے اپنی نظریں اور سر پہلے سے بھی زیادہ جھکا لیے۔ سکندر کی ایک نظر ہی کافی تھی، حکم دینے کی نوبت نہیں آئی۔ چند ہی لمحوں میں دیوان خالی ہو چکا تھا۔ دروازہ بند ہو گیا۔

''مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔'' اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس کی ایک بات کے لیے پورا دیوان برخاست کر دیا گیا تھا۔

''میں سن رہا ہوں،'' سکندر وہیں کھڑا رہا۔ وہ کھڑی تھی، جب وہ کھڑی تھی تو مرزا پر بھی لازم تھا کہ وہ بھی کھڑا رہے۔

''مجھے ترکی سیکھنی ہے، میں محل میں کسی سے گفتگو نہیں کر پاتی۔'' یہ صرف ایک بہانہ تھا وہ سکندر کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی تھی، وہ اسے قریب سے جاننے کی خواہشمند تھی۔ وہ جتنے دن حرم میں قیام پذیر رہی، سکندر میں اسکی دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ اسکے کردار و اخلاق سے متاثر تھی۔ سٹیفن اور سکندر کا کئی دن موازنہ کرنے کے بعد بلآخر وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ سکندر سٹیفن سے ہر معاملے میں بہت بہتر تھا۔

سکندر نے توجہ سے اس کی بات سنی۔ وہ اسکی گفتگو توجہ سے سنا کرتا تھا۔

''سیکھ لیجیے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔''

اسے گمان ہوا شاید وہ اجازت طلب کر رہی ہے۔ مگر یہ فقط اسکا وہم تھا۔ وہ آخر ٹرانسلوانیا کی شہزادی اور اب اسکی سلطانہ تھی وہ اجازت کیوں طلب کرتی؟

''مجھے آپ سے ترکی سیکھنی ہے۔''اس نے لفظ 'آپ' پر گہرا زور دیا۔

اس جملے پر سکندر ہلکا سا چونکا۔

''میں عورتوں کو تعلیم نہیں دیتا۔''

''مگر میں کوئی عام عورت نہیں ہوں۔''

''میں نے یہ نہیں کہا کہ میں عام عورتوں کو تعلیم نہیں دیتا۔۔۔میں نے کہا، میں عورتوں کو تعلیم نہیں دیتا۔''

''تو کیا حرم میں موجود عورتیں جاہل ہیں؟ کیا وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتیں؟''

اس سوال پر سکندر کے چہرے پر ناگواری آئی، مگر اس نے خود کو قابو میں رکھا۔

''وہ سب تعلیم یافتہ ہیں۔۔۔مگر انہیں عورتیں تعلیم دیتی ہیں۔'' آج تک سکندر نے کسی سے بحث نہیں کی تھی۔اسکی بحث کرنے کی عادت کو وہ بڑی مشکل سے برداشت کرتا تھا۔اور حقیقت تو یہ تھی کہ الیگزینڈرا نے آج تک کسی سے بحث نہیں کی تھی مگر نا جانے کیوں اسے سکندر سے بحث کرنے میں مزا آتا تھا۔

''مگر حرم کی عورتوں کو ہنگیرین نہیں آتی۔'' وہ ایک بار پھر مخاطب ہوئی۔

سکندر چند لمحے خاموش رہا۔

وہ سمجھ چکا تھا، یہ بحث وہ نہیں جیت سکتا۔مگر وہ اسے تعلیم نہیں دینا چاہتا تھا۔اسے ڈر تھا کہ اسے الیگزینڈرا کی عادت ہو جائے گی۔اور انسانوں کی عادت تو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔

''میں دن بھر مصروف رہتا ہوں، وقت نہیں ملے گا۔''

''کوئی بات نہیں، میں رات کو آجاؤں گی۔''

وہ الیگزینڈرا تھی، جو جواب لے کر آئی تھی، اسے کوئی انکار کیسے کر سکتا تھا؟

''رات کو مناسب نہیں لگے گا۔'' وہ جیسے اپنا اور اسکا رشتہ بھول گیا تھا۔

''کیوں؟ میں آپ کی سُلطانہ ہوں۔'' الیگزینڈرا کی زبان سے اچانک پھسلا۔

سکندر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ ابھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اسے بعد میں اندازہ ہوا۔

''رات کو کچھ اہم امور ہوتے ہیں۔'' یہ آخری بہانہ تھا اگر وہ اسکا جواب بھی تلاش کر لیتی تو سکندر کو ہتھیار ڈالنے پڑتے۔

''میں انتظار کر لوں گی۔ جب آپ فارغ ہوں گے، تب مجھے سکھا دیجیے گا۔''

وہ ہار گیا تھا، تو اب اسے تعلیم بھی دینی تھی۔

''ٹھیک ہے، مگر آج نہیں۔''

''آج کیوں نہیں؟''

''کیونکہ آج مجھے گشت پر جانا ہے۔''

''گشت؟ یعنی محل سے باہر؟ میں بھی جاؤں گی، میں اس محل میں رہ رہ کر اکتا گئی ہوں۔''

''ہرگز نہیں!'' اس بار اس کے لہجے میں سختی کے ساتھ گہری تشویش بھی شامل تھی۔

''جب بھی میں گشت پر نکلتا ہوں، کچھ برا ہوتا ہے، میں آپ کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔''

''اس طرح بند رہ کر بھی حفاظت نہیں ہوتی۔۔۔''

بحث طویل ہوئی اور بالآخر سکندر کو ماننا پڑا۔ وہ کم از کم اُس سے بحث میں تو نہیں جیت سکتا تھا۔ اسے اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا۔

رات شہر پر اتر چکی تھی۔ سکندر سادہ لباس میں تھا۔ اس کے ساتھ معمول سے زیادہ سپاہی تھے خصوصاً سُلطانہ کی حفاظت کے لیے۔

وہ گلیوں میں آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ اس کے ایک جانب الیگزینڈرا تھی اور دوسری جانب یاقوت۔ ابراہیم کی غیر موجودگی پر اس نے تھوڑا فکرمندی اور پریشانی کا اظہار کیا مگر پھر یہ سوچ کر کے وہ ایک شہزادہ ہے اور اسکے اپنے کچھ امور ہو سکتے ہیں، اس نے یاقوت سے مزید کوئی سوال نہیں کیے تھے۔

گشت کرتے ہوئے سکندر کی نظر زمین پر سوئے ہوئے لوگوں پر پڑی، وہ بغیر کمبل، بغیر سہولت کچی سڑکوں کے کنارے لیٹے ہوئے تھے۔ سکندر کو تکلیف ہوئی تھی۔ جب وہ اپنے مخملی بستر پر سوتا ہے تب اسکی عوام یوں سڑکوں پر سو رہی ہوتی ہے۔ اسکے ضمیر نے گویا اسے کوڑا مارا۔

اس نے ہلکا سا اشارہ کیا۔ ایک سپاہی فوراً آگے بڑھا اور ایک بڑا سیاہ تھیلا اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ سکندر جھکا، اپنے ہاتھوں سے کمبل نکالے، اور ایک ایک کر کے ان لوگوں پر ڈالنے لگا۔ پھر سونے کی اشرفیوں کی چھوٹی چھوٹی پوٹلیاں ان کے قریب رکھ دیں۔ وہ سب گہری نیند میں تھے۔

انہیں خبر تک نہ تھی کہ ان کے قریب عام لباس میں کھڑا شخص ان کا حکمران ہے۔ پھر اس نے یاقوت کو کچھ ہدایات دیں، جو یقیناً ان کی ضروریات پوری کرنے کے متعلق تھیں۔ الیگزینڈرا خاموشی سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ وہ اب آگے قدم بڑھا چکے تھے۔ سامنے کچھ بچے اپنے بڑوں کا ہاتھ تھامے آ رہے تھے۔ وہ بچوں کے قریب جاتا، ان سے چند باتیں کرتا، ان کے ہاتھوں میں اشرفیاں رکھتا اور محبت سے ان کے سروں پر ہاتھ پھیر کر آگے بڑھ جاتا۔ الیگزینڈرا کے دل میں ایک عجیب سا احساس جاگنے لگا۔ یہ وہ سکندر نہیں تھا جو صرف تلوار کے زور پر جیتتا تھا، یہ وہ تھا جو دلوں پر بھی حکمرانی کرتا تھا۔ وہ واقعی حکمران تھا، دلوں کا حکمران۔

پھر اچانک، وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھی۔ سکندر نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ وہ اسکے سامنے جا کر رک گئی۔ سکندر سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اسکے چہرے کے تاثرات سے وہ کوئی اندازہ نہیں لگا سکا۔ اور اگلے ہی لمحے، اس کا سر سکندر کے کندھے سے آ لگا۔

سکندر کے دل میں ایک انجانا سا خدشہ ابھرا۔ اس نے فوراً اسے سنبھالا اور جیسے ہی اس کی نظر اس کی پشت پر گئی، اس کی سانس رک گئی۔ تیر، اس کی پشت میں پیوست تھا۔

''الیکس!'' وہ فکرمندی سے پکارتا اسے مضبوطی سے تھامنے لگا اور پھر زمین پر بیٹھ گیا۔ چاروں طرف

کھلبلی مچ گئی۔ یاقوت اور سپاہی جو پہلے کچھ فاصلے پر چل رہے تھے، فوراً حصار بنا کر کھڑے ہو گئے۔ سکندر نے اپنے گلے سے مفلر اتار کر اس کا بہتا ہوا خون روکنے کی کوشش کی۔ اچانک چاروں اطراف سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ چیخیں، بھاگتے قدم، افراتفری، اس سب میں یاقوت کا بازو زخمی ہو چکا تھا، مگر وہ سکندر کی حفاظت میں مصروف تھا۔ وہ سکندر کا دایاں بازو اور بہادر سپاہی تھا۔

''میرے آقا! آپ سُلطانہ کو لے کر نکلیں!'' وہ بار بار مڑ کر سکندر کو کہتا اور پھر ارد گرد سے آنے والے نقاب پوش لوگوں سے لڑنے میں مصروف ہو گیا۔ سکندر نے ایک مرتبہ اپنے جنگجو سپاہیوں کو لڑتے دیکھا پھر بغیر وقت ضائع کیے اس نے الیگزینڈرا کو اپنی بانہوں میں اٹھایا اور تیزی سے اندھیرے جنگل کی طرف بڑھ گیا۔

''ابراہیم کدھر گیا؟ وہ سلطان کے ساتھ کیوں نہیں تھا؟''

''لڑکے تمہارا مسئلہ کیا ہے تم میری کہانی کی روانی بار بار خراب کر رہے ہو۔''

''مجھے ابراہیم کے متعلق جاننا ہے۔ وہ کہاں ہے؟''

''وہ اپنے غم میں ہے۔'' بزرگ نے تنگ آ کر آہستگی سے جواب دیا۔

آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھک گیا تھا اور بارش زور و شور سے برس رہی تھی۔ وہ پوری طرح بھیگ چکا تھا۔ اس نے اپنا گھوڑا ایک طرف درخت سے باندھا اور خود بارش سے بچنے کے لیے قریب ہی بنے ایک چھجے کے نیچے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ دل کا حال چہرے سے عیاں تھا۔ چند لمحے وہ اسی طرح کھڑا رہا، پھر آہستہ سے زمین پر بیٹھ گیا۔ بارش کی ٹھنڈی ہوا اس کے بھیگے لباس سے ٹکرا کر ایک عجیب سی سردی پیدا کر رہی تھی، مگر اس کے اندر جو طوفان برپا تھا وہ اس سردی سے کہیں زیادہ شدید تھا۔ ابھی اسے بیٹھے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ ایک بزرگ آدمی آ کر اس کے قریب زمین پر بیٹھ گیا۔ بزرگ نے ایک نظر اسے دیکھا، پھر مسکرایا۔

''کسی امیر گھرانے کے جوان لگتے ہو''

ابراہیم نے اس کی بات سن کر آہستہ سے چہرہ اس کی طرف موڑا۔

''نہیں، میں تو بہت غریب ہوں۔ بلکہ، غریب ہو گیا ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے دوبارہ نظریں سامنے برستی بارش کی طرف کر لیں۔

بزرگ نے غور سے اسے دیکھا، پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا،

''کیا ہوا؟ محبوب کی وجہ سے پریشان ہو؟''

ابراہیم نے ایک گہری سانس لی۔

وہ کیا جواب دیتا۔ اسے خود بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''اگر روٹھ گئی ہے تو منا لو اور اگر اظہار نہیں کیا تو اظہار کر لو۔ اگر وہ محبت نہیں کرتی تو کوشش کرو، شاید محبت ہو جائے اسے۔''

ابراہیم نے اچانک ایک قہقہہ لگایا۔

مگر وہ ہنسی درد سے بھری ہوئی تھی۔

''پہلی بار اسے ٹرانسلوانیا میں دیکھا تھا۔ پہلی نظر میں پسند آ گئی تھی۔ پھر سات سال تک اس سے ملاقات نہیں ہوئی، اس کا نام تک نہیں جانتا تھا۔''

وہ چند لمحے رکا۔

''اور آج، اسے استنبول میں دیکھا ہے، اپنے ہی گھر میں۔''

بزرگ خاموشی سے سنتا رہا۔

ابراہیم کی آواز اور دھیمی ہو گئی۔

''وہ میرے بھائی کی بیوی بن کر آئی ہے۔''

وہ ایک بار پھر ہنسا۔

مگر اس ہنسی میں درد صاف محسوس ہو رہا تھا۔

''اور جانتے ہیں؟ شادی کا مشورہ بھی میں نے ہی اپنے بھائی کو دیا تھا۔ بلکہ، یہاں تک کہ ان کا نکاح بھی میں نے ہی پڑھایا ہے۔''

اپنی بات کے اختتام پر وہ خود ہی ہنس دیا۔

اس بار بزرگ بھی ہلکا سا مسکرا دیا۔

''یعنی اب بھائی، بھائی کا دشمن بنے گا۔''

ابراہیم نے فوراً نظریں اس کی طرف موڑیں۔

''ہرگز نہیں۔ میرا بھائی مجھے بہت عزیز ہے۔ میں اس سے دشمنی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اپنے بھائی کیلئے تو میں آدھی کیا پوری دنیا بھی چھوڑ دوں۔''

بزرگ نے کچھ لمحے اسے غور سے دیکھا، پھر پوچھا،

''اتنی محبت ہے اس سے؟ کیا جان بھی قربان کر سکتے ہو اس کے لیے؟''

ابراہیم نے چہرہ سامنے گرتی بارش کی طرف موڑ لیا۔

اس نے ہاتھ آگے بڑھایا اور بارش کے قطروں کو اپنی ہتھیلی پر گرتے دیکھا۔

''لقد ضحّیت بحیاتی فقط''

''(جان ہی تو قربان کر آیا ہوں)

بزرگ اس جوان کو دیکھتا رہا۔

آنکھیں سرخ تھیں، دل ٹوٹ چکا تھا۔ مگر وفاداری باقی تھی۔ وفاداری تو جیسے اس کے خون میں شامل تھی۔

بزرگ آہستہ سے کھڑا ہوا، اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''میں نے پوری کائنات میں تم جیسا وفادار انسان نہیں دیکھا۔''
یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔مگر ابراہیم وہیں بیٹھا رہا۔کافی دیر تک۔پھر نرمی سے اسکے ہونٹ ہلنے لگے:

كانت العيون البنية أسيرة العيون الزرقاء...
(بھوری آنکھیں نیلی آنکھوں کی اسیر تھیں...)

ولكن عندما التقت العيون الزرقاء بالعيون السوداء،
(مگر جب نیلی آنکھیں سیاہ آنکھوں سے ملیں،)

لم تجد العيون البنية طريقاً سوى أن تُغلق في صمت.
(تو بھوری آنکھوں کو خاموشی سے بند ہو جانے کے سوا کوئی راستہ نہ ملا۔)
اب وہ صرف بارش کے آہستہ ہونے کا انتظار نہیں کر رہا تھا، وہ اپنا غم کم ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔مگر اگر وہ اس انتظار میں بیٹھا رہتا تو شاید اسے وہاں بیٹھے صدیاں بیت جاتیں۔لہذا وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور گھوڑے کی جانب بڑھ گیا۔
''مجھے ابراہیم کیلیئے برا لگا، کیا سکندر کو کبھی اسکے جذبات کا علم نہیں ہوا۔'' بزرگ اسکی بات پر کافی دیر خاموش رہا۔
''میرے خیال سے تمہیں پہلے پوری کہانی سننی چاہیئے۔''
''جیسا آپ کہیں۔'' وہ کہتا ایک بار پھر سننے لگا۔

جنگل میں وہ اسے لے کر ایک غار میں پہنچا۔اس وقت اس سے زیادہ محفوظ جگہ اور کوئی نہیں تھی۔وہ اسے ایک طرف رکھ کر قریب ہی بیٹھ گیا۔تھوڑی ہی دیر میں اس نے کچھ لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی۔اب وہ اپنا خنجر گرم کر رہا تھا۔اس گھنے جنگل میں اسے کوئی اور مدد تو ملنے والی نہیں تھی لہذا وہ خود ہی کچھ طبی امداد دینے والا تھا۔ابھی اسکا خنجر گرم ہی ہو رہا تھا کہ سکندر نے کسی کے قدموں کی آہٹ سنی۔وہ خنجر وہیں چھوڑ کر تلوار ہاتھوں میں پکڑے غار کے سرے کی طرف بڑھنے لگا۔ابھی وہ کچھ فاصلے پر ہی تھا جب اس نے ایک بوڑھی سی خاتون کو اندر آتے دیکھا۔اسکا حلیہ دیکھ کر وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ کون تھی۔اس نے ایک نظر سکندر کو دیکھا اور پھر سامنے زمین پر پڑی الیگزینڈرا کو۔وہ الیگزینڈرا کے قریب چلی گئی اور اسکی نبض دیکھنے لگی۔

''یہ زندہ ہے۔''اس نے سکندر بتایا۔وہ سکندر کو پہچان نہیں پائی تھی کیونکہ ترک بادشاہ کو بہت کم لوگ ہی دیکھ پاتے تھے اور پھر وہ انتہائی سادہ لباس میں ملبوس تھا۔

''میں جانتا ہوں۔'' سکندر نے اسکی بات پر بس یہی جواب دیا۔اس پر اس جادوگرنی نے سکندر کو کچھ سخت نگاہوں سے دیکھا۔

''تو کیا مرنے کے بعد تدبیر کرو گے۔'' سکندر اسکی بات پر کچھ خفا سا ہوا۔وہ اب الیگزینڈرا کی پشت پر لگے تیر کا جائزہ لینے لگی۔سکندر اسے دیکھ رہا تھا۔

''تیر زہریلا تھا۔اور زہر بھی کافی نئی قسم کا استعمال ہوا ہے۔''وہ بتا رہی تھی اور سکندر بس سن رہا تھا۔

''اسکا علاج بڑی مشکل سے ملتا ہے۔کم از کم یہاں استنبول سے تو مشکل ہے۔''

وہ بڑی نرمی سے اتنی بڑی خبریں دیتی جا رہی تھی۔سکندر اسکے قریب جا کر بیٹھ گیا اور اس سے کچھ علاج کے متعلق دریافت کرنے لگا۔کئی سوالات کے بعد اس نے سکندر کو بتایا کہ وہ ایک دوا اسے تیار کر کے دے سکتی ہے۔سکندر فورا رضامند ہو گیا تھا۔

’’وہ دوا، اس میں کچھ جادوئی عنصر بھی ہوگا۔ اور اس دوا کا تعلق تم دونوں سے ہوگا۔ وہ دو لوگوں کے بغیر اثر نہیں دکھاتی۔‘‘ سکندر کے تاثرات حیرت سے بھرے تھے۔ یہ کوئی عجیب وغریب قسم کی دوا تھی۔

’’دونوں سے کیا مطلب؟‘‘

’’مطلب یہ کہ وہ دوا تم دونوں کو پلائی جائے گی اور اگر وہ بچ گئی تو تم بھی بچ جاؤ گے اور اگر وہ مر گئی تو تم بھی مر جاؤ گے۔‘‘ سکندر نے حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

’’اب بتاؤ بناؤں وہ دوا یا نہیں؟‘‘ سکندر نے ایک نظر الیگزینڈرا کو دیکھا اور پھر سر ہاں میں ہلا دیا۔ اگر اسے اسکا کوئی اور علاج ملتا تو وہ ہرگز یہ دوا استعمال نہ کرتا مگر اس لئے نہیں کہ اس سے سکندر کی اپنی جان کو خطرہ تھا بلکہ اس لئے کہ اس میں جادوئی عنصر تھا۔ مگر بلاشبہ اس وقت الیگزینڈرا کی زندگی سے زیادہ اہم اور کچھ نہیں تھا۔

’’تو کیا تم واقعی اپنی زندگی خطرے میں ڈالنے کیلئے تیار ہو؟‘‘ سکندر نے اسکی بات پر ایک بار پھر سر ہاں میں ہلایا۔

وہ اب بڑی پھرتی سے دوا تیار کر رہی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ سکندر سے سوالات بھی پوچھتی۔

’’نام کیا ہے تمہارا؟‘‘ سکندر جو الیگزینڈرا کو دیکھ رہا تھا اسکی بات پر اچانک چونکا۔

’’نام کیا ہے تمہارا؟‘‘ جادوگرنی نے دوبارہ سوال کیا۔

’’مرزا۔‘‘ سکندر نے فوراً بس آخری نام بتایا۔

’’کیا کرتے ہو؟‘‘

’’سوداگر ہوں۔‘‘ وہ اسے اپنی حقیقت نہیں بتا سکتا تھا۔ لہذا وہ اسے غلط جواب دے رہا تھا۔

’’کیا لگتی ہے تمہاری؟‘‘ سکندر کچھ دیر خاموش ہوا پھر اس نے اپنے لب کھولے۔

’’بیوی ہے میری۔‘‘ جادوگرنی اسکی بات پر مسکرائی۔

''مجھے صرف بیوی نہیں لگتی۔'' سکندر نے کچھ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ کافی بڑی عمر کی خاتون تھی۔ اس نے گلے میں کچھ مالائیں پہن رکھی تھیں اور اسکا لمبا چوغہ بارش کے باعث گیلا ہو چکا تھا۔

''پھر کیا لگتی ہے؟'' سکندر نے کچھ خفا ہو کر پوچھا۔

''مجھے تو تیری محبت لگتی ہے، ورنہ جان جوکھے میں نہ ڈال دیتا۔'' سکندر نے اسکی بات سن کر نظریں الیگزینڈرا کی طرف پھیریں۔ وہ خود بھی ان جذبات کو نام نہیں دے سکا تھا جو وہ الیگزینڈرا کیلئے رکھتا تھا۔

''ویسے اگر میں اسکو بچا لوں تو کیا دے گا مجھے؟'' اسنے کچھ دیر خاموش رہ کر دوبارہ پوچھا۔

''جو مانگو گی دے دوں گا۔'' اس نے نظریں الیگزینڈرا کے چہرے سے ہٹائے بغیر جواب دیا۔ وہ عورت اب سکندر کو مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں دوا تیار ہو گئی تھی۔ سکندر کچھ دوا لے کر غار سے باہر چلا گیا تھا۔ وہ عورت اب الیگزینڈرا کے زخم پر مرہم لگانے کے بعد اسکے منہ میں دوا کے قطرے ڈال رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ سکندر کے قریب باہر کھڑی تھی۔

''دوا دے دی ہے میں نے اسے۔ اور امید ہے کل تک ٹھیک ہو جائے گی۔ اور جادو والی بات میں نے ویسے ہی کہی تھی۔'' وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئی۔ سکندر اسے جاتا دیکھ رہا تھا، کچھ دیر بعد وہ واپس غار میں لوٹا۔ وہ اب بھی ان لکڑیوں کے قریب زمین پر لیٹی تھی۔ سکندر نے اپنا شاہی فرغل اتار کر اس پر ڈال دیا۔ اور خود دیوار سے ٹیک لگا کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ منظر اسے بار بار یاد آ رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے کیوں آئی تھی؟ یہ ایک سوال اسکے ذہن میں کب سے گردش کر رہا تھا۔ وہ کبھی اسکا چہرا دیکھتا اور کبھی اپنے ہاتھوں پر لگے خون کو۔

وہ کافی دیر تک وہیں بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ اس کی نظریں بار بار اس کے چہرے پر ٹھہر جاتیں، جیسے وہ اس کے ہر نقش کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لینا چاہتا ہو۔ پھر چند لمحوں بعد وہ خاموشی سے اٹھا اور باہر چلا گیا۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ وہ واپس لوٹا۔اس کے لباس کی آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی تھیں، چہرہ اور بال ہلکے ہلکے بھیگے ہوئے تھے۔ وہ وضو کر کے آیا تھا۔اس کے وجود سے ایک عجیب سا سکون جھلک رہا تھا۔

وہ آہستگی سے آگے بڑھا، ایک طرف رکھی اپنی دستار اٹھائی اور نہایت سلیقے سے اسے کھول کر زمین پر بچھا دیا۔ایک لمحے کو اس کی نظر پھر الیگزینڈرا پر پڑی، وہی بے حس و حرکت، زخموں سے چور، معصوم سی شہزادی۔

اگلے ہی لمحے وہ قبلہ رخ کھڑا ہو گیا۔

ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کی نماز میں وہی ٹھہراؤ، وہی خشوع، وہی وقار تھا۔جیسے اس کے ارد گرد کچھ بھی نہ تھا، نہ جنگ، نہ دشمن، نہ خطرہ۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔کچھ فاصلے پر دشمن اب بھی انہیں جنگل میں تلاش کر رہے تھے۔مگر اسے نہ کوئی پرواہ تھی، نہ کوئی خوف۔وہ اپنے رب کے حضور کھڑا تھا۔وہ سب سے محفوظ جگہ پر تھا۔نماز کے اختتام پر اس نے ہاتھ اٹھائے۔

آج اس کی دعا میں کچھ اور نہ تھا۔۔۔صرف وہ۔صرف الیگزینڈرا۔اس کی صحت۔۔۔اس کی زندگی۔۔۔اس کی حفاظت۔اس کی دعا طویل تھی اور مکمل طور پر اسی کے لیے تھی۔دعا ختم کر کے اس نے آہستگی سے ہاتھ چہرے پر پھیرے اور دوبارہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔وہ اس کے سامنے زمین پر لیٹی تھی۔سکندر کی نظریں اس پر جم گئیں۔وہ اس کی قربانی پر حیران تھا۔وہ اس کی جان بچاتے ہوئے اپنی جان خطرے میں ڈال چکی تھی۔اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔اسے اس کی دیدہ دلیری پسند تھی۔۔۔اس کی بہادری پسند تھی۔مگر یہ جو اس نے کیا تھا۔یہ صرف بہادری نہیں تھی یہ کچھ اور تھا۔کچھ بہت گہرا۔۔۔بہت خالص۔وہ آہستہ سے سر جھکا کر سوچنے لگا۔اگر وہ مسلمان ہوتی،تو شاید سکندر اس سے محبت کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ابھی وہ مجبور نہیں ہوا تھا۔

مگراس کے دل میں اس کے لیے ایک خاص مقام ضرور بن چکا تھا۔
سکندر ان لوگوں کو ہمیشہ عزیز رکھتا تھا جو اس کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈالتے تھے۔
وہ خود کو ان کا مقروض سمجھتا تھا۔ اور آج، وہ الیگزینڈر ارا کوزی کا مقروض ہو چکا تھا۔
فجر میں ابھی کچھ وقت باقی تھا۔
اس کی آنکھ آہستہ آہستہ کھلی۔ سب سے پہلے اس کی نظر سکندر پر پڑی۔ وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ آنکھوں پر رکھا ہوا تھا، مگر اس کی انگلیوں کی ہلکی جنبش بتا رہی تھی کہ وہ سویا نہیں تھا۔
اس کے قریب ہی اس کی بڑی تلوار رکھی تھی۔ ہمیشہ کی طرح تیار۔ وہ اسکی حفاظت کیلئے پوری رات جاگتا رہا تھا۔
وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔
پھر سکندر نے ہاتھ آنکھوں سے ہٹایا اور اس کی نظر اس پر پڑی۔
ایک لمحے کو وہ چونکا۔ پھر اس کے چہرے پر ہلکی سی راحت اور خوشی ابھری۔
وہ کیا محسوس کر رہا تھا، شاید خود بھی نہیں جانتا تھا۔
''اب کیسی طبیعت ہے؟ درد تو محسوس نہیں ہو رہا؟''
وہ قدرے قریب آ کر بولا۔
''نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔''
وہ آہستہ سے اٹھنے لگی۔
سکندر نے فوراً ہاتھ بڑھا کر اسے سہارا دیا۔
چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ اچانک بولا،
''ضرورت کیا تھی میرے آگے آنے کی؟''

الیگزینڈرا ایک لمحے کو ٹھٹھک گئی۔

وہ کیا جواب دیتی؟

کیا کہتی کہ اس کا دل اسے وہاں کھینچ لایا تھا؟

یا یہ کہ اسے محسوس ہوا تھا کہ اس شخص کو تکلیف میں دیکھنا، خود اس کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوگا؟

وہ کچھ لمحے سوچتی رہی، پھر ہلکے سے شانے اچکائے۔

''میں اس لیے آگے آئی کہ اگر سلطان مرزا کو کچھ ہو جاتا، تو ٹرانسلوانیا کون فتح کرتا؟''

سکندر نے سر جھکا کر مسکرا دیا۔

''یعنی اپنے لیے کیا۔''

''جی، بالکل اپنے لیے کیا۔ اور کس کے لیے کرتی میں؟''

''مجھے لگا۔۔ میرے لیے۔۔۔''

یہ جملہ اس کے لبوں سے بیاختیار نکل گیا۔

''آپ کے لیے کیوں کرتی میں؟''

وہ خاموش ہو گیا۔ واقعی، کیوں کرتی؟ وہ نہ اس کی غلام تھی۔ نہ اسکی حفاظت کی ذمہ دار۔ نہ ہی وہ اس سے محبت کرتی تھی۔ کیا واقعی نہیں کرتی تھی؟ اس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ سیاہ آنکھیں نیلی آنکھوں سے جا ٹکرائیں۔ وہ دونوں کچھ لمحوں تک یوں ہی ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

جیسے وقت پھر سے تھم گیا ہو۔ اچانک گھوڑوں کے ہنہنانے اور قدموں کی آواز سنائی دی۔

سکندر فوراً چوکس ہوا۔ اس نے تلوار اٹھائی اور تیزی سے غار کے سرے کی جانب بڑھا۔

اندھیرے میں اسے ایک سایہ دکھائی دیا۔ گھوڑے پر سوار، پشت ان کی طرف۔

وہ پہچان گیا تھا۔ وہ اسے اندھیرے میں بھی پہچان سکتا تھا۔

''یاقوت!'' اس نے آواز دی۔

آواز سنتے ہی وہ سوار پلٹا اور گھوڑا دوڑاتا ہوا ان کی طرف آیا۔

''میرے آقا!''

وہ فوراً گھوڑے سے اتر کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

سکندر نے بغیر کسی توقف کے اسے گلے لگا لیا۔

چند لمحوں بعد وہ الگ ہوئے۔ سکندر اب اس سے باقی سپاہیوں کے متعلق دریافت کر رہا تھا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے حملہ آوروں کے متعلق پوچھا،

''میرے آقا، ان میں سے ایک کو زندہ گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ان شاءاللہ جلد ہی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔'' سکندر نے اطمینان سے سر ہلایا۔ پھر وہ واپس اندر گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ الیگزینڈرا کو سہارا دیتا ہوا باہر آیا۔ وہ دیوار کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ سکندر گھوڑے پر سوار ہوا۔ جس کی لگام یاقوت کے ہاتھ میں تھی۔ پھر اس نے بایاں ہاتھ بڑھایا اور مضبوطی سے الیگزینڈرا کو تھام کر اپنے آگے بٹھا لیا۔ الیگزینڈرا کی آنکھیں اس کے چہرے پر ٹھہریں۔ مگر وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا، وہ یاقوت کو دیکھ رہا تھا اور پھر اسے کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ الیگزینڈرا اسکا چہرا دیکھتی گئی۔ وہ اس قابل تھا کہ اسکے لئے جان کی قربانی دی جائے۔ الیگزینڈرا نے اگر یہ کیا تھا تو صحیح کیا تھا۔ یاقوت نے لگام سکندر کے حوالے کی اور خود دوسرے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ وریوں وہ سب محل کی جانب روانہ ہو گئے۔ گزشتہ رات خوفناک تھی۔ اندھیری، بے رحم، خون آلود۔۔۔ مگر اب اندھیرا چھٹ رہا تھا۔ اور روشنی، آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔

''شہزادی! کیا ضرورت تھی آپ کو اُس کے آگے آنے کی؟''

لارا نے اُس کی پوری کہانی سن کر آہستہ سے کہا۔ الیگزینڈرا اس کے قریب بستر پر لیٹی تھی۔

''پتا نہیں، لارا۔۔۔'' وہ اب دالان کی طرف بڑھ رہی تھی۔ بے اختیار اس نے اوپر سکندر کے دالان کی جانب دیکھا۔

''میں خود بھی نہیں جانتی، بس، وہ سامنے کھڑا تھا۔ میں نے دور کہیں کسی شخص کو اُس کا نشانہ لیتے دیکھا۔ پتا نہیں، لارا۔۔۔ کچھ سوچنے کا وقت ہی نہیں ملا۔ خود بخود، میرا وجود اُس کی طرف دوڑا۔ دماغ کام نہیں کر رہا تھا، بس قدم اپنے آپ بڑھ رہے تھے۔ بس ایک بات سمجھ آ رہی تھی اور وہ یہ کہ میرا دل۔۔۔ میرا دل چاہتا تھا کہ وہ بچ جائے۔۔۔ کہ میں اسے بچا لوں۔''

وہ بڑی آہستگی سے یہ کہہ رہی تھی، ہر لفظ میں خوف، ہمت اور محبت کی آمیزش تھی۔

لارا سمجھ نہیں پائی کہ کیا جواب دے، بس خاموشی سے اسے سنتی رہی، پھر ہلکا سا مسکرائی۔

الیگزینڈرا اب باہر دیکھ رہی تھی۔ دالان سے باہر، دور اُسے خوبصورت سمندر دکھائی دے رہا تھا۔ روشنی کی نرم کرنیں پانی پر جھلک رہی تھیں، اور ہر موج اُس کی آنکھوں میں ایک عجب سکون چھوڑ رہی تھی۔

لارا بس خاموش اُس کے الفاظ کو دوبارہ ذہن میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ ہر لفظ سے کوئی مفہوم نکالنا چاہ رہی تھی، اور بالآخر، اُس نے مفہوم نکال لیا تھا مگر وہ اس مفہوم کو شہزادی کو نہیں بتا سکتی تھی۔

''اچھا مراد کا کیا ہوا؟ کیا اس نے دوبارہ کوئی سازش کی؟ کیا سلطان پر حملہ کرنے میں اسی کا ہاتھ تھا؟ سلطان نے کیا کیا اس کے ساتھ آخر اس نے شہزادی کے ساتھ اتنا غلط کیا تھا۔''

''لڑکے تم کتنا بولتے ہو؟'' بزرگ نے اسے گھور کر کہا۔ ''بیچ میں بات کاٹنا اچھی بات نہیں۔''

''آپ کہانی سنائیں اخلاقیات نہ سکھائیں مجھے۔''

''تم جیسوں کو سیدھا کرنا جانتا ہوں میں۔''

''مجھ جیسے آپ جیسوں سے سیدھے ہوتے ہوں گے میں آپ سے سیدھا نہیں ہو سکتا۔'' بحث فضول تھی۔ بزرگ نے بحث چھوڑ کر کہانی شروع کی۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ دروازہ کھلا اور تقریباً چار سالہ بچہ دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا۔ مُراد نے ہاتھ میں پکڑے کاغذات میز پر رکھے اور بچے کو فوراً گود میں اٹھالیا۔ وہ اب اس کا ماتھا اور گال چوم رہا تھا۔

"قاسم، میرا قاسم، کیسا ہے میرے شیر؟"

وہ اسے مختلف ناموں سے پکار رہا تھا، وہ لاکھ بُرا سہی، لاکھ لالچی سہی۔ مگر قاسم کے لیے اس کی محبت خالص تھی۔ اب وہ اسے گود میں لے کر بستر پر بیٹھ گیا۔ بڑی محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتا رہا۔

''کیسا گزارا آج کا دن؟''

''کچھ نہیں بابا، بس حسن پاشا نے آج بہت کام دیا، بہت لکھواتے ہیں۔ تھک گیا ہوں۔'' قاسم نے اپنے ہاتھ آگے کرتے ہوئے بتایا۔

مُراد اس کی بات سن کر مسکرایا۔

''حسن پاشا کی خبر لیتا ہوں، میں اتنا کیوں کام دیتا ہے میرے شیر کو؟''

اب وہ اس کے معصوم ہاتھ دیکھ رہا تھا اور اپنے لبوں سے لگا کر محبت سے پیار کر رہا تھا۔ کئی لمحے وہ یوں ہی بیٹھا رہا۔

اچانک اندر آغا کھانا لگانے کے لیے آئے۔ مُراد اب بھی قاسم سے باتیں کر رہا تھا۔

''بابا، کل آپ میرے ساتھ تلوار بازی کی مشق کریں گے نا؟''

مُراد نے سوچنے کی اداکاری کی۔

''میں ہرادوں گا اس بار آپ کو۔''

قاسم کی بات پر مراد بے اختیار ہنس پڑا۔

''اچھا تو یہ بات ہے، پھر تو ضرور کروں گا۔ دیکھیں تو، میرا شیر کتنا بہترین تلوار باز ہے۔''

اب کھانا لگ چکا تھا۔ مراد نے اسے گود سے اٹھایا اور میز پر بٹھایا۔ کھاتے ہوئے وہ قاسم کے منہ میں لقمے ڈال رہا تھا۔

افسوں، اس کی بیوی، بھی قریب بیٹھی تھی، مگر مُراد زیادہ اپنی بیٹے کی فکر کر رہا تھا۔

یہ صرف وہ نہیں تھا۔ ہر شہنشاہ، ہر شہزادہ، عورتوں سے زیادہ اپنے بچوں کی فکر کرتا تھا۔ ان کے نزدیک عورتوں کی عزت بھی اس لیے تھی کہ وہ ان کے بچوں کی والدہ تھیں۔ ورنہ تین برِاعظموں کے حکمرانوں کے نزدیک کنیزوں کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ مُراد بھی انہی شہزادوں میں سے ایک تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر مراد کاغذات دیکھنے لگا۔ قاسم، البتہ، سو چکا تھا۔ آج وہ اسی کے پاس سویا تھا۔ افسوں بھی ایک طرف قاسم کے قریب لیٹی ہوئی تھی۔ مراد کچھ دیر مزید بیٹھا رہا، پھر اٹھ کر بستر کی جانب آیا۔ وہ لیٹنے لگا جب اچانک اس نے دالان اور کمرے کے دوسرے دروازے سے کچھ لوگوں کو اندر آتے دیکھا۔

وہ سب سیاہ نقاب پہنے ہوئے تھے۔ ان کی جسامت اور قدموں کی آواز سے مراد اندازہ لگا چکا تھا کہ یہ جلاد ہیں، عثمانیوں کے جلاد۔ مراد نے ایک نظر دونوں طرف ڈال دی اور تیزی سے اپنا چاقو اٹھانے کے لیے میز کے قریب بڑھا، مگر اس سے پہلے کہ وہ چاقو اٹھاتا، ایک جلاد نے اسے پکڑ لیا۔ دوسرا جلاد اب اس کے گلے میں رسی ڈال رہا تھا۔

وہ چیخنے لگا، رسی کو اپنے گلے سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی چیخوں سے آفسوں اور قاسم بھی جاگ گئے۔ آفسوں تیزی سے اس کی جانب بڑھی۔

''شہزادے، شہزادے کو چھوڑ دو!'' وہ چیختی، انہیں ہٹانے کی کوشش کرنے لگی۔

پاس کھڑے دیگر جلادوں نے اسے سختی سے پکڑ لیا۔ چوتھا جلاد اب قاسم کی طرف بڑھ رہا تھا، اس نے قاسم کو اٹھایا اور دالان میں لے گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اتنی چھوٹی عمر میں قاسم اپنے باپ کو اس تکلیف

میں دیکھے۔

مراد کی سانس رُکنے لگی، اس کی چیخیں دھیرے دھیرے ختم ہونے لگیں۔ افسوں اسے دیکھ کر زور زور سے چلا رہی تھی۔ اسکا سب کچھ سامنے تھا اور وہ سب کچھ چھین رہے تھے۔ مراد کی نظروں کے سامنے بہت سے مناظر آئے۔ بہت سے بچپن کے خوشگوار لمحات۔ سب کو لگتا تھا شہزادوں کی زندگی سب سے حسین ہوتی ہے، مگر نہیں ایسا نہیں تھا۔ انہیں یا پوری سلطنت ملتی تھی اور یا دو گز زمین کا ٹکڑا۔ مراد اپنے بیٹے کا سوچ رہا تھا۔ پھر اچانک جلاد نے رسی چھوڑ دی، گلے سے رسی نکالی گئی۔ مراد کو ایک بار پھر زندگی دی گئی۔ جلاد اب آہستہ آہستہ کمرے سے نکل گئے۔ ان کی آمد یا جانے کی خبر باہر کسی سپاہی کو نہ ہوئی۔ وہ جلاد تھے، اور ان کی ہر حرکت خفیہ رہتی تھی۔

افسوں اب اس کے قریب بیٹھی تھی اور اسے تسلی دے رہی تھی۔ مراد نے موت کو بڑے قریب سے دیکھا تھا۔

''بابا!'' قاسم دالان سے واپس کمرے کی جانب آیا۔

مراد نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ ڈرا ہوا تھا، بہت زیادہ۔ مراد نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا گیا۔ قاسم اب رو رہا تھا۔ وہ اپنے باپ کی چیخیں سن کر رونے لگا، اسے زندگی یا موت کا ادراک نہیں تھا، بس یہ معلوم تھا کہ اس کا باپ رو رہا ہے۔ چار سال کی عمر میں اس نے اپنے باپ کو بری طرح تڑپتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے شاہی خاندان میں پیدا ہونے کی پہلی قیمت چکائی تھی، ابھی اور کئی باقی تھیں۔

وہ کمرے میں کھڑا تھا۔ رات کی سیاہی آسمان پر پھیلی ہوئی تھی۔

''سکندر، تم نے مراد کو مارنے کے لیے جلاد بھیجے ہیں؟''

(وہ ایک منٹ پہلے ہی کمرے میں داخل ہوئی تھیں اور اس سے یہی سوال کر رہی تھیں۔)

سکندر خاموش تھا۔انہیں اس کے ہر قدم کی خبر پہلے ہی کیوں مل جاتی تھی؟یقیناً کچھ لوگ اس کے کم اور والدہ سلطان کے زیادہ وفادار تھے۔

''والدہ،اس نے کچھ دن پہلے مجھ پر جان لیوا حملہ کروایا تھا،جس میں میری سلطانہ زخمی ہوئی تھیں... آپ اس کے جواب میں مجھ سے کیا توقع کر رہی تھیں؟''

''تو تم اسے مروادو گے؟''

وہ بے یقینی سے پوچھ رہی تھیں۔

سکندر ان کی بے یقینی پر خود بے یقین تھا۔

''والدہ،اس نے میری جان لینے کی کوشش کی ہے،یہ بات آپ کو معمولی لگتی ہے؟''

وہ اب قدرے غصے میں تھا۔

''سکندر،اسے ایک موقع دے دو،بس ایک موقع۔جان بخش دو۔''انکی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔

''والدہ،پہلے بھی ایک بار نہیں،کئی بار بخش چکا ہوں۔''

وہ مڑا اور میز سے کچھ اٹھا کر لایا۔وہ ایک چھوٹا رومال تھا۔

''یہ ملا تھا سپاہیوں کو اُس رات شکار سرائے کے پاس سے،آپ کے بیٹے مراد کی ملکیت ہے یہ۔اس حادثے پر معاف کیا،کسی کو پتہ نہیں لگنے دیا،مگر اب نہیں،والدہ۔''وہ غصہ کرتا پلٹ گیا۔

''سکندر!سکندر!خدا کے لیے''

تورہان سلطان آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھامنے لگیں۔سکندر نے غصے سے ہاتھ جھٹک دیا۔

تورہان سلطان نے دوبارہ پکڑنا چاہا۔

''خدا کے لیے،سکندر!مراد کو۔۔۔''

وہ اتنا ہی کہہ پائیں۔ان کا سانس بند ہونے لگا۔انہوں نے دوسرا ہاتھ اپنے دل پر رکھ لیا۔

سکندر کے چہرے پر موجود بل غائب ہو گئے۔اب وہ پریشانی سے تورہان کو دیکھ رہا تھا۔اگلے ہی لمحے وہ زمین پر گر گئی تھیں۔سکندر نے انہیں پکڑ لیا۔

''آغا! آغا! طبیبہ کو بلاؤ!''

اس کی اونچی آوازیں سن کر یاقوت ساتھ والے کمرے سے اندر آیا۔

''میرے آقا!'' وہ فکرمندی سے پکارتا تورہان سلطان کو دیکھنے لگا جو زمین پر گری تھیں۔

''یاقوت! یاقوت! والدہ کو کچھ ہو گیا ہے۔۔۔جلدی طبیبہ کو بلاؤ۔'' سکندر تقریباً چیخ رہا تھا۔

تورہان مسلسل کچھ بڑبڑا رہی تھیں۔

''مراد کو معاف کر دو،اسے کچھ مت کہنا،وہ میرا بیٹا ہے،اسے کچھ مت کرنا۔''

سکندر خاموش،بس ان کا چہرہ پکڑے بیٹھا تھا۔

کچھ ہی دیر میں طبیبہ آ چکی تھی۔تورہان سلطان کا علاج کیا جا رہا تھا۔سکندر اب کی بار فکرمند تھا۔بہت فکرمند۔جو بھی تھا،تورہان اس کی ماں تھی۔وہ پریشان تھا۔طبیبہ نے علاج کے بعد کچھ ادویات دیں اور پھر چلی گئیں۔عتیقہ تورہان کا ہاتھ پکڑے بستر پر بیٹھی تھی۔وہ تورہان کو اس حال میں دیکھ کر بہت پریشان تھی۔سکندر کچھ فاصلے پر پڑے صوفے پر براجمان تھا۔

''عتیقہ،اپنے کمرے میں جاؤ۔''

اس نے اچانک حکم صادر کیا۔

''نہیں جاؤں گی میں،یہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔کیا ضرورت تھی آپ کو مراد بھائی کے پاس جلاد بھیجنے کی؟''

وہ غصے سے بول رہی تھی۔اسکی آنکھیں نم تھیں۔اسکی ماں اس حال میں تھی اور بھائی۔۔۔کیا معلوم اس وقت جلاد اسکی لاش اٹھا کر جا رہے ہوں۔

سکندر اسے حیرانی اور بے یقینی سے دیکھتا رہ گیا۔عتیقہ اور مراد کی دوستی کمال تھی، وہ جانتا تھا، مگر اتنی کمال تھی۔۔۔۔ یہ اسے آج پتہ چلا۔

''اس نے مجھے مارنے کی کوشش کی تھی، عتیقہ۔۔۔''

عتیقہ اسے دیکھتی رہی۔

''مگر مرے تو نہیں نا۔''

سکندر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا۔

''دفع ہو جاؤ! نکل جاؤ یہاں سے! میری نظروں سے دور ہو جاؤ!''

وہ غصے میں کچھ بھی بولتا گیا۔اسے وفادار لوگ چاہیے تھے، غداروں سے اس کا کوئی لینا دینا نہیں تھا۔اسے عتیقہ سے محبت تھی، اسے مراد سے بھی محبت تھی مگر کچھ لوگ محبت کے قابل نہیں ہوتے وہ ہماری مخلصی کے قابل نہیں ہوتے۔وہ دونوں بھی نہیں تھے۔اگلے ہی لمحے عتیقہ کمرہ چھوڑ کر چلی گئی تھی۔سکندر اب بستر کے قریب زمین پر جا کر بیٹھ گیا۔وہ پوری رات یونہی بیٹھا رہا۔

''سکندر!''

رات کے آخری پہر تورہان کی آواز سن کر وہ چونکا۔

''والدہ! مراد سے اتنی محبت کیوں کرتی ہیں؟''

یہ وہ پہلا جملہ تھا جو اس نے تورہان کے ہوش میں آنے کے بعد کہا۔وہ پوری رات یہی سوچتا رہا تھا۔

''تم سب سے محبت کرتی ہوں۔''

''مگر اتنی نہیں جتنی مراد سے کرتی ہیں۔میں نے کبھی تخت کی خواہش نہیں کی تھی۔اگر آپ کو یہی کرنا تھا تو آپ مجھے تخت نہ دیتیں۔آپ ہی تھیں جنہوں نے بابا کا خط دیا۔چھپا دیتیں۔''

وہ نم اور تکلیف بھری آنکھوں سے تورہان سے مخاطب تھا۔

’’تخت ہمیشہ سے تمہارا ہی تھا۔‘‘

’’تو پھر کیوں ہر بار اس کی ناجائز بات میں طرفداری کرتی ہیں؟ کیوں، والدہ؟‘‘

’’سکندر، وہ میری اولاد ہے۔‘‘

’’میں بھی ہوں! اس نے مجھے مارنے کی کوشش کی۔ اگر اس روز میں مر جاتا، والدہ، تو آپ خوشی خوشی تخت اس کے حوالے کر دیتیں، میرے مرنے کا ذرا رنج نہ ہوتا آپ کو؟‘‘

’’سکندر، ایسا۔۔۔‘‘

’’ایسا ہی ہے، والدہ، جھوٹ مت بولیں۔‘‘

سکندر نے ان کی بات کاٹ دی۔

’’آپکی زبان پر ہمیشہ سے صرف ایک ہی نام تھا ’مراد‘۔ اگر حکمران آپ نے چننا ہوتا تو یقیناً مراد کو ہی چنتیں۔ پوری رات آپ اسے پکارتی رہیں، میں، میں بیٹھا تھا یہاں مگر آپ صرف اسے ہی پکار رہی تھیں۔ کوئی خاص محبت ہے آپکو مراد سے؟‘‘ وہ غصے سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں، مراد سے خاص محبت ہے مجھے، جاننا چاہتے ہو کیوں؟ کیونکہ وہ ہر وقت میرے ساتھ تھا، ہر معاملے میں، مگر تم، سکندر، تم نہیں تھے۔ تمہارے باپ کے سامنے، اسدر کے سامنے، وہ میرے لیے ڈھال تھا، تم نہیں تھے۔‘‘

سکندر حیرت سے توربان کو دیکھتا رہا۔

’’میں تھا، والدہ! مگر تب جب آپ حق پر تھیں۔‘‘

’’اور وہ ہر معاملے میں تھا، سکندر۔ وہ ہر دفعہ تھا، وہ ہر جگہ تھا۔ میں حق پر تھی یا نہیں، وہ میرے ساتھ تھا۔‘‘

سکندر اس کی بات سن کر طنزاً ہنسا۔ ایک قہقہہ بلند ہوا۔

’’یعنی وہ آپ کی ہر ناجائز بات میں آپ کے ساتھ تھا، اور اب آپ اس کی ہر ناجائز بات میں اس کے

ساتھ ہوں گی۔'' سکندر کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''وہ میرا بہترین بیٹا تھا۔ مگر تم نہیں۔''

''والدہ، میں آپ کا بہترین بیٹا بنتے بنتے بدترین انسان نہیں بن سکتا تھا۔ کیا چاہتی تھیں آپ کے جو غلط الزام آپ نے اسدر سلطان پر لگایا تھا میں اسے غلط ثابت نہ کرتا اور وہ اپنی ساری زندگی اس زندان میں گزار دیتیں۔ یا یہ چاہتی تھیں کہ میں ابراہیم کے متعلق وہ چند ثبوت نہ دکھاتا اور وہ ساری زندگی، بے گناہ ہونے کے باوجود اس بند قلعے میں گزار دیتا۔ یا یہ کہ میں ابراہیم کی جان لے لیتا۔ کیا چاہتی تھیں آپ؟''

ایک لمحے کے لیے ہر طرف خاموشی پھیل گئی۔ تورہان کے پاس اسکے جواب نہیں تھے۔ انکے ذہن میں مراد کا خیال آیا۔

''تم نے مراد کو کچھ۔۔۔۔'' مراد کا ذکر سن کر اس نے گہرا سانس لی۔

''آپ نہ بھی کہتیں تب بھی میں اس کی جان نہیں لیتا۔ مگر ایک بات یاد رکھیے گا، والدہ، وہ آپ کی حمایت ہر جگہ یونہی نہیں کرتا رہا۔ وہ آپ سے اس سب کے بدلے کچھ مانگے گا۔ کچھ بہت بڑا اور پھر آپ دینے پر مجبور ہو جائیں گی۔ اور اُس دن، جب آپ ہر طرف سے مشکل میں ہوں گی۔ تب سکندر نہیں ہوگا، والدہ۔ سکندر نہیں آئے گا۔''

وہ کہتا ہوا جانے کے لیے مڑا، پھر چند قدم بڑھا کر رک گیا۔

''تخت کی ہوس نہیں تھی مجھے۔ لیکن اب جب کہ میں بادشاہ ہوں، تو ہرگز یہ پسند نہیں کروں گا کہ کوئی مجھے تخت سے معزول کرنے کی کوشش کرے۔ اسے اپنی زبان میں سمجھا دیں۔ آئندہ اس نے یہ کیا تو گردن کاٹ کر جنگل میں پھینک دوں گا۔''

''سکندر، تم ایک عظیم سلطان ضرور ہو۔ پر عظیم بیٹے نہیں ہو۔'' تورہان نے آخری تیر پھینکا جو سکندر کے دل پر لگا تھا۔ بری طرح اسے زخمی کر گیا تھا۔ سکندر نے آنکھیں سختی سے بند کرلیں، پھر وہ قدم اٹھاتا

کمرے سے باہر نکل گیا۔تورہان کے الفاظ نے اسے زخمی کیا تھا۔۔۔بہت زیادہ زخمی۔
پوری ریاست اس کی تھی، مگر خاندانی اعتبار سے وہ تنہا تھا۔اس کے سگے اس کے سگے نہیں تھے اور نہ ہی ان میں اعتبار کے قابل کوئی شخص بچا تھا۔نہ ماں۔۔۔نہ بھائی۔۔۔نہ بہن۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ کمرے میں بیٹھا تھا جب یاقوت اندر آیا۔

''میرے آقا۔۔۔''

سر کو کچھ خم دے کر وہ مخاطب ہوا۔

''کہو، یاقوت۔''

سکندر کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''میرے آقا، ادرنا سے مکتوب آیا ہے۔''

یاقوت نے مکتوب سکندر کی جانب بڑھایا۔

کچھ لمحوں میں سکندر مکتوب پڑھ چکا تھا۔

''کوئی پریشانی کی بات ہے، میرے آقا؟''

یاقوت نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

سکندر نے سر نفی میں ہلا دیا۔وہ ابھی خاموش ہی تھا کہ دروازہ کھلا اور آغا نے شہزادہ ابراہیم کے آنے کی خبر دی۔سکندر کے اجازت دینے پر وہ اندر آیا۔کمرے کی فضا کافی خاموش اور سنجیدہ تھا۔

''کوئی فکر کی بات ہے؟''

ابراہیم نے سکندر اور یاقوت کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ارے نہیں، ابراہیم۔سلطان بیاضت خان نے جس مسجد کا سنگِ بنیاد ادرنا میں رکھا تھا، اس کے افتتاح

کے لیے بلا رہے ہیں، سوچ رہا ہوں اس جمعہ جاؤں اور اسی مسجد میں نماز ادا کروں۔''

''میرے آقا! ینی چریوں کی طرف سے مسائل کا سامنا ہو رہا ہے۔ آج ایک ینی چری کو خود میں نے بازار میں ایک کسان پر ظلم کرتے دیکھا ہے، حد سے تجاوز کر رہے ہیں سب۔'' ابراہیم نے ینیچیریوں کا حال بیان کیا تھا۔ وہ اکثر بازار میں گشت کرتا تھا۔ پھر صورتحال سکندر کو بتاتا۔

سکندر نے چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔ وہ یقیناً تھک گیا تھا۔

''کیا کروں میں ان کا، ابراہیم، یہ ینی چری ہر دور میں باغی رہے ہیں۔''

پھر اس نے خود کو سنبھالا۔

''دیکھ لوں گا ان سب کو میں، نسلیں یاد رکھیں گی انکی کہ سلطان سکندر مرزا کے خلاف کھڑے ہوئے تھے۔ فلحال جنگ قریب ہے میں کوئی لڑائی نہیں چاہتا۔ خیر، ابراہیم، میری غیر موجودگی میں گشت کرتے رہا کرو، عوام کے مسائل حل ہونے چاہئیں۔''

وہ دوبارہ کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

تین سے چار دنوں میں اسے ادرنا بھی جانا تھا، اور پھر تقریباً دو ہفتوں بعد ٹرانسلوانیا کے لیے نکلنا تھا۔ مشکل وقت آنے والا تھا، یہ سکندر کے سلطان بننے کے بعد پہلی جنگ تھی، اور ینی چری مسائل کھڑے کرنا شروع ہو چکے تھے۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

وہ چہل قدمی کرتی ہوئی شاہی باغیچے کے اس حصے میں آ چکی تھی جہاں سکندر اور یاقوت تلوار بازی کی مشق کر رہے تھے۔ الیگزینڈرا کا زخم اب بہتر تھا، گزشتہ دنوں میں سکندر نے اسکے آرام کا خیال رکھنے کا حکم دیا تھا۔ وہ خود بھی اسکی کافی فکر کرتا تھا۔ وہ روز رات کو اس سے ترک سیکھنے جاتی تھی اور وہ اس سے اسکی صحت کے متعلق سوال کرتا تھا۔ جنگ کے دن قریب تھے لہذا اسکندر اب اکثر مشق کرتا دکھائی دیتا تھا۔ وہ جب

یاقوت کے وار کو ناکام بنا کر اسے زمین بوس کرتا اسکا قہقہ فضا میں گونجتا۔

''یاقوت! اگر تم ایسے ہی لڑتے رہے تو یہ تمہاری پہلی اور آخری جنگ ہوگی۔'' وہ قہقہ لگاتے ہوئے بول رہا تھا۔ جواباً یاقوت بھی مسکرایا۔

''آقا! میں نالائق نہیں ہوں، دراصل آپ زیادہ ماہر ہیں۔''

وہ دوبارہ اٹھا۔ ایک بار پھر اس نے سکندر پر وار کیا جسے مہارت سے روکتے ہوئے سکندر نے ایک بار پھر اسے بری طرح زمین پر گرایا۔ سکندر کا قہقہ ایک بار پھر اسے دیکھ کر گونجا۔ اسکا چہرا آسمان کی طرف تھا۔ اسکے چہرے پر پانی کی چند بوندیں گر رہی تھیں۔ منظر خوبصورت تھا، الیگزینڈرا نظریں ہٹا نہیں پائی۔ اس نے چہرا نیچے کیا تو اسکی آنکھیں الیگزینڈرا کی آنکھوں سے ٹکرائیں۔ وہ جیسے پوری دنیا سے بے خبر ہوگیا۔ وہ یونہی کھڑا رہا۔ چہرے کی مسکراہٹ دھیمی ہو رہی تھی۔ اچانک یاقوت نے اس پر وار کیا، تلوار اسکے بازو پر لگی اور چھوٹا سا زخم ہوگیا۔

''معذرت میرے آقا!'' یاقوت نے فکرمند سے اسکا بازو پکڑا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ سکندر کا دھیان ہٹ چکا ہے ورنہ وہ وار نہیں کرتا۔ سکندر اسکی آواز پر چونکا، اس نے ایک نظر یاقوت کو دیکھا اور پھر زخم کو۔ اسے تکلیف محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

''کوئی بات نہیں یاقوت ہم مشق کر رہے تھے۔'' وہ تلوار سپاہی کو پکڑاتا کپڑے سے اپنا چہرا صاف کرنے لگا۔ اسکی نگاہیں بار بار الیگزینڈرا کی طرف اٹھ رہی تھیں جواب اسکی طرف بڑھ رہی تھی۔ الیگزینڈرا جب بھی سکندر کو اپنے پاس دیکھتی اسکے قدم خود بخود اسکی جانب بڑھنے لگتے۔ آج بھی بڑھ رہے تھے۔ وہ قریب آئی تو یاقوت نے سر جھکا لیا۔ اس نے یاقوت کی نیام میں موجود تلوار نکالی، یاقوت اور سکندر نے حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''میں نے سنا ہے عثمانیوں سے بہترین تلوار باز کوئی نہیں؟'' وہ سکندر کے گرد چکر کاٹ رہی تھی۔ سکندر

مسکرایا۔

''تو آپ آزمانا چاہتی ہیں؟''

جواباً الیگزینڈرا نے کندھے اچکائے،''شاید۔''

سکندر نے سپاہی سے اپنی شاہی تلوار لی اور سر سے ہلکا سا اشارہ کیا۔اگلے ہی لمحے باغیچہ خالی ہو چکا تھا وہاں بس سکندر اور الیگزینڈرا ہی موجود تھے۔

''آپ نے ٹھیک سنا ہے،ترکوں سے بہتر تلوار باز کوئی نہیں۔'' سکندر تلوار اب ہاتھ میں گھما رہا تھا۔

''اور میں ٹرانسلوانیا کی بہترین تلوار باز خاتون ہوں۔''الیگزینڈرا نے بھی فخر سے بتایا۔

''مگر آپ اس وقت سکندر مرزا کے سامنے کھڑی ہیں،ترکوں کے بادشاہ کے سامنے اور ترکوں کے بادشاہ سے جیتنا ممکن نہیں۔'' وہ ایک بار پھر فخر سے بتا رہا تھا۔غرور نہیں تھا بس فخر تھا۔یہ وہ نہیں پوری دنیا کہتی تھی۔

''واقعی؟''الیگزینڈرا نے کہتے ہوئے پہلا وار کیا۔سکندر نے بڑی مہارت سے اسکا وار روکا اور اسے نرمی سے ایک طرف دھکیلا۔وہ اس کے ساتھ مشق کرتے ہوئے نرمی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

الیگزینڈرا نے دوبارہ وار کیا سکندر نے اس بار اسے بازو سے مضبوطی سے پکڑا۔تلوار سکندر کے بائیں ہاتھ میں تھی۔دونوں کی نظریں ٹکرائیں،سکندر کی مسکراہٹ گہری ہوئی اور ایک بار پھر سکندر نے اسے خود سے پرے دھکیلا۔اس بار الیگزینڈرا نے بڑی مشکل سے خود کو گرنے سے بچایا۔سکندر اس کے اگلے وار کا انتظار کر رہا تھا،الیگزینڈرا نے تیزی سے اس پر وار کیا وہ اندھا دھند وار کر رہی تھی اور سکندر ہر وار سے بچتا چلا جا رہا تھا،اس بار اسکے وار کو سکندر نے اپنے تلوار سے روکا۔سکندر کے دونوں ہاتھ تلوار پر تھے اور سکندر نے زور لگا کر اسکے دونوں ہاتھوں کو تلوار سمیت اسکی پشت کے پیچھے کر دیا۔وہ دونوں بہت قریب تھے اتنا کہ الیگزینڈرا کو اپنا عکس اسکی آنکھوں میں دکھ رہا تھا۔اسے کچھ سمجھ نہ آیا تو اس نے اپنا سر بہت زور

سے سکندر کے ناک پر مارا، سکندر جو پوری توجہ سے اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا، اسکے اچانک عمل سے پیچھے ہٹا۔ اسکی ناک پر کوئی زخم یا چوٹ نہیں آئی تھی مگر اچانک عمل تھا لہذا وہ فوراً پیچھے ہٹا۔ وہ اسکی گرفت سے خود کو آزاد کرتی پیچھے ہٹی۔ سکندر کا رخ دوسری جانب تھا۔ وہ کچھ دیر یونہی رہا پھر اسکی طرف مڑا۔ وہ ایک بار پھر وار کرنے آگے بڑھی۔ سکندر اسے ہی دیکھ رہا تھا، وہ مسلسل اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ سکندر کے مسلسل دیکھنے سے گھبرا گئی اور اپنا توازن کھو بیٹھی۔ گھاس کے نم ہونے کے باعث وہ پھسلی مگر اس سے پہلے کے وہ گرتی سکندر نے اسے پشت سے تھاما۔ سکندر اب بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس پر آدھا جھکا ہوا تھا۔ اسکے ہاتھوں نے سکندر کی کفتان کو مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔ بہت سے لمحے ایسے ہی گزر گئے پھر اچانک تلوار الیگزینڈرا کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ کچھ شور پر سکندر اپنے خیالات سے باہر نکلا اور سہارا دے کر الیگزینڈرا کو کھڑا کرنے لگا۔

وہ اسے کھڑا کر کے تھوڑا فاصلے پر چلا گیا۔

''تو یعنی ترکوں کے بادشاہ سے کوئی نہیں جیت سکتا؟'' اس نے اونچی آواز میں سکندر سے پوچھا۔ جیسے وہ اس بات کو اب غلط ثابت کرنے والی تھی۔ سکندر نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر سر ہاں میں ہلایا۔ ''مگر دو صورتوں میں ممکن ہے۔'' تاہم الیگزینڈرا خاموش رہی۔

اگلے ہی لمحے الیگزینڈرا نے سکندر پر زبردست وار کیا، سکندر جو ابھی اس وار کیلئے تیار نہ تھا، اپنی تلوار ہاتھ سے گرا بیٹھا۔ اب الیگزینڈرا کی تلوار سکندر کی گردن پر تھی۔

''دیکھیں آپ نے کہا تھا کہ ترکوں کے بادشاہ سے جیتنا ناممکن ہے مگر اس وقت میری تلوار آپکی گردن پر ہے۔'' وہ اس سے جیت کر خوش تھی۔

''میں نے کہا تھا مگر دو صورتوں میں ممکن ہے۔'' سکندر نے اسے کچھ لمحے پہلے ہونے گفتگو یاد کرائی۔

الیگزینڈرا نے اسکی بات سن کر بھنویں سکیڑیں۔ جیسے وہ ان دو صورتوں کے بارے میں جاننا چاہتی ہو۔

''اگر بادشاہ اندھا ہو یا سامنے والے کا دیوانہ۔'' سکندر نے چمکتی آنکھوں سے اسے بتایا۔ بارش کے چند قطرے اب بھی اس کے چہرے پر گر رہے تھے۔ الیگزینڈرا ایک لمحے کیلئے ساکت ہو گئی۔ اسکی گرفت کچھ ڈھیلی ہو گئی تھی۔ سکندر نے اگلے ہی لمحے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے گھمایا اور اسکی پشت اپنی جانب کر لی۔ تلوار اب بھی الیگزینڈرا کے ہاتھ میں تھی مگر تلوار کی نوک سکندر کی بجائے اسکی اپنی گردن پر تھی۔

''اور میں نہ تو اندھا ہوں اور نہ دیوانہ، اس لئے مجھ سے جیتنا ناممکن ہے۔'' وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔ الیگزینڈرا اسکے اتنا قریب آنے سے کچھ گھبرا گئی تھی۔ سکندر کے بالوں سے پانی کے قطرے الیگزینڈرا کے کندھے پر گر رہے تھے اور الیگزینڈرا کی پشت سکندر کے سینے سے ٹکرا رہی تھی۔ سکندر کا ہاتھ الیگزینڈرا کے ہاتھ پر تھا جس سے اس نے تلوار تھامی ہوئی تھی۔ سکندر کچھ دیر یونہی کھڑا رہا پھر اس نے اپنا ہاتھ الیگزینڈرا کے ہاتھ سے ہٹا لیا۔ وہ تیزی سے پیچھے ہو گئی۔ اس نے مڑ کر سکندر کو دیکھا جو کھڑا ہلکا سا مسکرا رہا تھا۔

''تو پھر شہزادی! ٹھیک ہی سنا ہے نا آپ نے کہ۔۔۔۔''

''کہ ترکوں سے بہتر کوئی تلوار بازی نہیں کر سکتا۔'' الیگزینڈرا نے اسکا جملہ مکمل کیا۔ مزید کچھ کہے بغیر الیگزینڈرا نے تلوار گھاس پر گرا دی۔ بنا جملوں کا تبادلہ کئے وہ دونوں اب چہل قدمی میں مصروف تھے۔

''اتنی اچھی تلوار بازی آتی ہے آپکو، پہلے بتایا ہوتا میں یونہی اس دن اتنے ڈاکوؤں سے اکیلا لڑتا رہا۔'' سکندر نے چہل قدمی کے دوران بات کا آغاز کیا۔ وہ واقعی حیران تھا۔ عثمانیہ ریاست کی شہزادیاں طاقتور تھیں مگر انہیں یوں تلوار بازی نہیں سکھائی جاتی تھی۔ سکندر کی بات پر وہ ہنسی۔

''کیوں؟ پچھتا رہے ہیں آپ؟''

''نہیں۔ سکندر مرزا اپنے فیصلوں پر نہیں پچھتاتا۔''

''واقعی؟ ہر انسان کی زندگی میں ایک ایسا لمحہ ضرور آتا ہے جب وہ پچھتاتا ہے۔''

''نہیں میری زندگی میں ابھی تک ایسا کوئی لمحہ نہیں آیا۔'' سکندر نے پورے یقین سے جواب دیا وہ واقعی زندگی میں کبھی نہیں پچھتایا تھا۔

''ہوسکتا ہے آگے کبھی زندگی میں آئے۔'' سکندر نے اسے دیکھا اور پھر سر جھکا کر مسکرانے لگا۔

''ہوسکتا ہے۔''

''ویسے کبھی نہ پچھتانے کی وجہ؟'' الیگزینڈرا نے اسے دیکھتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔ وہ واقعی پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ کبھی کیوں نہیں پچھتایا۔

''کیوں کہ میں فیصلہ کرنے سے پہلے اسے ہر پہلو سے سوچتا ہوں۔ پھر فیصلہ کرتا ہوں۔'' الیگزینڈرا اسکی بات سن کر خاموش ہوگئی۔ کافی دیر خاموشی چھائی رہی۔ وہ ہلکی بوندا باندی میں چہل قدمی کرتے رہے۔

''ویسے بہت مختلف ہیں آپ۔'' اس نے اچانک ہی کہا۔ سکندر اسکی بات پر کچھ چونکا۔

''مطلب؟'' وہ واقعی اسکی بات نہیں سمجھا تھا۔

''یعنی ترکوں اور مسلمانوں کے متعلق بہت کچھ سنا ہے میں نے مگر آپ ویسے نہیں ہیں۔'' سکندر اسکی بات پر مسکرایا۔ وہ اب اسکی بات کو سمجھ گیا تھا۔ الیگزینڈرا کے آس پاس رہنے والے لوگ اسے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہی باتیں بتایا کرتے تھے لہذا وہ انہیں اچھا نہیں سمجھتی تھی۔ مگر جب سے اس نے سکندر کو دیکھنا شروع کیا تھا اسکے خیالات بدل رہے تھے۔

''اچھا تو آپکے خیال میں کیسا ہوں میں؟'' سکندر نے ایسے ہی اس سے پوچھا۔ کسی اور کی رائے سکندر کیلئے معنی نہیں رکھتی تھی مگر الیگزینڈرا کی رائے معنی رکھنے لگی تھی۔

''آپ اچھے ہیں،'' وہ کچھ گڑبڑائی۔ اسے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کیسا تھا۔ وہ اسکی اچھائی کو محسوس کرتی تھی، مگر الفاظوں میں بیان کیسے کرتی۔

''اصل میں شہزادی میں اچھا نہیں ہوں اور نہ ہی میں مکمل ہوں۔ اسلام اچھا ہے، اسلام مکمل ہے اور اس

پرعمل کرنے والا ہر شخص اچھا ہے۔مشورہ مانیے اسلام کو خود کھوجیں،آپکے آس پاس بہت سے لوگوں نے آپکو اسلام کے متعلق غلط بتایا ہوگا۔اس لئے آپکو ایسا لگتا ہے۔''

وہ دونوں چہل قدمی کرتے ہوئے کب اصطبل پہنچ گئے،انہیں علم ہی نہ ہوا۔مگر اب جب کہ وہ وہاں پہنچ چکے تھے،سکندر واپس جانا نہیں چاہتا تھا۔

ایک طرف شاہی گھوڑے تھے۔یعنی وہ جو شاہی خاندان کے افراد کے منتخب کردہ تھے۔اور دوسری جانب وہ گھوڑے جو یونہی اصطبل میں موجود تھے۔سب ہی اعلیٰ نسل کے گھوڑے تھے۔

الیگزینڈرا شاہی گھوڑوں کی طرف بڑھی۔وہ ایک ایک کر کے سب گھوڑوں کو دیکھتی رہی،پھر ایک سیاہ رنگ کے گھوڑے کے سامنے رک گئی۔

''یہ خوبصورت ہے۔''

اس نے گھوڑے کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

گھوڑا ابھی نہایت خاموشی سے اس کے سامنے کھڑا رہا۔

''یہ عموماً اجنبیوں کو ہاتھ نہیں لگانے دیتا۔''

سکندر اب اس کی پشت پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

''میں کوئی اجنبی تھوڑی ہوں۔''

یقیناً وہ اجنبی نہیں تھی۔وہ دوبار اس گھوڑے پر سوار ہو چکی تھی۔سکندر الیگزینڈرا کو دیکھ رہا تھا۔وہ مسکراتے ہوئے گھوڑے کو پیار کر رہی تھی۔

''پسند آیا یہ گھوڑا؟''

سکندر کے اچانک سوال پر اس نے اس کی طرف دیکھا۔

''بہت زیادہ۔''

''تو پھر یہ آپ کا ہوا۔''

سکندر کی بات پر وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ سیاہ گھوڑا سکندر کا تھا اور اسے جو چیز پسند آتی، سکندر وہ اسے دے دیتا تھا۔

کچھ دن پہلے وہ ترکی سیکھنے جب اسکے حجرے میں گئی تھی تو جانے سے پہلے وہ اس کے کمرے میں میز کے قریب کھڑی ہوگئی۔

''یہ آپ نے بنایا ہے؟''

میز پر پڑے ہار کو دیکھ کر اس نے پوچھا۔

وہ ہار نہایت نفاست سے تیار کیا گیا تھا۔ باریک سنہری زنجیر کے بیچوں بیچ جڑے چھوٹے بڑے گہرے سرخ یاقوت مدھم روشنی میں بھی دلکش چمک بکھیر رہے تھے۔ ان کی سرخی میں ایک عجیب سی کشش تھی.

سکندر اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔

''بالکل۔'' سکندر بھی اپنا بنایا قیمتی ہار دیکھ رہا تھا۔ اسے بنانے میں اسے وقت لگا تھا۔ یہ ہار اس نے بڑی محنت اور توجہ سے بنایا تھا۔

''کمال ہے۔۔۔۔بہت خوبصورت۔''

اس کی مسکراہٹ کتنی خوبصورت تھی۔ سکندر اسے دیکھتا ہی جا رہا تھا۔

''پسند آیا؟'' سکندر نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بہت زیادہ۔''

سکندر نے ہار اٹھایا اور اسکے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا۔ الیگزینڈرا کو اسکی حرکت سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

''تو پھر آپ کا ہوا۔'' وہ کچھ دیر رکا، ''اجازت ہے؟''

''اگر میں انکار کر دوں؟''

''تو میں آپکو تھما دوں گا۔''

''برا نہیں لگے گا؟''

''بلکل نہیں۔ میں آپکی مرضی کا احترام کروں گا۔''

''اجازت ہے۔'' بلآخر الیگزینڈرا نے جواب دیا۔

وہ اسے ہار پہنا کر کرسی پر براجمان ہوگیا۔

الیگزینڈرا گلے میں موجود ہار کو تھامے کھڑی تھی۔ وہ حیران تھی۔

''مجھے علم نہیں تھا کہ ترک اس قدر فراخ دل ہوتے ہیں۔''

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ اسے واقعی علم نہیں تھا۔

''سب نہیں ہوتے اور نہ ہی سب کے لیے ہوتے ہیں۔''

''یعنی صرف آپ ہیں اور صرف میرے لیے ہیں۔''

حقیقتاً ایسا ہی تھا، صرف وہی فراخ دل تھا اور صرف اسی کیلئے تھا۔ سکندر اس کی بات پر مسکرایا۔ اس کے گال میں پڑنے والے گڑھے بے حد خوبصورت تھے۔ الیگزینڈرا اسے دیکھتی رہ گئی۔

''ہو بھی سکتا ہے... اور ہو نہیں بھی سکتا۔''

وہ خیالوں سے باہر آئی۔

وہ جس چیز کی تعریف کرتی، سکندر اسے دے دیتا تھا۔ چاہے وہ چیز سکندر کو کتنی ہی عزیز کیوں نہ ہوتی۔ محل کے لوگ کہتے تھے اگر کسی دن شہزادی نے سلطان کی جان مانگ لی تو سلطان وہ بھی دے دیگا۔

سب اس پر سلطنت لٹانے کی بات کرتے تھے سکندر اس پر سلطنت لٹا رہا تھا۔

''کیا واقعی سلطان کبھی نہیں پچھتایا تھا؟'' سکندر حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

''ہاں ایک وقت تھا جب وہ نہیں پچھتاتا تھا۔''

''کیا مطلب کیا اسکی زندگی میں ایسا لمحہ آیا جب وہ پچھتایا؟''

''لمحہ! سلطان نے ایک دور پچھتاوے میں گزارا۔'' بزرگ نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ کیا نہیں تھا جو اسے یاد آیا۔

''کیوں؟ وہ کیوں پچھتاوے میں رہا؟''

''بچے وہ ابھی بعد کی بات ہے۔ تم وہاں سے سنو جہاں سے میں سنا رہا ہوں۔''

''اور اب آپ مجھے کیا بتا رہے ہیں؟''

''میں تمہیں سلطان اور اسکی سلطانہ کے چند قیمتی لمحات بتا رہا ہوں۔''

وہ دوسرے دروازے سے حجرے میں داخل ہوئی تھی۔ سامنے وہ نوافل ادا کر رہا تھا۔

وہ بستر پر بیٹھ گئی۔

وہ جب بھی رات کو اس کے حجرے میں آتی، سکندر یوں ہی عبادت میں مصروف ہوتا تھا۔ جس لمحے دنیا بھر کے حکمران عیاشی میں مشغول ہوتے تھے، سکندر اپنے رب کے حضور حاضر ہوتا تھا۔

کچھ دیر میں وہ نوافل سے فارغ ہو چکا تھا۔ اب وہ یوں ہی ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہا تھا۔

آج اس کی دعا میں ایک اور دعا کا اضافہ ہوا تھا۔

''یا رب! شہزادی کو اسلام قبول کرنے کی توفیق دے۔ ان کے دل میں اسلام کے لیے رغبت پیدا کر دے۔ یا رب، انہیں بہترین دین کا انتخاب کرنے کی توفیق دے۔'' وہ اس کے لیے ہدایت کی دعا مانگ رہا تھا۔ کسی کے لیے ہدایت کی دعا مانگنا بھی تو محبت ہے۔

وہ جائے نماز اٹھا کر مڑا، اور اسے بستر پر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ اس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔ بلاشبہ وہ اپنی عبادت میں محو تھا۔

اسے دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ الماری کی جانب بڑھا۔ جائے نماز وہاں رکھ کر وہ قرآن لے کر

دالان میں چلا گیا اور پھر زمین پر بیٹھ گیا۔قرآن اس کے سامنے کچھ اونچائی پر رکھا تھا۔
وہ اپنی خوش الحان آواز میں تلاوت کرنے لگا۔
الیگزینڈرا کو اس کی آواز خوبصورت لگتی تھی۔وہ کیا پڑھتا تھا، اسے معلوم نہیں تھا، مگر وہ جو بھی پڑھتا تھا، وہ کلام اپنے اندر ایک عجیب تاثیر رکھتا تھا۔وہ خاموشی سے اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی، اور پھر اسے سننے لگی۔جب وہ تلاوت کر چکا تو کچھ دیر یوں ہی قرآن کو سامنے رکھے بیٹھا رہا۔
''کیا پڑھ رہے تھے؟''
''تلاوت کر رہا تھا۔قرآن کی۔''
''قرآن کیا؟'' سکندر اب اسے قرآن کے متعلق بتا رہا تھا۔اس کی گہرائی، اس کا نزول، اس کی خصوصیات، اس کی سورتیں۔سب کچھ۔وہ بھی خاموشی سے سنتی رہی۔
سکندر اسے قرآن کے بارے میں بتا کر خاموش ہو گیا۔
''مرزا! مجھے اسلام کے بارے میں بتائیں گے؟'' سکندر نے اسے حیرت سے دیکھا۔وہ واقعی اس سے اسلام کے بارے میں پوچھ رہی تھی؟ کیا واقعی دعائیں اتنی جلدی قبول ہو جاتی ہیں؟
پھر سکندر اسے اسلام کے بارے میں بتانے لگا۔ہر پہلو، عبادات سے لے کر انعامات تک۔حقوق اللہ سے لے کر حقوق العباد تک۔دنیا سے لے کر آخرت تک۔اس نے اسے ہر چیز کے متعلق تھوڑا تھوڑا بتایا۔
وہ پوری رات اسے اسلام سے متعارف کرواتا رہا، اور وہ پوری رات اسلام کے بارے میں سنتی رہی۔
وہ سوالات کرتی، اور سکندر اسے اطمینان بخش جواب دیتا۔
اس رات۔وہ اسے دنیا نہیں سکھا رہا تھا۔وہ اسے دین سکھا رہا تھا۔

....

وہ اُس رات شاہی کتب خانے میں موجود تھا۔

شاہی کتب خانہ محل کے اُن حصوں میں سے تھا جہاں وقت جیسے تھم سا جاتا تھا۔

یہ ایک وسیع وعریض ہال تھا، جس کی بلند چھتیں گنبد نما انداز میں تعمیر کی گئی تھیں۔ چھت پر نہایت باریک اور نفیس نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ سنہری، فیروزی اور نیلگوں رنگوں کا ایسا امتزاج جو عثمانی فنِ تعمیر کی شان کو ظاہر کرتا تھا۔ درمیان میں لٹکتے فانوس، جن میں درجنوں شمعیں روشن ہوتیں، پورے ہال کو ایک مدھم مگر پُرکشش روشنی میں نہلا دیتے تھے۔ چاروں طرف دیواروں کے ساتھ اونچی اونچی لکڑی کی الماریاں بنی ہوئی تھیں، جن میں سینکڑوں کتب ترتیب سے رکھی تھیں۔ کچھ کتابیں چمڑے کی جلدوں میں بند تھیں، جن پر سنہری نقش کندہ تھے، جبکہ کچھ قدیم مخطوطے نہایت احتیاط سے ریشمی کپڑوں میں لپیٹے گئے تھے۔

ہال کے درمیان نرم قالین بچھے تھے، جن پر بیٹھنے یا مطالعہ کرنے کے لیے مخملی گاؤ تکیے رکھے تھے۔ ایک طرف چند خوبصورت صوفے بھی رکھے گئے تھے، جہاں بیٹھ کر سکون سے مطالعہ کیا جا سکتا تھا۔

ہوا میں پرانی کتابوں، روشن شمعوں اور لکڑی کی ہلکی سی خوشبو موجود تھی۔ کبھی کبھار دور کہیں صفحے پلٹنے کی آواز سنائی دیتی۔ یا پھر قلم کے کاغذ پر چلنے کی مدھم سرسراہٹ۔ ورنہ پورا کتب خانہ گہری خاموشی میں ڈوبا رہتا تھا۔ اونچی کھڑکیوں سے دن کے وقت سورج کی روشنی اندر آتی تھی۔

یہ صرف ایک کتب خانہ نہیں تھا۔ یہ علم کا خزانہ تھا۔ تاریخ کا امین۔

اور اُن رازوں کا نگہبان، جو صدیوں سے ان صفحات میں محفوظ تھے۔

وہ یقیناً اپنے کمرے میں موجود تمام کتب پڑھ چکا تھا، اسی لیے اب لاطینی زبان میں لکھی ایک نئی کتاب تلاش کر رہا تھا۔ اس کی انگلیاں آہستہ آہستہ کتابوں کی جلدوں پر پھسل رہی تھیں۔

اچانک۔

اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

وہ چونک گیا۔

آج تک اس پہر کوئی بھی کتب خانے میں نہیں آیا تھا۔

اس نے فوراً کتاب اپنی جگہ رکھی اور محتاط انداز میں سیدھا کھڑا ہو گیا۔اندھیرے میں اسے صرف ایک سایہ سا دکھائی دے رہا تھا۔کوئی آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے آگے بڑھا، سامنے سے گزرتے وجود کو بازو سے پکڑ کر کھینچا اور اسے الماری کے ساتھ لگا دیا۔

''آہ!''

مدھم سی آواز نکلی۔

سکندر کے ہاتھ میں موجود شمع کی روشنی اب اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

وہ ٹھٹک گیا۔

چند لمحوں تک وہ یونہی کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

''مجھے نہیں پتا تھا۔۔آپ ہیں۔مجھے لگا کوئی۔۔۔''

''چور ہے؟''اس نے طنز کیا۔

''کوئی چور آخر کتب خانے میں کیوں آئے گا؟اور تم نے تو کافی زور سے کھینچا۔''

وہ اپنا بازو دباتے ہوئے بولی۔

سکندر ایک قدم پیچھے ہٹا، ہلکی سی شرمندگی اس کے چہرے پر ابھر آئی۔

''اس وقت یہاں کیا کر رہی ہیں؟''

وہ پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''یہ سوال میں بھی آپ سے کر سکتی ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے وہ سامنے والی الماری کی طرف بڑھ گئی۔ اب وہ اوپر والی شیلف سے کتاب لینے کی کوشش کر رہی تھی، مگر اس کا ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچا تھا۔

سکندر خاموشی سے اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

''میں کچھ کتابیں لینے آیا تھا۔''

''میں بھی۔''

وہ ابھی تک کتاب تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''میں اٹھا دیتا ہوں۔''

وہ اس کے بالکل قریب کھڑا تھا۔ اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ کے اوپر سے گزرا اور اوپر والی شیلف تک پہنچ گیا۔ اس نے کتاب نکالی اور اس کی طرف بڑھا دی۔

اب وہ الماری اور اس کے درمیان کھڑی تھی ایک لمحے کے لیے دونوں کی نظریں ملیں۔

سکندر نے ایک لمحہ اور اسے دیکھا پھر آہستہ سے پیچھے ہٹ گیا۔

کتاب لے کر وہ قریب پڑے صوفے پر جا بیٹھی۔

کچھ دیر وہ وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر خود بھی آ کر اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گیا۔

الیگزینڈرا نے کتاب کھولی، ایک گہری سانس لی اور ماتھے پر بل ڈالے۔

''یہ بھی لاطینی زبان میں ہے۔ مجھے اب کوئی اور کتاب تلاش کرنی پڑے گی۔''

اب تک وہ جتنی کتب دیکھ چکی تھی، تقریباً سب ہی لاطینی میں تھیں۔

سکندر نے اس کے ہاتھ سے کتاب لے لی۔

''میں پڑھ کر سنا دیتا ہوں۔''

اس کی نظریں کتاب پر تھیں۔

اور الیگزینڈرا کی نظریں اس پر۔

''کیوں نہیں۔''

وہ اب دلچسپی سے اسے سن رہی تھی۔

سکندر بھی غیر معمولی توجہ سے پڑھ رہا تھا۔صوفے سے ٹیک لگائے، دونوں ہاتھوں میں کتاب تھامے، اس کی آواز دھیمی مگر واضح تھی۔ الیگزینڈرا اس کے قریب ہی ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ وقت جیسے آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔کافی دیر تک وہ پڑھتا رہا۔ پھر اچانک اسے اپنے کندھے پر ایک ہلکا سا وزن محسوس ہوا۔اس نے رُخ موڑ کر دیکھا۔الیگزینڈرا کا سر اس کے کندھے پر گرا ہوا تھا۔وہ سو چکی تھی۔سکندر کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا۔وہ غیر محسوس انداز میں اسکی طرف مائل ہو رہا تھا۔پھر آہستہ سے کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی۔مگر خود وہیں بیٹھا رہا۔نہ اس نے اسے جگایا۔نہ خود ہٹا۔بس یونہی خاموش بیٹھا رہا۔

کھڑکیوں سے آتی سورج کی روشنی جب اس کے چہرے پر پڑی تو وہ آہستہ آہستہ آنکھیں کھولنے لگی۔وہ کچھ لمحے ادھر اُدھر دیکھتی رہی پھر اچانک اسے سب یاد آیا۔وہ اب بھی کتب خانے میں تھی۔اس کے قریب ایک سیاہ بڑی چادر پڑی تھی، جو شاید اس کے اٹھنے پر نیچے گر گئی تھی۔سکندر وہاں نہیں تھا۔کتاب ایک طرف رکھی ہوئی تھی۔وہ آہستہ سے اٹھی اور باہر کی طرف بڑھی۔دروازے پر سپاہی اور مرجان موجود تھے۔یقیناً سکندر جاتے ہوئے اسے حفاظت کے لیے یہاں مقرر کر گیا تھا۔

''سکندر؟''اس نے مرجان سے پوچھا۔

''ادرنا''مرجان نے مختصر جواب دیا، وہ اگر پورا جملہ کہتا تو شاید وہ سمجھ نہ پاتی۔

وہ ادِرنا کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔

الیگزینڈرا چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔

اس کے دل میں ایک ہلکی سی کسک ابھری۔ وہ اسے الوداع بھی نہ کہہ سکی تھی اور وہ اس کیلئے رکا بھی نہیں تھا۔

وہ ایک دن پہلے ہی ادرنا کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ ایک عظیم الشان مسجد کے سامنے کھڑا تھا۔ مسجد اپنی شان وشوکت میں بے مثال تھی۔ بلند وبالا مینار آسمان سے ہمکلام ہوتے محسوس ہوتے تھے، اور ان پر کی گئی نفیس نقش ونگاری دیکھنے والے کو مسحور کر دیتی تھی۔ دیواروں پر کندہ آیاتِ قرآنی دل میں عجیب سا سکون اتار رہی تھیں۔ سنگِ مرمر سے مزین صحن اتنا صاف اور شفاف تھا کہ اس میں عکس صاف دکھائی دیتا تھا۔ ہر گوشہ عظمتِ اسلام کی گواہی دے رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک مسجد کو خاموشی سے دیکھتا رہا، پھر آہستہ قدموں سے اندر داخل ہو گیا۔ آج جمعہ کی نماز کی امامت وہ خود کروا رہا تھا۔

نماز کے لیے صفیں درست ہو چکی تھیں۔ لوگ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے تھے، گویا ایک جسم کی مانند۔ اس نے آگے بڑھ کر تکبیر کہی، اور اس کی پُرسکون مگر باوقار آواز میں ایسی تاثیر تھی کہ ہر دل جھک گیا۔ خطبے میں اس نے اتحاد کی اہمیت پر زور دیا، مسلمانوں کو ایک ہونے کا درس دیا، اور یاد دلایا کہ جب تک وہ متحد رہیں گے، کوئی طاقت انہیں جھکا نہیں سکتی۔

نماز ادا کرنے کے بعد وہ یاقوت اور ابراہیم کے ہمراہ جنگل کی جانب روانہ ہو گیا۔ ایدرنا کا جنگل شکار کے لیے بہترین جگہ تھا۔ سکندر بچپن میں اکثر وہاں آیا کرتا تھا۔ درختوں کی گھنی چھاؤں، پرندوں کی آوازیں، اور ٹھنڈی ہوا اسے ماضی کی یادوں میں لے جا رہی تھیں۔

ابراہیم اور سکندر اپنے بچپن کے قصے یاد کرتے ہوئے ہنستے جا رہے تھے۔

''ابیو، مانو یا نہ مانو، میں بہترین شکاری تھا۔'' سکندر نے ہنستے ہوئے کہا۔

''مجھے تو بس جانوروں کا شکار کرتے ہوئے دکھ ہوتا تھا، سلطانِ معظم۔'' ابراہیم نے مسکراتے ہوئے

جواب دیا۔
''ایبو، جب ہر چیز ہمارے لیے بنی ہے تو پھر افسوس کیسا؟ اور ہم کھانے کے لیے ہی شکار کرتے تھے۔''
سکندر اپنا شکار تلاش کر چکا تھا۔ اس کی نظر ایک ہرن پر جم گئی۔ وہ اب نشانہ لگانے کیلئے تیار تھا بلاشبہ وہ بہترین شکاری تھا۔ وہ تیر چلانے ہی والا تھا کہ اچانک گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز گونجی۔
آواز سن کر ہرن فوراً بھاگ گیا۔ سکندر نے ناگواری سے تیر کمان نیچے کر لیا۔
چند ہی لمحوں بعد گھوڑے اس کے سامنے آ کر رک گئے۔ سامنے والے گھوڑے پر سنہری بالوں والا ایک وجیہہ نوجوان سوار تھا، جو نیلے کفتان میں ملبوس تھا۔ سکندر کو دیکھتے ہی وہ فوراً گھوڑے سے اترا اور قریب آ کر سر جھکا دیا۔
سکندر اسے سنجیدگی سے دیکھتا رہا، پھر اس کے لبوں پر ایک مسکراہٹ ابھری۔
''عثمان۔'' وہ پکارا اور آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔
ابراہیم بھی مسکرا کر یہ منظر دیکھ رہا تھا، تاہم یاقوت سنجیدہ تھا۔
عثمان، شہزادہ عثمان بیاضت خان کی بہن کا اکلوتا بیٹا تھا، اور اس کی عمر تقریباً بائیس سال تھی۔ یاقوت اسے پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔ اب وہ ابراہیم سے مل رہا تھا۔
''کافی بڑے ہو گئے ہو، عثمان۔ کل ہی کی بات لگتی ہے جب تم چھوٹے سے تھے۔'' ابراہیم کی بات پر سب ہنس پڑے۔
ایک زمانے میں سکندر اور عثمان کی گہری دوستی تھی۔ سکندر نے اسے پایہ تخت بلوا بھیجا تھا، مگر چونکہ وہ خود وہاں موجود نہیں تھا، اس لیے عثمان اس سے ملنے ایدرنا ہی آ گیا تھا۔
اب وہ سب جنگل میں گشت کر رہے تھے۔ ابھی وہ جنگل سے باہر نہیں نکلے تھے کہ دوبارہ گھوڑوں کی آوازیں سنائی دیں۔ یاقوت اور سپاہیوں نے فوراً سکندر اور شہزادوں کے گرد حصار بنا لیا۔ ابرہیم اور عثمان

یوں کھڑے تھے کہ اگر کوئی تیر چلاتا تو سکندر تک پہنچنے سے پہلے انہیں لگتا۔ گھوڑے قریب آ کر رکے۔ یاقوت نے انہیں پہچان لیا۔ پایہ تخت سے قاصد آئے تھے۔

یاقوت نے مکتوب پکڑ کر سکندر کی جانب بڑھایا۔

''سکندر، ینی چریوں نے بغاوت کر دی ہے، میرے بیٹے، جلدی لوٹو، وہ محل کی جانب بڑھ رہے ہیں۔''

سکندر نے مکتوب ہاتھ میں مروڑ دیا۔

''میرا قہر دیکھنے کے شوقین ہیں یہ سب۔'' وہ سرد لہجے میں بولا اور تیزی سے گھوڑے کی جانب بڑھا۔

اس کے پیچھے ابراہیم اور عثمان بھی گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔

اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے محل کی جانب بڑھ رہے تھے۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔

اس کے سامنے کھانے کی میز سجی ہوئی تھی، مگر اس کی توجہ کھانے پر نہیں، بلکہ آنے والی خبروں پر مرکوز تھی۔

مراد کا دربانِ خاص، الیاس آغا، خاموشی سے آگے بڑھا اور اسے ایک مکتوب تھما دیا۔

مراد نے مکتوب کھولا اور غور سے پڑھنے لگا۔ اگلے ہی لمحے ایک شیطانی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ وہ خوش تھا۔ دو دن پہلے جو خفیہ ملاقات اس نے ینی چریوں کے سربراہ سے کی تھی۔ آخر کار اس کا فائدہ ہو چکا تھا۔ بے شمار دولت دیکھ کر یقیناً وہ اپنے سپاہیوں کو سکندر کے خلاف بھڑکانے میں کامیاب ہو گیا ہو گا۔ مراد کی آنکھوں میں ایک خطرناک چمک ابھری۔

سکندر یا تو ان جاہل ینی چریوں کی شرائط مان لے گا۔ یا پھر ان کے خلاف لڑ کر عوام اور ینی چریوں کو اپنا دشمن بنا لے گا۔ دونوں صورتوں میں فائدہ صرف اور صرف مراد کا تھا۔ وہ مطمئن تھا۔ بلکہ بے حد خوش۔

وہ اب کھل کر نہیں، بلکہ چھپ کر وار کرنے والا تھا۔ اسے اپنی جان بھی بچانی تھی اور سکندر کو تخت سے بھی ہٹانا تھا۔

مراد کی مراد۔۔۔اب پوری ہونے والی تھی۔

والدہ سلطان اپنے کمرے میں تھیں اوران کے ساتھ عتیقہ بھی موجود تھی۔فضا میں ایک عجیب سی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔

مرجان آغا تیزی سے اندرداخل ہوا۔

''ملکہ!ینیچری محل کے بہت قریب آ چکے ہیں،آقا اگر کچھ دیر تک نہ پہنچے تو وہ محل کے اندرداخل ہو سکتے ہیں۔''

والدہ سلطان کے چہرے پرسنجیدگی گہری ہوگئی۔

''مرجان!سب کوتہہ خانے میں بھیج دو،جلدی،حرم کی تمام خواتین کو،عتیقہ،تم بھی فوراً چلو!''

عتیقہ نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیااوروالدہ سلطان کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی۔کچھ ہی دیر میں سب تہہ خانے میں موجود تھے۔ایسے حادثات اور بغاوتوں کی صورت میں وہ ہمیشہ وہیں پناہ لیتے تھے۔

اچانک عتیقہ کی آواز گونجی۔

''والدہ!شہزادی؟''تورہان سلطان کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے۔

الیگزینڈرا،وہ ان کے ساتھ نہیں تھی۔

''میں جا کرسلطانہ کولے آتا ہوں۔''مرجان آگے بڑھنے لگا،مگروالدہ سلطان نے فوراًاسے روک لیا۔

''مرجان!اگرتم باہر گئے توانہیں معلوم ہوسکتا ہے کہ ہم کہاں ہیں۔''

''سلطانہ!وہ ابھی اندرداخل نہیں ہوئے ہوں گے۔''

''مرجان!اگرداخل ہو چکے ہوئے تو؟''

''ملکہ!آقا قیامت برپا کردیں گے اگرشہزادی کو کچھ ہوا۔''

”اسے میں دیکھ لوں گی، مرجان۔تم وہی کرو جو میں کہہ رہی ہوں۔“

مرجان خاموش ہو گیا۔وہ حکم کا پابند تھا اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔دل چاہتا تھا کہ جا کر شہزادی کو بچا لے۔مگر وہ غلام تھا اور غلام صرف حکم مانتا ہے۔اسی لمحے ینیچری محل کے اندر داخل ہو چکے تھے۔

الیگزینڈرا اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔اسے ینیچریوں کی بغاوت کا علم نہیں تھا۔اس نے کچھ دیر پہلے (دالان سے) کچھ لوگوں کو محل کی جانب بڑھتے دیکھا تھا مگر نہ وہ وجہ جانتی تھی، نہ کسی سے پوچھ سکتی تھی۔وہ دوبارہ دالان کی طرف بڑھی۔دل زور زور سے دھڑک رہا تھا ایک انجانا خوف اسے گھیرے ہوئے تھا۔دالان سے نیچے اس نے سپاہیوں کو زبردستی محل کے اندر گھستے دیکھا، اب اسے سب سمجھ آ گیا تھا۔

وہ تیزی سے دروازے کی طرف لپکی۔مگر دروازہ باہر سے بند تھا۔

لارا اندر نہیں تھی۔

لارا کہاں تھی؟ سب کہاں تھے؟

اس نے دروازے پر دستک دی۔کئی بار آوازیں لگائیں،مگر جب کوئی جواب نہ آیا تو اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔اب وہ اپنی حفاظت خود کرنے والی تھی۔اس نے جلدی جلدی کچھ بھاری سامان اٹھا کر دروازے کے سامنے رکھ دیا۔پھر وہ خنجر، جو چند دن پہلے سکندر نے اسے دیا تھا، اس نے مضبوطی سے ہاتھ میں تھام لیا۔محل کے اندر قیامت کا سماں تھا۔

سنگِ مرمر کی وہ چمکتی دیواریں، جو کبھی شان وشوکت کی علامت تھیں، اب خون کے چھینٹوں سے داغدار ہو چکی تھیں۔فرش پر جگہ جگہ سرخ دھبے پھیلے ہوئے تھے۔

لمبی راہداریوں میں تلواروں کی جھنکار گونج رہی تھی۔ہر وار کے ساتھ ایک چیخ بلند ہوتی،اور پھر خاموشی چھا جاتی۔کچھ آغا زمین پر بے جان پڑے تھے،ان کے ہاتھ ابھی تک تلواریں تھامے ہوئے تھے، جیسے

آخری دم تک لڑتے رہے تھے۔کئی زخمی سپاہی دیواروں کے ساتھ لگے کراہ رہے تھے،ان کی سانسیں ٹوٹ رہی تھیں،اور آنکھوں میں بے بسی جھلک رہی تھی۔

ینیچری درندوں کی طرح آگے بڑھ رہے تھے۔بے رحم،بے خوف،اور خون کے پیاسے۔جو بھی ان کے راستے میں آتا،وہ اسے کاٹ ڈالتے۔کسی کی التجا،کسی کی فریاد۔کسی چیز کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

ایک کونے میں ایک نوجوان سپاہی آخری بار اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔مگر اگلے ہی لمحے ایک تلوار اس کے سینے میں اتر گئی،اور وہ ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گیا۔

محل کے بڑے ستون،جو کبھی طاقت کی علامت تھے،اب اس خونریزی کے گواہ بن چکے تھے۔ہوا میں خون کی بو پھیل گئی تھی۔سانس لینا بھی دشوار ہو رہا تھا۔

یہ وہی محل تھا۔جہاں کبھی سکون،اختیار اور وقار کا راج تھا۔

اور آج،وہی محل ایک خونی میدان میں بدل چکا تھا۔جہاں ہر طرف صرف تباہی،چیخیں اور موت کا راج تھا۔الیگزینڈرا کمرے کے ایک کونے میں کھڑی تھی۔باہر سے آتی چیخوں اور شور نے اسے لرزا دیا تھا۔اچانک دروازے پر زوردار دھکے پڑنے لگے۔کوئی تھا۔۔۔جو اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

مگر اسی لمحے،اسے باہر سے سکندر کی آواز سنائی دی۔وہ بے اختیار دالان کی طرف دوڑی۔

نیچے۔۔۔سفید گھوڑے پر وہ موجود تھا۔وہ آ گیا تھا۔اس کے آنے کی خبر پا کر بہت سے ینیچری جا چکے تھے۔تاہم بہت سے اب بھی محل میں ہی تھے۔

جب سکندر محل میں داخل ہوا،تو اس کے قدم خود بخود سست پڑ گئے۔

دروازہ عبور کرتے ہی جو منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آیا۔۔۔وہ کسی بھی دل کو لرزا دینے کے لیے کافی تھا۔

وسیع وعریض راہداریاں اورفرش، جوکبھی شاہی وقاراورسکون کی علامت تھے،اب میدانِ جنگ کا منظر پیش کررہے تھے۔سفید سنگِ مرمر کا فرش خون سے اس طرح رنگ چکا تھا کہ اصل رنگ پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔جگہ جگہ لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔کچھ آغا، کچھ وفادار سپاہی، جو آخری سانس تک لڑے تھے۔ٹوٹے ہوئے نیزے، گری ہوئی تلواریں،اور بکھرا ہوا سامان اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ یہاں کس قدر شدید لڑائی ہوئی تھی۔ایک گھٹن سی محسوس ہورہی تھی۔

سکندر کے قدم آگے بڑھ رہے تھے،مگراس کی نظریں ہرطرف بھٹک رہی تھیں۔ ہرلاش کو دیکھ کر دل میں ایک خوف جاگتا۔ ہرخون کے دھبے پرنظر پڑتی تو سانس رک سی جاتی۔

ایک زخمی سپاہی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے نیم مردہ حالت میں پڑا تھا۔اسکی آنکھیں کھلی تھیں، جیسے وہ ابھی بھی کسی معجزے کا منتظر ہو،مگراس کا جسم حرکت کرنے سے قاصر تھا۔

سکندر کی جب اس پرنظر پڑی،تواس کے جبڑے سخت ہوگئے۔غصہ۔۔۔اور بے بسی۔۔۔

دونوں اس کے اندرایک ساتھ بھڑک اٹھے تھے۔وہ آگے بڑھا تواس کے قدموں کے نیچے خون کی نمی محسوس ہوئی۔اس نے ایک لمحے کوآنکھیں بند کیں، جیسے خود کوسنبھال رہا ہو۔

یہ اس کا محل تھا۔اس کی سلطنت۔اوراس کے اپنے لوگ۔

اورآج،سب اس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہوئے پڑے تھے۔اورظلم یہ کہ قتل کرنے والے بھی اس کے اپنے ہی تھے۔وہ ایک لمحے کوٹھٹک گیا۔دل میں ایک خوف ابھرا۔

کیااس کا خاندان؟

کیا وہ دیر سے آیا؟

کیاسب ختم ہو چکے؟ وہ یکدم تیزی سے آگے بڑھا، جیسے اب ایک لمحہ بھی ضائع کرنا اس کے لیے ممکن نہ ہو۔

اس کی سانسیں تیز ہو چکی تھیں آنکھوں میں بے چینی صاف جھلک رہی تھی۔

وہ سلطان تھا۔مگر اس لمحے فقط ایک شخص جو اپنے پیاروں کو کھونے کے خوف میں جل رہا تھا۔

اچانک اس نے مرجان کو اپنی طرف آتے دیکھا۔

''شکر ہے آپ آ گئے میرے آقا!'' وہ کہتا نم آنکھوں سے اسکی طرف آ رہا تھا۔

''مرجان سب کہاں ہیں؟''

''میرے آقا! سب تہہ خانے میں ہیں۔''

سکندر نے گہرا سانس لیا، جیسے کسی نے اس کے سینے سے بوجھ ہٹا دیا ہو۔وہ فوراً تہہ خانے کی طرف بڑھا۔اندھیری سی جگہ میں مشعلوں کی مدھم روشنی جل رہی تھی۔حرم کی خواتین ایک دوسرے کے قریب سمٹی بیٹھی تھیں، چہروں پر خوف اور بے یقینی کے آثار واضح تھے۔قدموں کی چاپ سن کر وہ کچھ اور گھبرا گئیں۔تورہان نے ہاتھ میں بڑی تلوار تھام رکھی تھی۔وہ اور کچھ اور خواتین تہ خانے کے دروازے کے پاس کھڑی تھیں۔مشکل وقت تھا اور والدہ سلطان پیچھے کیسے ہٹ سکتی تھیں۔وہ مشکل وقت میں پیچھے بیٹھنے والوں میں سے نہیں تھی۔سلطان بیاضت خان کی ملکہ، سلطان سکندر مرزا کی والدہ کمزور کیسے ہو سکتی تھی۔تہ خانے کا دروازہ کھلا تو سکندر اندر داخل ہوا۔

''والدہ!'' اس کی آواز میں بے اختیار بے چینی جھلک رہی تھی۔

تورہان سلطان نے جیسے ہی اسے دیکھا، فوراً آگے بڑھیں۔سکندر نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا اور انہیں مضبوطی سے گلے لگا لیا۔

''خدا کا شکر ہے آپ خیریت سے ہیں آپ کو کچھ نہیں ہوا۔''

اس کی آنکھیں بند تھیں۔جیسے وہ اس لمحے کو محسوس کر رہا ہو، جیسے خود کو یقین دلا رہا ہو کہ وہ واقعی محفوظ ہیں۔

تورہان سلطان نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔''ہم ٹھیک ہیں، میرے شیر۔''

چند لمحوں بعد سکندر نے آہستہ سے خود کو الگ کیا۔

مگر جیسے ہی اس کی نگاہیں اردگرد گھومیں۔۔۔۔اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔

وہ کسی کو ڈھونڈ رہا تھا۔اس کی نظریں ہر چہرے پر جا کر رکتی، پھر آگے بڑھ جاتیں۔۔۔۔بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔''الیکس ... ؟''اس نے دھیرے سے نام لیا جیسے خود کو ہی یقین نہ ہو۔وہ وہاں نہیں تھی۔

اس کا دل زور سے دھڑکا۔''والدہ!شہزادی کہاں ہے؟''اب اس کی آواز میں واضح گھبراہٹ تھی۔

تورہان سلطان کے چہرے پر ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی۔

یہی خاموشی سکندر کے لیے کافی تھی۔

''بولیں۔خدا کیلئے کچھ تو بولیں۔.وہ کہاں ہے؟''

اس نے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے پوچھا، جواب سننے سے پہلے ہی اس کے اندر کچھ ٹوٹنے لگا۔

''بیٹے ہم نے اسے بہت ڈھونڈا۔''تورہان سلطان کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی،

''مگر وہ یہاں نہیں پہنچی۔''یہ الفاظ سنتے ہی جیسے وقت رک گیا۔سکندر ساکت کھڑا رہ گیا۔چہرے کا رنگ اڑ گیا۔آنکھوں میں ایک لمحے کو خالی پن سا چھا گیا۔

''نہیں۔''اس نے بہت آہستہ سر ہلایا،''وہ یہاں ہونی چاہیے تھی۔''

جیسے وہ خود کو سمجھا رہا ہو یا شاید حقیقت کو جھٹلا رہا ہو۔

اگلے ہی لمحے اس نے تیزی سے اردگرد دیکھا۔جیسے وہ کہیں سے اچانک سامنے آجائے گی۔مگر وہ نہیں تھی۔اب اس کی سانسیں تیز ہو چکی تھیں۔''آپ نے اسے اکیلا چھوڑ دیا؟''

اس کی آواز میں غصہ نہیں تھا۔صرف خوف تھا۔شدید بے قابو خوف۔

تورہان سلطان کچھ کہنا چاہتی تھیں۔مگر الفاظ ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

سکندر نے ایک لمحہ بھی مزید ضائع نہیں کیا۔

وہ پلٹا اور بغیر کچھ کہے، تیزی سے تہہ خانے سے باہر نکل گیا۔

''سکندر!'' توربان سلطان کی آواز اس کے پیچھے گونجی۔

مگر وہ رکا نہیں۔ اس کے قدموں میں اب ایک جنون تھا۔ ''وہ زندہ ہونی چاہیے۔'' وہ خود سے بڑبڑا رہا تھا، ''وہ محفوظ ہونی چاہیے۔''

اس کی آنکھوں میں اب صرف ایک ہی خوف تھا۔

سلطنت، تخت، بغاوت۔ سب پیچھے رہ گئے تھے۔

اس لمحے اسے صرف اپنی قیمتی چیز کھو دینے کا خوف تھا۔

کمرے کے باہر ابھی بھی ینیچری موجود تھے۔ دروازے پر مسلسل وار ہو رہے تھے۔

مگر اب الیگزینڈرا نہیں ڈر رہی تھی۔

سکندر آ چکا تھا۔

اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔

وہ محل میں موجود تھا۔

اب کوئی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا؟

اور پھر۔ دروازہ ایک زوردار آواز کے ساتھ ٹوٹا اور لکڑی کے ٹکڑے بکھرتے ہوئے فرش پر جا گرے۔

دو ینیچری اندر داخل ہوئے۔ ان کی آنکھوں میں سفاکی اور چہروں پر خون کے چھینٹے تھے۔

الیگزینڈرا ایک قدم پیچھے ہٹی، مگر اس کے ہاتھ میں تھاما خنجر مزید مضبوط ہو گیا۔

''میرے پاس مت آنا جان لے لوں گی! مرزا آ چکے ہیں، جلد ہی وہ یہاں ہوں گے،''

وہ اپنی زبان میں چیخی۔ مگر ان کے لیے یہ محض بے معنی الفاظ تھے۔

ایک ینیچری طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف بڑھا۔ دوسرا دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا، جیسے اس

کے فرار کا راستہ بند کر رہا ہو۔ انہیں شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والا صرف ایک انسان ملا تھا وہ اسے کیسے چھوڑ دیتے۔

کمرے کی فضا یکدم تنگ ہو گئی تھی۔ سانس لینا مشکل لگ رہا تھا۔

پہلا سپاہی جھپٹا مگر الیگزینڈرا تیار تھی۔ وہ تیزی سے ایک طرف ہٹی، اور اسی لمحے اس نے خنجر اس کے بازو میں گھونپ دیا۔ ینیچری درد سے چیخ اٹھا۔ مگر وہ رکا نہیں۔ اس نے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹکا، خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ الیگزینڈرا نے فوراً خود کو سنبھالا اور پیچھے ہٹ گئی۔

دوسرا ینیچری اب آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ دونوں اب اسے گھیر چکے تھے۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا مگر اس کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ ساتھ عزم بھی تھا۔ وہ جانتی تھی، مرزا اسے بچا لے گا۔ وہ اسے کچھ ہونے نہیں دے گا۔ پہلا زخمی سپاہی دوبارہ اس پر جھپٹا۔ اس بار وہ اتنا تیز تھا کہ الیگزینڈرا پوری طرح بچ نہ سکی۔ اس کا کندھا دیوار سے ٹکرایا، مگر اس نے فوراً خود کو سنبھالا اور خنجر سیدھا اس کے سینے کی طرف چلایا۔ ینیچری نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ دونوں کے درمیان زور آزمائی ہونے لگی۔

اس کی کلائی اس کی مضبوط گرفت میں جکڑی ہوئی تھی آہستہ آہستہ خنجر اس کی اپنی طرف مڑنے لگا۔

الیگزینڈرا کی سانسیں تیز ہو گئیں۔ مگر اس نے ہمت نہیں ہاری۔ اس نے اچانک اپنے گھٹنے سے اس کے پیٹ پر وار کیا۔ ینیچری ایک لمحے کو پیچھے ہٹا۔ اور یہی لمحہ اس کے لیے کافی تھا۔ اس نے فوراً خنجر اس کے کندھے کے قریب گھونپ دیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ مگر دوسرے ینیچری نے موقع ضائع نہیں کیا۔

وہ پیچھے سے آیا اور اس نے اس کی کلائی پکڑ کر اسے زور سے دیوار کے ساتھ دے مارا۔

خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر جا گرا۔ اگلے ہی لمحے اس کی سخت گرفت اس کی گردن پر تھی۔

الیگزینڈرا کا سانس رکنے لگا۔ اس نے ہاتھوں سے اس کی گرفت ہٹانے کی کوشش کی مگر اس کی طاقت کے آگے وہ کمزور پڑ رہی تھی۔

اس کی ایڑیاں فرش سے اٹھنے لگیں۔آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔کمرہ گھومنے لگا۔

اسے لگا۔۔۔۔بس اب سب ختم۔اسی لمحے ایک چمکتی ہوئی تلوار فضا کو چیرتی ہوئی آئی،اور اگلے ہی لمحے پینچری کی گردن دھڑ سے جدا ہو چکی تھی۔خون کا فوارہ اچھلا اور اس کا بے جان جسم زمین پر گر پڑا۔

الیگزینڈرا دیوار کے ساتھ لڑکھڑا گئی،وہ سانس بحال کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

الیگزینڈرا کی آنکھیں بند ہونے لگیں بند ہوتی نگاہوں سے اس نے اسے دیکھا۔

گھنگریالے کالے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے۔بھوری آنکھیں چمک رہی تھیں۔

وہ اسے دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں کو۔

مگر الیگزینڈرا نے اسے صرف ایک لمحہ دیکھا۔

اگلے ہی لمحے اس کی نظر دروازے کے ساتھ کھڑے سکندر پر پڑی۔جو ابھی وہاں پہنچا تھا۔سکندر نے اسے دیکھا۔کسی نے اس کے جسم میں دوبارہ جان ڈال دی۔الیگزینڈرا دیوار کے ساتھ زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ابراہیم پہلے ہی ان کی نگاہوں کا تعاقب کر کے پیچھے ہٹ چکا تھا۔وہ پیچھے ہٹنا جانتا تھا۔سکندر اسکے قریب آ کر زمین پر پنجوں کے بل بیٹھ گیا اور پھر بغیر کچھ سوچے اسے گلے لگا لیا۔الیگزینڈرا کی آنکھوں سے بہتے آنسو اس کے کفتان کو بھگو گئے۔الیگزینڈرا نے سختی سے اسکی کفتان پکڑی ہوئی تھی۔

"مجھے لگا میں نے تمہیں کھو دیا۔میں نے تمہیں وہاں نہیں دیکھا تو میں ڈر گیا" اس کی آواز میں وہ بے چینی تھی جو شاید اس نے کبھی کسی کے لیے ظاہر نہیں کی تھی۔

اس نے اس کے ہاتھ تھامے۔انہیں الٹ پلٹ کر دیکھا،اسکی گردن پر سرخ نشان دیکھ کر سکندر کو بہت تکلیف ہوئی۔

اس نے آہستہ سے سر ہلایا۔

''میں ٹھیک ہوں۔''

الیگزینڈرا نے اسے اس طرح پہلی بار دیکھا تھا۔

وہ واقعی ڈرا ہوا تھا۔

کئی جنگیں بہادری سے لڑنے والا سکندر مرزا اس کے نہ ہونے کے خیال سے ڈر گیا تھا۔

انسان کو ہمیشہ اپنے عزیزوں کی موت ڈراتی ہے۔ خود کی موت سے کوئی نہیں ڈرتا۔

ابراہیم نے نظریں ان سے ہٹا کر ایک طرف گرے ینیچری کے سر اور اسکے دھڑ کو دیکھا۔ اور پھر خود سے مخاطب ہوا۔

لِاِبقَاءِ العُیُونِ الزَرقَاءِ مَفتُوحَۃً ،کُلُّ شَیءٍ

(نیلی آنکھوں کو کھلا رکھنے کے لیے کچھ بھی)

''اور ابھی وہ سلطان مرزا صاحب کہتے ہیں کہ نہیں نہیں محبت نہیں ہوئی انہیں۔ عجیب ہے۔'' سکندر نے غصہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔ بزرگ ہلکا سا مسکرایا۔

''وہ بس اپنے جذبات سے ناواقف تھا۔ وہ اپنے احساسات کو بس نام نہیں دے پایا تھا۔'' بزرگ کی آنکھوں میں چمک تھی نا جانے کیوں اسکی آنکھوں میں پانی آرہا تھا۔ وہ اپنوں کا ذکر کررہا تھا۔ اسے تکلیف تو ہونی ہی تھی۔ زخم تو کھلنے ہی تھے۔

''خیر تمہیں سلطان کی طاقت اور رعب کا قصہ سننا ہے؟''

''ہاں کیوں نہیں۔''

وہ آج ایک بار پھر محل کے وسیع صحن میں موجود تھا۔ وہ تخت پر براجمان تھا اور اس کے قریب وزراء اور ینیچریوں کے دوسربراہ موجود تھے۔ باقی تمام سپاہی اس وقت چھاؤنی میں موجود تھے، جبکہ محل کے صحن میں

سکون کا عجیب سا ماحول چھایا ہوا تھا۔

سکندر تخت پر بیٹھا تھا۔اس کے سر پر سفید، بڑا سا تاج تھا جو اس کی عظمت کی علامت تھا۔اس کے پیچھے دو طاقتور سپاہی کھڑے تھے، جن میں سے ایک کے ہاتھ میں شاہی تلوار تھی۔چمکتی ہوئی شاہی تلوار خطرے کی انتہا ظاہر کر رہی تھی۔

سکندر اب اٹھ کر ینیچریوں کے سربراہ علی آغا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''علی آغا! ہمارے آباواجداد کے دور میں ایسی بغاوت کا کیا انجام ہوا تھا؟''

یہ سوال نہیں تھا، بلکہ قدم اٹھانے سے پہلے کی ایک تمہید تھی۔

''میرے آقا!'' علی آغا بے یقینی سے سکندر کو دیکھ رہا تھا۔وہ صرف اس وجہ سے سپاہیوں کو پیچھے چھوڑ کر احمد آغا کے ساتھ یہاں آیا تھا، کیونکہ سلطان ان سے مذاکرات کر کے ان کی شرائط ماننے والا تھا۔مگر یہاں سلطان کچھ اور ہی سوال کر رہا تھا۔

''میرے آقا!'' اس کی زبان تلخی سے بھری ہوئی تھی۔اسے اپنے سامنے سکندر نہیں موت نظر آ رہی تھی۔

''بتاؤ علی آغا۔'' سکندر نے اس کی گردن کو ایک جانب سے مضبوطی سے پکڑ لیا۔

علی آغا اس کا دباؤ برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

''میرے آقا! سزا۔۔۔سزائے موت!'' بڑی مشکل سے اس نے جواب دیا۔

''تو پھر اے غافل! کیا سوچ کر تم نے یہ بغاوت کی؟ میرے محل میں جبکہ میرا خاندان وہاں موجود تھا، کیا سوچ کر تم داخل ہوئے؟ کیا سوچ کر تم نے محل میں موجود خواتین کو ڈرایا کیا لگتا تھا کہ بغاوت کر کے تم مجھے زیر کر لو گے؟'' وہ سب گفتگو کے دوران اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔

''معاف کر دیں میرے آقا!'' وہ اب التجا کر رہا تھا۔

''میں سکندر مرزا غداری معاف نہیں کرتا۔'' سکندر نے یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔

سپاہی نے شاہی تلوار اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ سکندر نے ایک ہی وار میں دونوں سربراہان کے سر تن سے جدا کر دیے۔

وسیع میدان میں خون بہنے لگا۔ سکندر نے تلوار بلند کی۔

''ہر کوئی یہ سن لے اور جان لے، میں سلطان سکندر مرزا، سلطان بیاضت خان کا جانشین، آج تک خدا کے سوا کسی کے سامنے نہ جھکا ہوں، اور نہ کبھی جھکوں گا۔ جس کسی نے آئندہ بغاوت کی اور میرے تخت پر نظر ڈالی، بخدا اس کا انجام یہی ہوگا!'' اس نے کٹے ہوئے سر کی جانب اشارہ کیا۔ لمحے بھر کے لیے ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

''سلطان سکندر مرزا زندہ باد!''

اب نعرے بلند ہو رہے تھے۔ سکندر نے تلوار سپاہی کو واپس پکڑائی اور خود محل کے اندر بڑھ گیا۔

''ٹرانسلوانیا کا کیا ہوا؟ فتح ہوا یا نہیں؟ کہیں سلطان نے محبت میں جنگ ہار تو نہیں دی نا؟'' سکندر کو سلطان پر طنز کرنے کا مزا آ رہا تھا۔ بزرگ ہنسا۔

''نہیں ابھی وہ محبت میں پوری طرح پاگل نہیں ہوا تھا۔'' بزرگ اب بھی مسکرا رہا تھا۔

روزانہ کی طرح آج بھی وہ اسے تُرکی زبان سکھا رہا تھا۔ سامنے رکھے کاغذ پر اس کے قلم کی سیاہی بہہ رہی تھی، حروف ایک ترتیب سے جنم لے رہے تھے اور الیگزینڈرا ہمیشہ کی طرح خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی، لفظوں سے زیادہ وہ اس کے تاثرات پڑھ رہی تھی۔

''کل ٹرانسلوانیا کے لیے نکلو گے؟'' وہ اب سکندر کے ساتھ کافی حد تک بے تکلف ہو چکی تھی۔

سکندر کے کاغذ پر چلتے ہاتھ لمحہ بھر کو رک گئے۔

''ہمم۔۔۔ ان شاءاللہ، فاتح لوٹوں گا اور پھر۔۔۔۔''

''پھر میں اپنے ملک چلی جاؤں گی۔''

اس نے اس کا جملہ خود ہی مکمل کر دیا۔ ایک لمحے کے لیے فضا میں عجیب سی خاموشی چھا گئی۔ وہ اگر ایک بار کہہ دیتا کہ نہ جاؤ تو شاید وہ کبھی نہ جاتی۔ اور اگر وہ کہتی کہ وہ نہیں جانا چاہتی تو سکندر اسے روک لیتا۔ مگر دونوں ہی زبردستی کے قائل نہیں تھے اور شاید یہی ان کے درمیان سب سے بڑی دیوار تھی۔

''بہت خوش ہیں؟'' سکندر نے نہ جانے کس امید کے تحت یہ سوال کیا۔

''بہت زیادہ۔'' یہ جواب اس کے دل پر ایسے لگا جیسے کسی نے خاموشی سے خنجر اتار دیا ہو۔

''مرزا! مجھے کچھ کہنا ہے۔'' کچھ دیر بعد الیگزینڈرا کی آواز نے پھر خاموشی کو توڑا۔

''کہیے۔'' سکندر اس سے اسکی مرضی کے بغیر بے تکلف نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ دوبارہ کاغذ کی طرف متوجہ ہو گیا، جیسے خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''میں اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں۔'' سکندر نے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی ایک ساتھ اتر آئے تھے۔

''والدہ نے کہا ہے؟ یا کسی نے مجبور کیا ہے؟''

''بالکل نہیں۔'' وہ ہلکا سا مسکرائی۔

''جاننا چاہتے ہو میں مسلمان کیوں ہونا چاہتی ہوں؟''

سکندر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''میں تمہارے اخلاق سے متاثر ہوئی ہوں، مرزا۔ میں نے سوچا، اگر کسی مذہب کا پیروکار اتنا بہترین کردار اور اتنی خوبصورت صفات کا حامل ہو سکتا ہے، تو وہ مذہب یقیناً بہترین ہو گا۔''

سکندر کے لبوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ آ گئی۔

''کیا آپکو یقین ہے کہ یہ سب وقتی جوش نہیں ہے اور۔۔۔۔''

''ہاں مجھے یقین ہے۔''

وہ آہستہ سے اس کے قریب آیا۔

"اگر آپ واقعی دل سے اسلام قبول کرنا چاہتی ہیں تو میرے ساتھ دہرائیں‘‘

اس کی آواز میں نرمی بھی تھی اور وقار بھی۔

’’اشہدان لا الٰہ الا اللہ۔‘‘

وہ ٹھہر ٹھہر کر ادا کر رہا تھا، اور الیگزینڈرا اس کے پیچھے دہرا رہی تھی۔

’’واشہدان محمدً اعبدہٗ ورسولہٗ۔‘‘

الفاظ اس کی زبان پر نئے تھے، مگر دل میں ایک عجیب سی روشنی اترتی جا رہی تھی۔ سکندر کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ اب وہ مسلمان ہو چکی تھی۔ اور شاید اسی لمحے، سکندر خود بھی اس سے محبت کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ وہ دیر تک خاموشی سے مسکراتا ہوا اسے دیکھتا رہا۔

’’میری ایک خواہش تھی۔‘‘ الیگزینڈرا نے آہستہ سے کہا۔ ’’کہ تم مجھے ایک مسلم نام دو۔‘‘

آج اس کے الفاظ سکندر کو واقعی حیران کر رہے تھے۔

’’آپ کی خواہش ہو اور میں پوری نہ کروں؟ ایسا ممکن ہے؟‘‘

وہ کچھ دیر تک اسے غور سے دیکھتا رہا، جیسے اس کے لیے کوئی ایسا نام تلاش کر رہا ہو جو اس کی ذات کی طرح منفرد ہو۔ پھر اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ ’’آئینور مرزا۔‘‘ وہ ٹھہر ٹھہر کر اس کا نام ادا کر رہا تھا۔ وہ نام سن کر کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔ ’’آئینور مرزا... اس کا مطلب کیا ہے؟‘‘

سکندر کی نظریں اس پر ٹھہر گئیں۔

’’آپکا نام، آئینور۔۔۔ ترُکی کے لفظ ’آئی‘ یعنی چاند اور عربی کے لفظ ’نور‘ کا امتزاج ہے۔ یعنی چاندنی۔ اور ’مرزا‘۔ یہ شہزادوں اور اعلیٰ نسب والوں کا لقب ہے۔

تو آپکا نام ہوا ’وہ چاندنی جو صرف ایک شہزادے کے لیے ہو۔‘

وہ اسے دیکھتے ہوئے دل میں کچھ اور بھی سوچ رہا تھا۔

''اور چونکہ میں مرزا ہوں لہذا وہ چاندنی ہمیشہ سے میری دنیا روشن کرنے کے لیے ہی تھی۔''

سکندر نے اسے اپنا نام دیا تھا۔ اور آج تک کسی سلطان نے کسی خاتون پر ایسی نوازش نہیں کی تھی۔

کچھ دیر بعد سکندر نے اسے چند کتابوں کے نام بتائے، جن کا مطالعہ اسے اسلام کے مزید قریب لا سکتا تھا۔ اس نے اسے وقتاً فوقتاً شیخ الاسلام سے ملنے کی ہدایت بھی دی۔

اور پھر ٹرانسلوانیا کی فتح تک، وہ اسے اسلام سیکھنے اور سمجھنے کی تلقین کرتا رہا۔

وہ والدہ سلطان کے کمرے میں داخل ہوا تو لمحہ بھر کو قدم رک گئے۔

کمرے میں سب موجود تھے۔

جنگ سے پہلے سلاطین کا خاندان ہمیشہ اسی طرح ایک جگہ جمع ہوتا تھا۔ خاموش دعاؤں، چھپے خوف اور مضبوط چہروں کے ساتھ الوداع کہنے کے لیے۔ فضا میں عجب سا بوجھ تھا۔ وہ آگے بڑھا۔

تورہان سلطان کے قریب جا کر ان کا ہاتھ تھاما۔ نرمی سے۔ احترام سے۔ اور جھک کر اسے بوسہ دیا۔

''دعاؤں میں یاد رکھیے گا، والدہ۔''

''خدا تمہیں فتح نصیب کرے۔''

ان کی آواز مضبوط تھی، مگر آنکھوں کی نمی چھپ نہ سکی۔

وہ آگے بڑھا۔

عتیقہ کے سامنے اپنا ہاتھ بڑھایا۔

وہ فوراً جھکی اور اس کا ہاتھ چوم لیا۔

''میرے آقا! میں اُس دن کے لیے معذرت خواہ ہوں۔''

اس کی آواز میں سچا پچھتاوا تھا۔

سکندر نے ایک لمحہ اسے دیکھا۔ گہری، پرکھتی ہوئی نظر سے دیکھا۔

''آئندہ ایسا مت کرنا۔''

الفاظ کم تھے۔ مگر وزن رکھتے تھے۔

وہ کچھ لمحے رکا۔ پھر اس کے ماتھے پر ہلکا سا بوسہ دے کر آگے بڑھ گیا۔

اور پھر۔ وہ رک گیا۔ سامنے آئینور کھڑی تھی۔ خاموش۔ مگر اس کی آنکھوں میں ہزاروں باتیں تھیں۔

سکندر نے اسے دیکھا۔ دیر تک۔ مگر اس بار اس نے اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھایا۔ وہ اس کی کنیز نہیں تھی۔

وہ شہزادی تھی۔ شاید اس سے بھی زیادہ۔ آئینور نے اس کی جھجک کو محسوس کیا۔

چند لمحے وہ بھی اسے دیکھتی رہی۔ پھر آہستہ سے اس کا ہاتھ تھاما۔ اور خود جھک کر اس پر بوسہ دینے لگی۔

سکندر کی آنکھوں میں ایک لمحے کو حیرت چمکی۔ وہ واقعی سکندر کو حیران کرنا جانتی تھی۔

''خدا فتح نصیب کرے۔'' اس نے قدرے ٹوٹی پھوٹی ترک زبان میں کہا۔

سکندر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

''بہت شکریہ آئینور۔'' یہ نام سن کر توربان سلطان اور عتیقہ دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

''میں نے آپ کو بتایا نہیں، والدہ۔'' سکندر اب بھی آئینور کو ہی دیکھ رہا تھا۔

''آئینور مرزا اب مسلمان ہو چکی ہیں اور کل ہی میں نے انہیں یہ نام دیا ہے۔''

ایک لمحے کو فضا بدل گئی۔

پھر وہ مڑا، ''والدہ! میری سلطانہ آپ کے پاس امانت ہیں۔ جب تک میں جنگ سے واپس نہیں آتا، آپ ان کا خاص خیال رکھیں گی۔''

توربان سلطان کے چہرے پر واضح ناگواری تھی، مگر سکندر کی آواز میں ایسا یقین تھا کہ کوئی اعتراض لبوں

تک نہ آسکا۔

''عثمان کو میں پایہ تخت کا امین مقرر کر رہا ہوں۔ اگر کوئی مسئلہ ہو تو اسی سے رجوع کیجیے گا۔ وہ میری واپسی تک یہیں قیام کرے گا۔''

پھر اس نے گہرا سانس لیا۔

''خدا ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔'' یہ کہہ کر وہ مڑا۔ مگر جانے سے پہلے ایک آخری نظر آئینور پر ڈالی۔

وہ نظر، لمبی نہیں تھی مگر مکمل تھی۔ اور پھر وہ باہر چلا گیا۔ دروازہ بند ہوا۔ اور کمرے میں ایک خاموشی رہ گئی۔

باہر، ایک ستون کے سائے میں ابراہیم کھڑا تھا۔ اس کی نظریں بار بار آئینور کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

پھر وہ بھی خاموشی سے مڑ کر باہر کی جانب بڑھ گیا۔

ایک جانب روس کی فوج صف آرا تھی۔

اور دوسری جانب سکندر کی فوج، نظم و ضبط اور عزم کی تصویر بنی کھڑی تھی۔ زمین جیسے آنے والے طوفان سے پہلے سانس روکے کھڑی تھی۔

سکندر اپنے گھوڑے پر سوار، لشکر کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ہوا یا قوت کے ہاتھ میں موجود پرچم کو لہرا رہی تھی، اور سکندر کی نگاہیں اپنے سپاہیوں پر جمیں تھیں۔ گویا ہر ایک کے دل میں جھانک رہی تھیں۔

''آج کا دن تمہارے حوصلے کا امتحان ہے!''

اس کی آواز بلند، مگر پُر سکون تھی۔

''سامنے کھڑے لوگ تم سے زیادہ طاقتور نہیں۔ مگر اگر تمہارے دل کمزور پڑ گئے، تو تمہارے ہاتھ بھی کمزور ہو جائیں گے!''

وہ ایک لمحہ رکا۔

''یاد رکھو تم صرف زمین کے لیے نہیں لڑ رہے۔ تم اپنی عزت، اپنے ایمان اور اپنی آنے والی نسلوں کے لیے لڑ رہے ہو۔ تم ظالموں کے خلاف لڑ رہے ہو۔!''

اور جو آج گرے گا، وہ ہارے گا نہیں۔ وہ امر ہو جائے گا!''

''اللہ اکبر!''

سپاہ کی صفوں سے ایک گرج دار صدا بلند ہوئی۔

اور پھر، جنگ شروع ہو گئی۔ تلواریں ٹکرائیں۔ نیزے چلے۔ گھوڑے زمین کو روندتے ہوئے آگے بڑھے۔ دھول اور خون ایک ساتھ فضا میں گھل گئے۔ سکندر اپنی تلوار لیے دشمن کی صفوں کو چیرتا چلا جا رہا تھا۔ ہر وار میں مہارت تھی، ہر حرکت میں تجربہ۔ ایک سپاہی اس پر جھپٹا۔ اس نے گھوڑا موڑا، وار روکا، اور اگلے ہی لمحے اس کا سر زمین پر تھا۔ چاروں طرف چیخیں تھیں، نعرے تھے۔ سکندر دشمن کی صفوں کو چیرتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ مگر وہ اکیلا نہیں تھا۔

یاقوت، وہ جیسے میدانِ جنگ میں طوفان بن چکا تھا۔ اس کی تلوار بجلی کی مانند چمکتی، اور ہر وار اپنے ساتھ ایک انجام لاتا۔ وہ نہ جلد بازی کرتا تھا، نہ ہچکچاتا۔ ہر حرکت میں مہارت تھی، ہر قدم ناپا تولا۔ ایک سپاہی اس پر جھپٹا۔ یاقوت نے صرف کلائی موڑی، وار روکا اور اگلے ہی لمحے اس کا سینہ چیر دیا۔ اس کے گرد لاشیں گر رہی تھیں۔ مگر اس کے چہرے پر نہ غرور تھا، نہ خوف۔ صرف ایک خاموش عزم۔

ابراہیم۔ وہ صرف لڑ نہیں رہا تھا۔ وہ جنگ کو سنبھال کر رہا تھا۔ اس کی تلوار کا ہر وار حکمت سے بھرا تھا، ہر قدم سوچا سمجھا، ہر حملہ فیصلہ کن۔ جہاں سپاہ ڈگمگاتی، وہ وہاں دیوار بن جاتا۔ جہاں صفیں ٹوٹنے لگتیں۔ وہ انہیں دوبارہ جوڑ دیتا۔ وہ صرف ایک سپاہی نہیں تھا۔ وہ ایک رہنما تھا۔

اگر تقدیر سکندر پر مہربان نہ ہوتی، تو تخت یقیناً ابراہیم کا ہوتا۔ وہ اس قابل تھا کہ ایک پوری ریاست اس کے سپرد کی جا سکتی۔

کئی سپاہی گرتے گئے۔ کچھ دشمن کے، کچھ اپنے۔ مگر سکندر کی فوج پیچھے نہیں ہٹی۔ آخر کار شام ڈھلتے ڈھلتے فتح ان کے قدموں میں تھی۔ ٹرانسلوانیا فتح ہو چکا تھا۔ میدانِ جنگ میں اب سوائے لاشوں کے کچھ نہ تھا۔ خون سے تر زمین۔ بکھری ہوئی تلواریں اور خاموشی، جو ہر طوفان کے بعد رہ جاتی ہے۔

کچھ اپنے تھے جو شہادت کے مرتبے پر فائز ہو چکے تھے۔ سکندر اپنے گھوڑے سے اترا۔ وہ ایک ایک شہید کے پاس رکتا۔ اپنے ہاتھوں سے ان کی آنکھیں بند کرتا۔ اور خاموشی سے دعا کرتا۔ کئی چہرے بہت کم عمر تھے۔ اور کئی سفید داڑھیوں والے، جنہوں نے زندگی کا طویل سفر طے کیا تھا۔ نجانے کتنے گھر ایسے تھے جہاں دروازے اب بھی کھلے ہوں گے۔

جہاں مائیں دعائیں مانگ رہی ہوں گی۔

جہاں بچے اپنے باپ کے قدموں کی آہٹ سننے کے منتظر ہوں گے۔

مگر وہ قدم، اب کبھی واپس نہیں لوٹیں گے۔

وہ سب آج آخری رات خیموں میں گزارنے والے تھے۔ رات گہری ہو چکی تھی۔ سکندر اپنے خیمے میں لیٹا تھا۔ اور یاقوت اپنے خیمے میں۔ اس کے ہاتھ میں وہی خط تھا جسے وہ آج دوبارہ کھول چکا تھا۔ اس کی نظر ایک سطر پر آ کر رک گئی۔

''عثمانیوں کی شہزادی کو عثمانیوں کے غلام سے محبت ہو گئی ہے اتنی کہ وہ اپنی شاہانہ زندگی بھی اس کی خاطر ترک کرنے کو تیار ہے۔''

یاقوت نے وہ سطر کئی بار پڑھی۔

وہ شہزادی تھی، وہ آسانی سے کوئی بھی قدم اٹھا سکتی تھی۔

مگر وہ؟ وہ ایک غلام تھا۔ اسے ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا تھا۔ اسے عتیقہ کے ساتھ پہلی ملاقات آج بھی یاد تھی۔ جب وہ پہلی بار سکندر سے ملنے منیسا گئی تھی۔ وہ تقریباً سترہ برس کی تھی۔ یاقوت نے اسے پہلی بار

دیکھا تھا۔ وہ سکندر کے قریب، تورہان کے ساتھ باغیچے میں بیٹھی تھی۔ گلابی رنگ کے پاؤں تک آتے لباس میں۔ وہ تب بھی اتنی ہی خوبصورت تھی۔ جتنی آج۔ یاقوت نے آنکھیں بند کیں اور خود کو اسی منظر میں پایا۔ وہ اُس دن اپنے دل کو قابو نہیں کر سکا تھا۔ اور آج بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ قدم اٹھانا چاہتا تھا۔ وہ خطرہ مول لینے کی ٹھان چکا تھا۔ اگر عتیقہ اس کے لیے شاہانہ زندگی چھوڑ سکتی تھی۔ تو وہ بھی اس کے لیے سب کچھ چھوڑ سکتا تھا۔

وہ فاتح کی حیثیت سے پایہ تخت میں داخل ہوا۔ شہر کی گلیاں نعروں سے گونج رہی تھیں۔
''سلطان سکندر زندہ باد!''، ''فاتحِ اعظم زندہ باد!''
عوام خوشی سے جھوم رہی تھی، پھول اس کے راستے میں نچھاور کیے جا رہے تھے۔ محل کے دروازے کھلے۔ اور اندر اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ تمام اہلِ خانہ وہاں موجود تھے۔ والدہ سلطان، شہزادی، اسکی سلطانہ، خادمائیں۔ سب اسی کے منتظر تھے۔ فضا میں عود اور عنبر کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی، اور غلاموں کی قطاریں ادب سے سر جھکائے کھڑی تھیں۔ سکندر ان کے بیچ سے گزرتا کمرے کی جانب بڑھا۔ کمرا بھی نہایت احسن انداز میں سجا ہوا تھا۔ سکندر آہستہ قدموں سے دالان میں آ کر رک گیا۔ وہ شام تک وہیں کھڑا رہا۔ اوپر سیاہ آسمان پر اچانک رنگین روشنیاں ابھرنے لگیں۔ پایہ تخت جشن میں ڈوبا ہوا تھا۔ لوگ اپنے سلطان کی پہلی فتح کی خوشی منا رہے تھے۔ مگر سکندر کے لیے۔ یہ فتح اپنے ساتھ ایک خاموش غم بھی لے آئی تھی۔ اس فتح کے ساتھ۔ وہ ایک شخص کو کھونے جا رہا تھا۔ وہ وہیں کھڑا رہا۔ کافی دیر تک۔ اور پھر، وہ آ گئی۔ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی، وہ اس کے برابر آ کر کھڑی ہو گئی۔ سکندر نے مڑ کر اسے نہیں دیکھا۔ مگر وہ اس کی موجودگی سے بخوبی واقف تھا۔
''فتح مبارک ہو، سلطانِ معظم۔''

آئینور نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''شکریہ آپ کے لیے لڑ رہا تھا، فاتح لوٹنا لازم تھا۔''اب دونوں کا رخ باہر کی جانب تھا۔ جہاں جشن اپنے عروج پر تھا۔''ٹرانسلوانیا میں آپ کی حکومت ہوگی۔مگر کچھ اختیارات ہمیشہ کی طرح عثمانیوں کے پاس رہیں گے۔''

''جانتی ہوں۔''اس کا جواب مختصر تھا۔

''کل ہی روانہ ہونا چاہتی ہوں جتنا جلدی حکومت سنبھالوں، اتنا بہتر ہے۔'' سکندر کے اندر کچھ ٹوٹا۔

''بالکل۔۔۔تو شہزادی۔۔۔۔''وہ اب اس کی جانب مڑا۔

''ہمارا سفر یہیں تک تھا، ریاست مبارک ہو، شہزادی۔'' آئینور نے بھی اس کی طرف دیکھا۔

''شکریہ۔میں کوشش کروں گی کہ ایک بہترین حکمران ثابت ہوں۔'' سکندر کی نظریں اس پر ٹھہر گئیں۔

''مجھے یقین ہے، آپ ایک بہترین حکمران ہوں گی، بخدا، آپ نے سکندر مرزا کے دل پر کمال حکومت کی ہے۔'' آخری الفاظ وہ اپنے دل میں ہی نگل گیا۔

''میں چلتی ہوں، کل روانہ ہونا ہے، آرام ضروری ہے۔''وہ زیادہ دیر وہاں رک نہیں سکتی تھی۔

وہ سکندر کے سامنے ہلکا سا جھکی۔اور پھر پلٹ کر چلی گئی۔وہ جب سے آئی تھی یہ پہلی بار تھا کہ وہ اس کے سامنے جھکی تھی اور وہ بھی اپنی مرضی سے۔سکندر نے دوبارہ رخ باہر کی طرف کرلیا۔استنبول خوشیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔مگر اس کا دل خاموشی سے بکھر رہا تھا۔کچھ دیر بعد یاقوت آکر اس کے قریب کھڑا ہو گیا۔

''میرے آقا! والدہ نے جشن کا۔۔۔۔''

''میں جشن میں شرکت نہیں کروں گا، یاقوت۔۔۔۔'' سکندر نے اس کی بات کاٹ دی۔''میں نے آج سے پہلے بھی شرکت نہیں کی اور آج بھی نہیں کروں گا۔''اس کی نظریں نیچے دالان میں کھڑی آئینور پر جمی تھیں۔شاید وہ اسے آخری بار دیکھ رہا تھا۔کیا معلوم تقدیر میں دوبارہ ملنا لکھا بھی ہو یا نہیں۔وہ اسے جی

بھر کر دیکھ لینا چاہتا تھا۔

''قریب آؤ، یاقوت۔'' یاقوت اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

''کوئی طریقہ ہے کسی کو دل سے نکالنے کا؟'' یاقوت نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ اور اس کی اپنی نظریں جا کر آئینور کے قریب کھڑی عتیقہ پر ٹھہر گئیں۔ گزشتہ دنوں میں عتیقا اور آئینور کے درمیان عجیب سی قربت پیدا ہو گئی تھی۔ ٹوٹی پھوٹی ترکی میں باتیں۔ خاموش مسکراہٹیں۔ اور اس مکتوب کا مشورہ بھی آئینور نے ہی عتیقہ کو دیا تھا۔

''نہیں، میرے آقا! ایسا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ جو ایک بار دل میں آ جائے وہ نکلتا نہیں۔''

''پھر وہ زندگی سے کیوں نکل جاتے ہیں؟''

''تقدیر، میرے آقا۔'' وہ دوبارہ سکندر کی طرف متوجہ ہوا۔

''اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہ رک جائیں تو ان سے کہہ دیجیے۔ کیا معلوم وہ بھی یہی چاہتی ہوں۔''

سکندر نے ہلکا سا سر جھٹکا۔

''اور اگر وہ یہ نہ چاہتی ہوئی، یاقوت اگر میری بات اسے تکلیف دے؟ نہیں میں نہیں چاہتا کہ میں اسے اپنے بارے میں بدگمان کر کے بھیجوں۔ وہ فقط ایک باب تھی کل وہ باب بند ہو جائے گا۔

''ہمیشہ کے لیے۔'' یہ کہہ کر وہ اندر چلا گیا۔ نیچے دالان میں کھڑی آئینور بھی آہستہ آہستہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔ یاقوت اب بھی وہیں کھڑا تھا۔ اس کی نظریں نیچے کھڑی عتیقہ پر تھیں۔ اگلے ہی لمحے دونوں کی نگاہیں ملیں۔ آسمان سے ہلکی ہلکی بارش برسنے لگی۔ اور دونوں کے لبوں پر ایک نرم سی مسکراہٹ آ گئی۔ انہیں اطمینان ہو گیا تھا کہ محبت یک طرفہ نہیں تھی۔ وہ اس عذاب سے بچ گئے تھے۔

آج رات اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ بے چینی سے کروٹیں بدلتی رہی، پھر آخر کار اٹھ کر بیٹھ گئی۔ لارا

قریب ہی کھڑی اس کا سامان سمیٹ رہی تھی۔

''شہزادی، کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں، لارا بس نیند نہیں آ رہی۔'' لارا نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

''شہزادی! آپ اداس ہیں؟'' آئینور نے نظریں جھکا لیں۔

''پتا نہیں، لارا! بس مجھے استنبول سے محبت ہو گئی ہے، اور۔۔۔ مجھے ترک اچھے لگنے لگے ہیں۔ میرا جانے کا دل نہیں چاہ رہا۔'' لارا ہلکا سا مسکرائی۔

''شہزادی! آپ کو ترک نہیں آپ کو سکندر مرزا اچھے لگنے لگے ہیں۔ اور یہ محبت استنبول سے نہیں یہ محبت سکندر مرزا سے ہے۔'' آئینور اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ جو بات وہ اتنے دنوں سے خود سے نہیں کہہ پا رہی تھی۔ لارا نے ایک لمحے میں کہہ دی تھی۔ ''ہاں، لارا۔ میں انکار نہیں کروں گی۔'' اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

''وہ ایسا ہی ہے۔ کوئی اس کے ساتھ ایک دن گزارے تو اس سے محبت کرنے لگے۔ میں نے تو کئی ہفتے اس کے ساتھ گزارے ہیں۔ وہ سٹیفن کی طرح بیچ میں چھوڑنے والوں میں سے نہیں ہے اور نہ ہی وہ باقی لوگوں کی طرح عورتوں کا شوقین۔'' آخر کار اس نے خود سے اقرار کر لیا تھا۔

''تو پھر، شہزادی! آپ انہیں چھوڑ کر کیوں جا رہی ہیں؟''

''کیا کروں میں، لار؟''

''اظہار کر دیں۔''

''بالکل نہیں!'' وہ فوراً بولی، ''میں اس کے سامنے کھڑی ہو کر یہ سب نہیں کہہ سکتی۔''

لارا اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''تو شہزادی، آپ نے عتیقہ سلطان کو مکتوب لکھنے کا مشورہ دیا تھا۔ آپ خود کیوں نہیں اسی مشورے پر عمل

کرتیں؟'' آئینور کچھ دیر سوچتی رہی۔ پھر اس نے کاغذ اٹھایا اور لکھنا شروع کیا۔

ایک خط۔

پھر دوسرا۔

پھر تیسرا۔

نجانے کتنے مکتوب اس نے لکھے۔ اور ہر بار ناپسندیدگی سے انہیں موڑ کر دراز میں پھینک دیا۔ پوری رات گزر گئی۔ مگر وہ ایک بھی ایسا خط نہ لکھ پائی جو بھیج سکتی۔ آخر کار اس نے قلم ایک طرف رکھا اور بستر پر لیٹ گئی۔ سکندر۔۔۔ وہ اس کی تقدیر میں نہیں تھا۔ اس نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا۔ مگر اسے بھلا دینا۔ بہت مشکل تھا۔ بیحد مشکل۔

''اظہار کر دیتے تو اتنی تکلیف میں نہ ہوتے دونوں۔ بھلا محبت میں کونسی انا۔ میں نے تو ماہ۔'' اور پھر سکندر خاموش ہو گیا، اسکا ذکر آیا تو وہ دکھی ہو گیا۔ وہ نا جانے کہاں تھی۔ کیسی تھی۔ کچھ علم نہیں تھا۔ وہ اسکی تلاش میں نہیں جا سکتا تھا کیوں کہ وہ ابھی ٹھیک نہیں تھا۔ آنکھوں میں تیرتی نمی کو صاف کر کے وہ دوبارہ متوجہ ہوا۔

''بچے بڑی عمر ہے تمہاری تم دوبارہ محبت کر لو گے۔ ابھی تو بائیس پچیس کے ہو تم۔'' بزرگ نے اپنی تئیں بڑی اچھی نصیحت کی۔

''محبت بار بار نہیں ہوتی۔'' بزرگ نے اب کی بار جواب نہیں دیا۔ کیا کہتا لڑکا حق پر تھا۔

سکندر صبح دیر سے اٹھا تھا۔ وہ ابھی بستر پر ہی تھا جب اس نے یاقوت کو بلایا۔

''میرے آقا!'' یاقوت نے اندر آ کر سر جھکایا۔

''آج کا دیوان منسوخ کر دو میں کچھ مناسب محسوس نہیں کر رہا۔'' یہ کہہ کر سکندر کمرے کے ایک کونے کی

طرف بڑھا جہاں پانی رکھا تھا۔

''میرے آقا، طبیب کو۔۔۔۔''

''یاقوت، طبیب کی ضرورت نہیں۔''

اس نے بات کاٹ دی۔ ''ابراہیم سے کہو مال اور اشرفیاں تقسیم کردے میں چھاؤنی نہیں جاؤں گا۔''

''جو حکم، میرے آقا۔'' یاقوت ابھی بھی وہیں کھڑا تھا۔

سکندر نے منہ دھوتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''کچھ اور؟''

''میرے آقا! شہزادی ٹرانسلوانیا کے لیے روانہ ہو چکی ہیں۔ ان کے ساتھ سپاہی بھی بھیج دیے گئے ہیں۔'' سکندر ساکت رہ گیا۔

''ایسے کیسے؟ مجھے اطلاع دیے بغیر کیسے بھیج سکتے ہو تم انہیں؟''

''میرے آقا، وہ بضد تھیں اور والدہ نے اجازت دے دی۔'' سکندر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کو کہا۔

اور خود کچھ دیر وہیں کھڑا رہا۔ پھر لباس بدلنے کے لیے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ وہ لباس بدل کر باہر آیا تو سامنے آغا ناشتہ لگا رہے تھے۔ وہ بنا انہیں کچھ کہے کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ آج پہلی مرتبہ حرم میں داخل ہوا، حرم کی تمام خواتین نظریں جھکائے ادب سے کھڑی تھیں۔ کچھ چھپ کر اسے دیکھ بھی رہی تھیں، مگر اسکی نظر فقط ایک کمرے پر تھی۔

وہ پہلی بار اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔ کمرے میں اس کی مہک باقی تھی۔ وہ ہر چیز کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے کچھ تلاش کر رہا ہو۔ کاش وہ اپنی کوئی نشانی چھوڑ گئی ہوتی مگر یادوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ہر چیز کو چھوتا وہ میز کی جانب بڑھا۔

درازآدھی کھلی تھی۔اس نے اسے مکمل کھولا اوراندر رکھے کاغذ نکالنے لگا۔

ہرمکتوب میں ایک ہی بات مختلف انداز میں لکھی ہوئی تھی۔

''سکندرمرزا!اگر یہ گستاخی شمار ہوتو میں معذرت خواہ ہوں۔مگردل پر میرا کوئی اختیارنہیں رہا۔یہ کب آپ کی طرف مائل ہونے لگا مجھے علم ہی نہ ہوسکا۔اگرعلم ہوتا تو شاید خودکوروک لیتی۔مگرنہ علم ہوااورنہ ہی میں خودکوروک پائی۔جانے سے پہلے اظہار کرنا چاہتی ہوں ورنہ یہ خاموشی عمر بھر کا پچھتاوابن جاتی۔

آپ نے اُس دن پوچھا تھا نا کہ میں آپ کے آگے کیوں آئی۔اورآپ کے حصے کا تیر خود کیوں برداشت کیا؟ تو آج میں آپ کواس کا جواب دینے جارہی ہوں۔

سلطان مرزا،ٹرانسلوانیا کی شہزادی کوسلطنتِ عالیہ عثمانیہ کے عظیم سلطان سے محبت ہوگئی ہے۔

وہ بھی ایسی جواختیار سے باہر ہو، جوحدوں کو نہ مانے، جوانکار سننے کے باوجود بھی کم نہ ہو۔بے انتہا محبت۔''

سکندر نے کاغذ واپس رکھے اور مسکرادیا۔کچھ ہی دیر بعد وہ اپنے سفید شاہی گھوڑے پرمحل سے باہر نکل چکا تھا۔اس کے پیچھے یاقوت تھا۔وہ تیزی سے گھوڑا دوڑارہا تھا۔اوراس کے چہرے پرایک عجیب سی خوشی تھی۔ایسی جیسے اس نے پوری دنیا فتح کرلی ہو۔وہ اسے حاصل کرلے گا اور پھر کوئی چیز انہیں جدا نہیں کر سکے گی۔یہ سوچ کرہی اس کی آنکھوں میں چمک آنے لگتی تھی۔

وہ بگھی میں بیٹھی تھی۔لارااس کے ساتھ تھی۔اچانک بگھی رک گئی۔لارانے پردہ ہٹا کر دیکھنے کی کوشش کی مگر کچھ نظر نہ آیا۔آئینور نے فوراً خنجر نکال لیا۔اس راستے پراکثر رہزن حملہ کرتے تھے۔یہی سوچتے ہوئے اسنے مضبوطی سے خنجر اوپراٹھایا۔دروازہ کھلا سامنے یاقوت کھڑا تھا۔

''سلطانہ! آقا آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

آئینور نے باہر جھانکا،سامنے سفید گھوڑے پرسکندرمرزاسوارتھا،سفید کفتان میں ملبوس وہ آج پہلے سے

زیادہ خوبصورت معلوم ہو رہا تھا۔ وہ بگھی سے اتری اور اس کے قریب آ گئی۔

''کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟'' وہ چہرہ اٹھا کر اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا آپ جانتی ہیں اسلام کے مطابق آپ اب بھی میرے نکاح میں ہیں؟''

''کیا؟'' وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''آپ اب بھی میری سلطانہ ہیں میں آپ کو بتا نہیں پایا تھا۔ آپ مجھے نکلنے سے پہلے خبر کرتیں تو میں آپکو اس بارے میں بتاتا۔''

''تو؟''

سکندر جھکا اور اگلے ہی لمحے اسے اٹھا کر اپنے سامنے گھوڑے پر بٹھا لیا۔

''تو یہ کہ'' وہ مسکرایا، ''میں اپنی سلطانہ کو اس کے گھر لے کر جا رہا ہوں۔''

''ٹرانسلوانیا؟ آپ میرے ساتھ وہاں جا رہے ہیں؟''

''نہیں۔'' اس نے گھوڑے کی باگ موڑی، ''میں محل لے کر جا رہا ہوں تمہارے گھر ہمارے گھر۔''

آئینورا اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ ''وہ خط مجھے بھیج دیتیں تو اتنی زحمت نہ اٹھانی پڑتی۔'' وہ چونک گئی۔

''تم نے۔۔۔۔''

سکندر نے کندھے اچکائے۔ آئینور کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ''مگر پہل میں کیوں کرتی؟''

سکندر ہنس پڑا۔ آخر کار اسے وہ عورت مل گئی تھی جس کا وہ انتظار کر رہا تھا۔

اور اب وہ گھوڑے کا رخ محل کی طرف موڑ چکا تھا۔

وہ محل کے باغیچے میں بنے فوارے کے پاس کھڑا تھا۔ اس کی نگاہیں ادھر ادھر گشت کر رہی تھیں جیسے وہ ایک ہی چہرے کا انتظار کر رہا تھا۔ آہستہ آہستہ عتیقہ دور سے آ رہی تھی، آج اس کے ساتھ کوئی اور خاتون

نہیں تھی۔ یہ انکی تیسری ملاقات تھی۔ جنگ سے آنے کے بعد وہ دو مرتبہ یوں ملاقات کر چکے تھے۔
عتیقہ قریب آئی اور یاقوت کو اپنی دھڑکن کانوں میں سنائی دینے لگی۔
''یاقوت! کیسے ہو؟'' وہ اس کے قریب آ کر رک گئی۔
''شہزادی!'' یاقوت نے سر ہلکا سا جھکا کر جواب دیا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔
''میں ٹھیک ہوں، شہزادی اور آپ۔۔۔۔ آپ کیسی ہیں؟''
عتیقہ مسکرائی، مسکراہٹ جو یاقوت کے دل کو ایک نرمی اور روشنی دے گئی۔
''میں بہت خوش۔'' اس نے خوشی سے جواب دیا۔ یاقوت بھی ہلکا سا مسکرایا۔
''تمہارا ہاتھ کیسا ہے، یاقوت؟'' عتیقہ نے دھیرے سے اس کا ہاتھ پکڑا، جہاں سفید پٹیاں اب بھی زخموں پر بندھی ہوئی تھیں۔ جنگ کے دوران اسکا ہاتھ زخمی ہوا تھا، مگر اب وہ دھیرے دھیرے ٹھیک ہو رہا تھا۔
''آپ کی نگاہوں میں آیا ہے اور آپ کے ہاتھ میں ہے درد ختم ہوا۔'' یاقوت نے کہا۔ عتیقہ نے ابھی بھی اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا، اور یاقوت کی نظر اس انگوٹھی پر گئی جو اس نے خط کے جواب میں تحفہ کے طور پر بھیجی تھی۔ وہ اسکے ہاتھ پر جچ رہی تھی۔ بالکل ایسے جیسے وہ انگوٹھی صرف اس کے لیے بنی ہو۔
وہ دونوں خاموشی سے کھڑے تھے، جب یاقوت کو دور سے کسی کی موجودگی محسوس ہوئی۔ دھیرے سے اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کیا۔
''اپنا خیال رکھیے گا، شہزادی میں چلتا ہوں۔'' یاقوت نے کہا اور آگے بڑھا۔ عتیقہ نے اسے روکنے کے لیے پکارا، اور یاقوت نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔
''یہ میری زندگی کے خوشگوار لمحے تھے۔'' یاقوت نے مسکراتے ہوئے اپنا سر جھکا دیا، اور پھر دل پر ہاتھ رکھ کر الٹے قدم واپس چل پڑا۔

عتیقا اسے دیکھتی رہی، جب تک یاقوت آنکھوں سے اوجھل نہ ہوگیا۔ پھر وہ بھی دھیرے سے محل کے اندر چلی گئی۔ وہ اس سے ملاقات کے بعد یوں ہی مسکرائے جاتی تھی۔ وہ ابھی محل میں داخل ہی ہوئی تھی کہ مرجان اس کی جانب بڑھا۔

''شہزادی! والدہ آپ کو یاد فرما رہی ہیں۔''

''مرجان، میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔'' وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

''شہزادی، معاملہ سنجیدہ ہے، وہ ابھی آپ سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں۔'' عتیقا نے مرجان کو گھورا۔

''شہزادی، میں تو حکم کا غلام ہوں۔'' وہ سر جھکا کر فوراً وہاں سے چلا گیا۔

تورہان سلطان کا حکم وہ نہیں ٹال سکتی تھی، لہٰذا اگلے ہی لمحے وہ والدہ سلطان کے کمرے میں تھی۔ کمرہ خالی تھا، وہاں صرف تورہان سلطان ہی موجود تھیں۔

''والدہ، آپ نے مجھے بلایا؟''

''ہاں، عتیقا، آؤ میرے پاس بیٹھو۔'' تورہان کے اشارے پر وہ قریب جا کر بیٹھ گئی۔

''میں آج تم سے بات کرنا چاہتی تھی، عتیقہ میں چاہتی ہوں کہ تمہاری اور عثمان کی شادی کر دوں۔ وہ کافی اچھا لڑکا ہے اور سلطان بھی اس پر بھروسہ کرتا ہے۔''

عتیقہ کے ہوش اڑ گئے۔ ''والدہ! وہ اچھا لڑکا ہے، مگر میں اس سے شادی پر راضی نہیں ہوں۔''

''کیوں، عتیقہ؟'' تورہان نے کچھ خفا سا تاثّر دیا۔

''والدہ، بس یوں ہی۔'' عتیقہ نے بات چھپانی چاہی۔

''تو کیا تم اس دو ٹکے کے غلام سے شادی کرنا چاہتی ہو؟'' تورہان نے عتیقہ کی بات کاٹ کر غصے سے کہا۔ تورہان کی نظر سے کبھی کوئی بات نہیں چھپی تھی۔

''والدہ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔'' عتیقہ نے ہمت کر کے کہا۔

''تو کس نے کہا تھا، عتیقہ کس نے کہا تھا محبت کرنے کو؟ اصول تم جانتی تھی۔ تم شاہی خون ہو ایسے کسی انسان کے ساتھ تمہاری شادی نہیں کی جاسکتی۔'' تورہان کی آواز میں سختی اور حیرت دونوں تھی۔

''میں کچھ ہی دنوں میں سکندر سے اس بارے میں بات کروں گی۔ جتنی جلدی ہو سکے، تمہاری اور عثمان کی شادی ہو جانی چاہیے''

''والدہ، ایسا نہ کریں، خدارا۔'' عتیقہ تورہان کے قدموں کے پاس جا بیٹھی۔

''عتیقہ، خاموشی سے جو فیصلہ میں نے کیا ہے اسے قبول کرلو، ورنہ میں یاقوت کی جان لے لوں گی اگر تم اس کی زندگی چاہتی ہو تو بس خاموش رہو۔'' عتیقہ کے آنسوؤں کا تورہان پر کوئی اثر نہیں ہوا، وہ بس اسی طرح خاموش بیٹھی رہیں۔

''اب یہ یاقوت کا کیا ہوگا؟ عثمان کی تو ایک دم زندگی روشن ہو جائیگی۔ بیٹھے بٹھائے شہزادی مل جائیگی۔''

''لیکن اگر اسے شہزادی کی خواہش ہی نہ ہو۔ اگر اسے کوئی اور بھا گئی ہو پھر؟'' بزرگ نے سکندر کو دیکھا۔

''اب اسے کون پسند آ گئی؟'' وہ الجھا۔

وہ اپنے حجرے کی جانب بڑھ رہا تھا، اُس کے قدموں میں عجلت تھی۔ حرم کے قریب ایک کمرے کے سامنے اُس کے قدم رک گئے۔ وہاں سے مدھم سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کوئی نہایت خوبصورت آواز میں کچھ گا رہا تھا۔ اب وہ کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔ اندر ایک خاتون زمین پر بیٹھی ساز بجا رہی تھی۔ اسکی پشت اس نوجوان کی جانب تھی۔ وہ بلاشبہ ساز بجانے میں مہارت رکھتی تھی۔ وہ سننے پر مجبور ہو گیا تھا۔ وہ ساتھ ساتھ کچھ گا بھی رہی تھی، جو شاید ہنگیرین زبان میں تھا۔ جب اُس نے بجانا بند کیا تو وہ اندر داخل ہوا۔ ''میں نے آج تک کسی کو اتنا خوبصورت ساز بجاتے نہیں سنا۔'' وہ ہنگیرین زبان میں مخاطب ہوا۔ سامنے بیٹھی خاتون نے مڑ کر اُسے دیکھا۔ سنہری بال اور سنہری آنکھیں۔

وہ اُس کے قریب پڑے صوفے پر جا بیٹھا۔

''نام کیا ہے؟'' وہ سامنے بیٹھی لڑکی سے بڑی دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

''لارا۔''

''کہاں سے ہو؟''

''ٹرانسلوانیا سے۔ میں سلطانہ کی خاص خادمہ ہوں۔'' وہ اُسے دیکھتے ہوئے بتانے لگی۔

''میں اس سے پہلے بھی یہ دھن سن چکا ہوں مگر تم سے ملاقات نہیں کر سکا۔'' وہ صوفے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

''ساز کس سے بجانا سیکھا؟'' اسے دیکھتے ہوئے مخاطب ہوا۔

''جب میں اپنے گاؤں میں بابا کے ساتھ تھی تو انہوں نے سکھایا۔ وہاں ساز بجانا بہت فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ ہم اُس دن اپنے خاندان کی شادی میں بھی ساز بجا رہے تھے۔''

وہ بولتے بولتے رک گئی۔ اُس دن کے تمام مناظر اُس کی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگے۔ قتل و غارت سب کچھ۔۔۔۔

''سب یاد آتے ہوں گے، واپس جانا چاہتی ہو؟'' وہ صوفے سے ذرا آگے جھک کر پوچھنے لگا۔ اُس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ قریب رکھی موم بتی کی روشنی اُس کے چہرے پر پڑ رہی تھی اور بلاشبہ وہ خوبصورت تھا۔

''نہیں واپس کیوں جاؤں گی؟ سب کو کھو دیا تھا اس دن، کوئی نہیں ہے وہاں۔'' وہ ہلکی سی اداسی کے ساتھ بولی۔ ''اور یہاں؟'' ایک اور سوال اُس کے سامنے آیا۔

''یہاں بھی بس سلطانہ ہی ہیں۔''

جب سے اُسے ابراہیم کا مقام معلوم ہوا تھا، اُس نے اپنے خوابوں کا گھر خود ہی توڑ دیا تھا۔ وہ ترک

شہزادہ اگر اُسے ایک لمحے کے لیے دیکھ لیتا تو یہ بھی بہت بڑی بات تھی۔ اب ابراہیم کے لیے وہ جذبات بھی ختم ہو چکے تھے۔

''ساز کے علاوہ اور کیا کیا بجانا جانتی ہو؟'' اُس کا اداس چہرہ دیکھ کر اُس نے بات بدل دی۔

''اس کے علاوہ میں اور بھی آلات بجا لیتی ہوں اور تمہیں پتا ہے، ہمارے گاؤں میں ایک مشہور رقص تھا۔ مجھے وہ آتا ہے۔'' وہ جوش سے بتاتی اپنی جگہ سے اٹھی اور اُس کے قریب آ گئی۔ ''تم کرنا چاہو گے رقص۔'' اُس نے اپنا ہاتھ اُس کی طرف بڑھا دیا تھا۔ وہ کچھ لمحے اُس کا ہاتھ دیکھتا رہا پھر مسکرا کر اُس نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ دونوں اب کمرے کے درمیان کھڑے تھے۔ دونوں کا چہرہ آمنے سامنے تھا۔

لارا نے آہستہ سے قدم پیچھے ہٹایا اور پھر نرمی کے ساتھ گھوم گئی۔ اُس کے لباس کا دامن ہوا میں ہلکا سا لہرا کر ٹھہر گیا۔ اُس نے اُس کا ہاتھ تھامے رکھا، اور وہ اُس کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا چلا گیا۔

کمرے میں خاموشی تھی صرف اُن کے قدموں کی ہلکی چاپ اور سانسوں کی مدھم آوازیں۔

لارا نے ایک دائرہ بنایا، پھر پلٹ کر اُس کے قریب آئی۔ اُس کا ہاتھ اُس کے کندھے تک آیا، اور اُس نے دوسرے ہاتھ سے اُس کی انگلیاں مضبوطی سے تھام لیں۔

وہ آہستہ آہستہ ایک دوسرے کے گرد گھوم رہے تھے۔ کبھی قریب، کبھی ذرا فاصلے پر۔ اس سب رقص میں وہ اس سے نظریں نہیں ہٹا سکا تھا۔ وہ خوبصورت نہیں تھی لیکن پرکشش تھی۔ وہ اسکی طرف کھنچا چلا جا رہا تھا۔ موم بتی کی روشنی میں اُن کے سائے دیواروں پر رقص کر رہے تھے اور وہ دونوں اُس لمحے میں گم تھے۔

وہ اب بھی رقص میں ہی مشغول تھے جب اُس کی آواز نے خاموشی توڑی۔

''میرے ساتھ چلو گی؟''

وہ حیرت سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

''کہاں؟'' وہ اب بھی اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔

''وہاں جہاں میں جاؤں گا۔''

''اور تم کہاں جاؤ گے؟''

''منیسا۔۔۔منیسا چلو گی میرے ساتھ؟''

''اور میں کیوں چلوں تمہارے ساتھ؟''

''اچھی اور بہترین زندگی کے لیے۔''

''میری زندگی یہاں بھی اچھی اور بہترین ہی ہے۔''

''پھر میری زندگی اچھی اور بہترین بنانے کے لیے ہی آ جاؤ۔'' کمرے میں ایک عجیب سی خاموشی پھیل گئی۔ وہ اُسے حیرت سے دیکھتی چلی جا رہی تھی۔ پھر اچانک پیچھے ہٹی۔

''میں چلتی ہوں سلطانہ کو ضرورت ہو گی'' وہ کہتے ہوئے تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ تیز قدموں سے سلطانہ کے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی کہ اُس کی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''میں کچھ دنوں میں نکلوں گا اُس سے پہلے فیصلہ سنا دینا۔''

لارا نے مڑ کر اُسے دیکھا، وہ اب بھی اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ لارا نے نظریں جھکائیں اور دوبارہ سلطانہ کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ کہیں نہ کہیں وہ اسکے متعلق سوچنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

''یہ کیا وہ پہلے ابراہیم کو پسند کرتی تھی پھر عثمان.....'' سکندر بیزار ہوا۔

''ہاں وہ پسند کرتی تھی مگر محبت کے کوئی دعوے نہیں کر رکھے تھے دونوں نے۔ وہ اسے پسند تھا مگر جب وہ لا حاصل تھا تو اس نے اسے چھوڑ دیا۔ میرے مطابق یہ درست فیصلہ تھا۔'' بزرگ مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

''ہاں مگر پھر بھی.....''

''پھر بھی کیا، اسے زندگی بہتر کرنے کا موقع مل رہا تھا تو وہ کیوں گنواتی۔''

وہ سب آج کھانے کی میز پر اکٹھے تھے۔ ہر رمضان وہ اسی طرح ایک ساتھ بیٹھ کر روزہ افطار کرتے یہ ان کی قدیم رسومات میں سے تھا۔سکندر میز کے ایک سرے پر بیٹھا تھا اور والدہ دوسرے سرے پر۔

سکندر کے دائیں جانب آئینور اور بائیں جانب ابراہیم بیٹھا تھا۔ابراہیم سے کچھ فاصلے پر عثمان موجود تھا اور آئینور سے کچھ فاصلے پر عتیقہ بیٹھی تھی۔ وہ سب کھانے کے دوران گفتگو بھی کر رہے تھے، مگر عتیقہ خاموش بیٹھی تھی۔اس کے چہرے سے اداسی صاف جھلک رہی تھی۔

سکندر نے ایک دو بار اسے دیکھا، پھر اس سے اداسی کی وجہ بھی دریافت کی، مگر اس نے ادھر اُدھر کی بات کر کے ٹال دیا۔

''سکندر! میں عتیقہ کی شادی کا سوچ رہی ہوں۔'' والدہ کی بات پر سب نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔خود سکندر بھی اب ان ہی کو دیکھ رہا تھا۔والدہ کے چہرے سے نگاہ ہٹا کر اس نے عتیقہ کی جانب دیکھا۔

''اگر عتیقہ راضی ہے تو میری طرف سے اجازت ہے۔'' وہ ایک اور کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال رہا تھا۔

''عتیقہ تو راضی ہی ہے۔'' والدہ نے عتیقہ کی طرف دیکھ کر اسے زبردستی مسکرانے کا اشارہ کیا۔سکندر کو اطمینان نہ ہوا تو اس نے ایک بار پھر عتیقہ کی طرف دیکھا۔

''اگر ایسا ہے تو پھر میں کوئی مناسب شخص تلاش کر کے عتیقہ کی شادی اس سے کر دوں گا۔''

''ایک شخص ہے اور تم اس پر کافی بھروسا بھی کرتے ہو۔''

تورہان نے عثمان کی جانب دیکھا، جو اس وقت بھی کہیں اور کھویا ہوا تھا۔ وہ اس عورت کو ابھی تک اپنے ذہن سے نہیں نکال پایا تھا۔اس سے ملے کئی دن گزر گئے تھے مگر وہ اب بھی اسکی آواز کے سحر میں کھویا تھا۔سکندر نے اس بار ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ تورہان کو دیکھا۔

''یعنی طے کر کے آئی ہیں آپ۔۔۔اچھا بتائیں، کون ہے؟'' اب وہ تجسس میں تھا۔

''شہزادی اسماء کا بیٹا۔شہزادہ عثمان۔''
عثمان نے بے یقینی کے عالم میں پہلے تورہان کو دیکھا، پھر سکندر کو۔سکندر کی نظریں کبھی عتیقہ پر ٹھہرتیں اور کبھی عثمان پر، جیسے وہ دونوں کا جوڑ پرکھ رہا ہو۔
''والدہ! یہ دونوں کی زندگی کا فیصلہ ہے۔میری رضامندی سے زیادہ ان کی رضامندی اہم ہے۔''
سکندر نے گہری سانس لے کر کہا۔
''بالکل اور مجھے یقین ہے دونوں راضی ہوں گے۔جب تم ٹرانسلوانیا کی جنگ پر تھے، تب ان کی کافی اچھی دوستی ہوگئی تھی اور پھر دونوں شاہی خاندان سے ہیں۔''
تورہان کے آخری جملے کو سکندر نے ہمیشہ کی طرح بے معنی ہی سمجھا۔وہ تعلقات بناتے وقت خاندان نہیں دیکھا کرتا تھا۔وہ انسان دیکھا کرتا تھا۔
''تو بتاؤ، عثمان! کیا تم راضی ہو اس فیصلے پر؟''
تورہان نے سب کے سامنے سوال کیا۔
اس کی کیا مجال تھی کہ تین براعظموں کے سابق حکمران کی بیٹی اور موجودہ سلطان کی بہن کو انکار کرتا۔
اس نے ایک نظر عتیقہ پر ڈالی۔پھر ایک اور پھر ایک اور۔۔۔۔
''نہیں وہ بس ایک دوست تھی اور ایک ماموں زاد اس سے زیادہ کچھ نہیں۔'' یہ سب اس کے دل کے خیالات تھے، جو وہ زبان پر نہیں لا سکتا تھا۔اسے اپنی جان عزیز تھی۔اس نے ایک نظر سکندر کو دیکھا۔اسکے ذہن میں لارا کا چہرا آیا۔
''اگر شہزادی راضی ہیں تو مجھے کیسے اعتراض ہوسکتا ہے میرے لیے تو یہ باعثِ شرف ہے۔'' اس کی زبان اور اس کے تاثرات ایک جیسے نہیں تھے۔
''تو ٹھیک ہے، سکندر پھر میں چاہتی ہوں کہ ہم رمضان کے اختتام پر شادی کردیں۔''

سکندر نے چونک کر والدہ کو دیکھا۔

''والدہ! اتنی جلدی کس بات کی ہے؟''

''سکندر میں چاہتی ہوں کہ جلد از جلد یہ فریضہ سر انجام دے دوں۔''

''والدہ! میں آپ کو کچھ دنوں میں بتاؤں گا'' وہ رومال سے ہاتھ صاف کر رہا تھا یعنی کھانے کا اختتام ہو چکا تھا۔ جب سلاطین کھانے سے ہاتھ اٹھا دیتے تو کوئی اور شخص کھانا جاری نہیں رکھ سکتا تھا، چنانچہ سب نے رومال سے ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیے۔ آئینور سامنے پڑی ایک مٹھائی کا ٹکڑا اٹھانے لگی تو والدہ نے اسے گھورا۔ عتیقہ نے فوراً اس کا ہاتھ روک لیا اور آہستگی سے اسے اس اصول کے متعلق بتانے لگی۔ چنانچہ آئینور نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا اور رومال کی تلاش میں پلیٹ کے آس پاس دیکھنے لگی۔ سکندر نے اپنے سے کچھ فاصلے پر کھڑے مرجان کو اشارے سے بلایا اور اس کے کان میں سرگوشی کی۔

مرجان نہایت توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا، اور بات ختم ہوتے ہی اشارہ پا کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

آہستہ آہستہ سب لوگ کمرے سے باہر جانے لگے اور کچھ ہی دیر میں وہاں صرف سکندر اور آئینور رہ گئے۔ سکندر دالان میں صوفے پر نیم دراز تھا۔ اس کی ناک پر ناک گیر ٹکی ہوئی تھی اور وہ کتاب پڑھ رہا تھا۔ مگر اس کا ذہن کتاب کی طرف نہیں تھا۔ آئینور ابھی بھی کمرے کے اندر موجود تھی کچھ دیر بعد وہ بھی دالان میں آ گئی۔ اس نے سکندر کے ہاتھ سے کتاب کھینچ کر سامنے پڑی میز پر رکھ دی، جہاں ایک چھوٹے پیالے میں مٹھائی موجود تھی۔

''یہ تم نے میرے لیے منگوائی ہے؟'' وہ حیرت سے ایک ٹکڑا اٹھاتے ہوئے بولی۔ سکندر نے ناک گیر اتار کر کتاب پر رکھ دی۔

''ہمم، میری وجہ سے تمہاری خواہشات ادھوری رہ جائیں یہ میں کیسے پسند کر سکتا ہوں۔''

''مرزا!'' وہ اسکے سینے پر ایک بازو رکھے اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی اور مٹھائی کھانے لگی۔ سکندر کو

مرزا بس وہی کہتی تھی۔ سکندر کو بذات خود اپنا دوسرا نام زیادہ پسند تھا اور پھر جب آئینور اسے بلاتی تو اسے اپنا دوسرا نام اور بھی عزیز ہو جاتا۔ آج تک سلطان کو نام سے بلانے کی ہمت کسی خاتون نے تنہائی میں بھی نہیں کی تھی، اسکی جسارت بھی بس وہی کر سکتی تھی، کیونکہ سلطان اسکی زبان سے اپنا نام سننا پسند کرتا تھا۔

''کیا سوچ رہے تھے؟''

اس نے سکندر کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''عتیقہ اور عثمان کے متعلق''

وہ اس کے بال ماتھے سے ہٹا رہا تھا۔ یہ اسکا پسندیدہ عمل تھا۔

''تم کیا کہتی ہو، نور؟''

''مرزا، میرے خیال سے تمہیں خود عتیقہ سے بات کرنی چاہیے، کیا معلوم وہ کسی اور کو پسند کرتی ہو اور سب کے سامنے کہہ نہ پائی ہو۔'' عتیقہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ کسی کو پسند کرتی ہے، مگر کسے یہ نہیں بتایا تھا۔

''سلطانم محل میں ایسی بات کرنے سے گریز کریں، والدہ نے سن لیا ہوتا تو اس وقت واللہ قیامت آ چکی ہوتی۔'' سکندر نے نہایت اطمینان سے اسے سمجھایا۔ وہ اب بھی اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔

''اور ویسے بھی مجھے نہیں لگتا ایسا کچھ ہوگا۔ عتیقہ ایسا قدم نہیں اٹھا سکتی۔''

وہ صوفے سے اٹھ کر سامنے بنی چھوٹی دیوار کے پاس جا کھڑا ہوا، جہاں سے اسے پوری ریاست نظر آ رہی تھی۔ آئینور نے مٹھائی کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور اس کی طرف بڑھ آئی۔

''کیوں؟ ایسا کیوں لگتا ہے تمہیں؟''

''والدہ ہر وقت اس کے ساتھ ہوتی ہیں اور انہوں نے بچپن سے ہی اس کے ذہن میں اصول بٹھا دیے ہیں۔''

سکندر انگلیوں پر عثمانیوں کے وہ اصول گنوانے لگا جو شہزادیوں پر لاگو ہوتے تھے۔ ''شکر ہے میں تمہاری ریاست میں پیدا نہیں ہوئی، ورنہ میں اب تک پاگل ہو چکی ہوتی۔'' سکندر اس کی بات پر کھل کر ہنسا۔ آئینور نے ہاتھ میں موجود مٹھائی کا ٹکڑا اس کی طرف بڑھایا۔ مگر اس نے سر نفی میں ہلا دی۔

''مجھے نہیں پسند۔''

''مٹھائی سے کون نفرت کرتا ہے، مرزا؟''

آئینور نے خود ہی وہ ٹکڑا بھی کھا لیا۔

''انسان چیزوں سے نفرت نہیں کرتے ان سے جڑی بری یادوں سے نفرت کرتے ہیں۔''

کچھ لمحے خاموشی رہی۔

''ویسے تم پر اتنی پابندیاں نہیں تھیں کیا؟''

سکندر نے دوبارہ وہی موضوع چھیڑا۔

''تھیں۔ مگر اتنی نہیں۔ میں آزاد تھی۔ اپنے فیصلوں میں بھی اور اپنی زندگی میں بھی۔ ہاں، مگر تم شہزادوں جیسی زندگی نہیں تھی میری۔ ویسے تم شہزادوں اور سلاطین کی زندگی بھی کمال ہوتی ہے، خوب عیش کرتے ہو تم لوگ۔''

وہ رشک بھری نگاہ سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ایسا صرف اسے ہی نہیں دیگر ریاستوں کے سربراہان سے لے کر غریب جھونپڑے میں پیدا ہونے والے ہر شخص کو لگتا تھا۔

سکندر اس بات پر ہنسا۔ قہقہہ بلند تھا۔

''تمہیں علم ہی کہاں ہے ہماری زندگیوں کا ہم شہزادوں کے حصے یا تخت آتا ہے یا موت۔'' اس کی آواز دھیمی ہونے لگی۔

''میں نے چھوٹی عمر میں اپنے چار چچاؤں کو مرتے دیکھا ہے اور جانتی ہو؟ ان کی جان میرے دادا نے لی

تھی۔ان کے اپنے باپ نے۔''اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔وہ منظر ایک بار پھر جیسے اسکی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔''اور میرے باپ نے بھی اپنے باپ کی جان لے کر تخت حاصل کیا۔''

آئینور حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''سب کو لگتا ہے محل میں رہنے والے خوش ہوتے ہیں،ایسا نہیں ہے ہم سے زیادہ غمگین کوئی نہیں ہوتا۔''

وہ کچھ لمحے رکا۔

''تمہیں پتا ہے میں مٹھائی سے نفرت کیوں کرتا ہوں؟ کیونکہ ایک عرصہ پہلے میرے باپ نے اسی مٹھائی میں زہر ملا کر مجھے مارنے کی کوشش کی تھی۔انہیں لگا تھا کہ میں نے ان کے خلاف قدم اٹھایا ہے۔اور اس دن مجھے ابراہیم نے بچایا تھا۔''

آئینور نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

''اور جانتی ہو مجھے تخت تو مل گیا،مگر سکون نہیں ملا اور نہ ہی مل رہا ہے مجھے خوف آتا ہے کہیں میرے بھائی، میرے بیٹے،میرے اپنے میرے خلاف نہ کھڑے ہو جائیں۔مجھے اپنوں کی غداری سے ڈر لگتا ہے، آئینور۔''اس کے ہاتھوں کی گرفت دیوار پر سخت ہو چکی تھی۔

''تخت کیلئے یہ سب۔۔۔۔کیا تخت اپنوں سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے؟''

''تخت کیلئے نہیں،تخت کیلئے نہیں۔یہ زندگی کی جنگ ہوتی ہے۔جب ایک کو تخت ملتا ہے تو دوسرا مرتا ہے۔دوسرے کو مرنا ہی ہوتا ہے۔ہر کوئی زندگی کیلئے لڑتا ہے،مگر مجھے لگتا ہے میں اپنی زندگی کیلئے بھی نہیں لڑ پاؤں گا۔میں یہ تو کہتا ہوں کہ اگر مراد نے میرے تخت پر نظر رکھی تو میں اسکی جان لے لوں گا،مگر یہ صرف میں کہتا ہوں۔میں اسے کبھی نہیں مار پاؤں گا۔''اس نے سر جھکا دیا۔آئینور نے آہستہ سے اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

''مجھے نہیں پتا کون تمہارا دشمن ہے اور کون دوست مگر ایک بات یاد رکھنا،مرزا میں تمہیں کبھی دھوکہ نہیں

دے سکتی، چاہے کچھ بھی ہو جائے، چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔''

وہ اسی طرح کھڑی رہی، اس کے کندھے پر سر رکھے۔

''میں جانتا ہوں۔'' سکندر نے دھیرے سے کہا، ''تم پر مجھے بھروسا ہے۔ بے انتہا بھروسا۔''

وہ دونوں کافی دیر تک دالان میں کھڑے رہے۔ اب وہ اس سے اس کے پہلے روزے کا تجربہ پوچھ رہا تھا۔ اور وہ اسے بتا رہی تھی۔ وہ اس کی باتوں پر ہنستا اور پھر اسے مشورے دیتا جاتا۔

وہ دالان میں کھڑی تھی۔ نیچے باغیچے میں کھڑا یاقوت اسے صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اس کے انتظار میں تھا۔ کافی دیر سے وہ وہیں کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں موجود گلاب کا پھول بھی اب مرجھانے لگا تھا۔ عتیقہ اوپر سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔ کاش وہ ترک سلطنت میں پیدا نہ ہوئی ہوتی۔ کاش وہ بس ایک عام لڑکی ہوتی۔ پھر شاید وہ اور یاقوت ایک سادہ مگر خوبصورت زندگی گزار رہے ہوتے مگر اب ایسا نہیں تھا۔ نیچے کھڑا یاقوت کچھ دیر مزید وہیں رکا رہا، پھر آہستہ سے مڑا اور محل کے اندر چلا گیا۔ عتیقہ ترکوں کی روایات سے بخوبی واقف تھی، اسی لیے وہ سکندر سے یا مراد سے ایسی کوئی بات کرنے والی نہیں تھی۔ مراد سے اس کی دوستی کمال تھی، مگر وہ اس معاملے میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ والدہ کی بات کو جھٹلا نہیں سکتا تھا۔ اور رہا سکندر اس کے ساتھ اس کی اتنی قربت ہی نہیں تھی کہ وہ اس سے اپنے دل کی بات کہہ پاتی۔ اور ابراہیم وہ جب سے یدکلے سے واپس آیا تھا، عتیقہ سے بہت کم ملا تھا۔ سات سال کی دوری نے ان کے تعلق پر گہرا اثر ڈالا تھا، کم از کم عتیقہ کو تو یہی محسوس ہوتا تھا۔ اور پھر ابراہیم کی زندگی تباہ کرنے میں اس کا اپنا بھی کچھ حصہ تھا شاید اسی شرمندگی کے باعث بھی وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یعنی تین بھائیوں کی اکلوتی بہن ہونے کے باوجود، وہ خود کو بالکل تنہا محسوس کر رہی تھی۔ جیسے اس کے ہاتھ بالکل خالی رہ جانے والے ہوں۔ عتیقہ

اپنے کمرے کے دالان میں ہی کھڑی تھی کہ قدموں کی آہٹ پر پلٹی۔

''بھائی آپ؟''

''عتیقہ۔'' وہ اسے پکارتا ہوا اس کی جانب بڑھا۔

''آپ اس وقت؟''

''ہاں، اسی وقت آج کھانے کی میز پر تم بہت اداس تھیں، عتیقہ اور تم جانتی ہو، بچپن سے لے کر آج تک جب بھی میں نے تمہیں اداس دیکھا ہے، میں وجہ جانے بغیر نہیں سویا۔''

وہ اس کے بالکل قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

''عتیقہ، جو بھی بات ہے، مجھے بلا جھجک بتا سکتی ہو، میں تمہارے مسائل حل کر سکتا ہوں۔ اتنا اختیار ہے میرے پاس۔'' وہ ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''کچھ نہیں، بھائی۔'' ابراہیم نے اسے غور سے دیکھا پھر نرمی سے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر کیا۔

''تمہاری آنکھیں تو کچھ اور کہہ رہی ہیں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''بھائی، آنکھوں سے کیا پتا چلتا ہے۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''آنکھیں غلط بھی ہو سکتی ہیں۔'' ابراہیم نے اس کی ٹھوڑی چھوڑ دی۔

''ہرگز نہیں۔ آنکھیں غلط نہیں ہوتیں۔

اِنَّ العیونَ لَتَنْطِقُ بِمَا فی القلوب

(بے شک آنکھیں وہ کہہ دیتی ہیں جو دل میں چھپا ہوتا ہے)

''بھائی، آپ شاعری کم پڑھا کریں۔'' عتیقہ کہتے ہوئے تیزی سے رخ پھیر گئی۔

''عتیقہ میں تم سے سات سال دور ضرور رہا مگر تم میری چھوٹی بہن ہو میں تمہیں بھولا نہیں ہوں۔ اور ان سات سالوں کی غیر موجودگی کو ہمارے درمیان مت آنے دینا۔''

''میں ابھی جا رہا ہوں، عتیقہ لیکن اگر تمہیں کبھی لگے کہ تمہیں کسی کی ضرورت ہے کسی بھی معاملے میں تو یاد رکھنا، ابراہیم ابھی زندہ ہے جب دل چاہے، بتا دینا۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر جانے کے لیے مڑا۔

''بھائی۔'' عتیقہ کی آواز پر وہ رکا اور پلٹ کر دیکھا۔ عتیقہ تیزی سے اس کی جانب بڑھی اور پھر اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ ابراہیم نے آہستہ سے اس کا سر تھپکا۔ وہ اس سے رونے کی وجہ نہیں پوچھنے والا تھا۔

وہ رونا چاہتی تھی تو وہ کندھا دینے کے لیے موجود تھا۔

وہ کچھ مسائل بتانا چاہتی تھی تو وہ سننے کے لیے تیار تھا۔

وہ کسی مشکل میں تھی تو وہ مدد کے لیے حاضر تھا۔

وہ ایسا ہی تھا، اپنے خاندان کے ہر فرد کے لیے، ہر وقت میسر رہنے والا۔

''پھر شہزادی کی شادی غلام سے نہیں ہوئی نا۔ شکر ہے میں عام انسان ہوں۔ اور میری محبت بھی عام سی ہے۔'' سکندر نے دل سے شکر ادا کیا۔ ''عام انسان ہو کر بندہ اپنی مرضی تو کر سکتا ہے نا۔''

بزرگ بے تاثر بیٹھا تھا۔ ''میں آگے بولوں؟''

''جی جی اجازت ہے۔'' سکندر تحکمانہ لہجے میں بولا۔ بزرگ نے تیوری چڑھا کر اسے دیکھا اور پھر آغاز کیا۔

وہ رات کے سناٹے میں شاہی فرغل پہنے باغیچے کی جانب بڑھ رہی تھی۔ فوارے کے پاس ایک سایہ کھڑا تھا۔

''شہزادی اس کا نتیجہ برا ہو سکتا ہے۔'' وہ داخلی دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔

عتیقہ رک گئی۔

''مجھے کوئی پرواہ نہیں کیا تم گھبرا رہے ہو؟'' وہ پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''گھبرا رہا ہوں۔ مگر آپ کے لیے۔'' اس کے لہجے میں خوف کم اور فکر زیادہ تھی۔ عتیقہ کی آنکھوں میں

عزم اتر آیا۔

''مجھے اپنی مرضی کی زندگی جینے کا حق ہے اور میں اپنی مرضی کی زندگی جینے کے لیے یہ سب کر رہی ہوں۔''

اگلے ہی لمحے وہ دونوں تیزی سے محل سے باہر نکل گئے۔

''شہزادی اتنے بڑے محل سے فرار ہوگئی۔ آہ سلطان اب بہت غصہ کریگا۔ یاقوت اور اسکی دوستی۔ ارے نہیں۔ دوستی خراب نہیں ہونی چاہئے۔ دوستی ٹوٹے تو انسان اندر سے بکھر جاتے ہیں۔'' سکندر غمگین ہوا۔ بزرگ نے اسکی بات کو نظر انداز کرت ہوئے دوبارہ آغاز کیا۔

سکندر عید کی نماز ادا کر کے سیدھا والدہ سلطان کے حجرے کی جانب بڑھا۔ کمرے میں داخل ہوا تو وہاں صرف تورہان سلطان موجود تھیں۔

''والدہ۔'' وہ آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ چومنے لگا۔

''عید مبارک، والدہ۔''

''خیر مبارک، میرے شیر۔'' تورہان نے مسکرا کر اسے دیکھا مگر ان کے چہرے پر عجیب سی فکر تھی۔

سکندر نے اشارے سے پیچھے کھڑے آغا کو بلایا۔ وہ آگے بڑھا تو اس کے ہاتھ میں موجود ڈبہ سکندر نے کھولا۔

اندر نہایت خوبصورت ہار موجود تھا۔ گہرے نیلے پتھروں سے مزین، باریک سنہری کڑیوں میں جڑا ہوا، ایسا کہ روشنی پڑتے ہی اس کی چمک کئی گنا بڑھ جاتی تھی۔

''والدہ، یہ آپ کے لیے۔'' اس نے ہار کی جانب اشارہ کیا۔

''والدہ! باقی سب کہاں ہیں؟'' دستور کے مطابق سب خاندان عید ملنے کیلئے والدہ کے حجرے میں موجود ہوتے تھے۔ مگر آج وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔

''باقی سب اپنے اپنے حجروں میں ہوں گے۔''

تورہان کی بات پر سکندر نے سر ہلایا۔

''دعوت کے لیے باغیچے میں انتظام ہو چکا ہے کچھ دیر میں مراد اور اس کا خاندان بھی آ جائے گا۔''

''ٹھیک ہے، میں بھی کچھ دیر میں آئینور کے ساتھ آ جاؤں گا۔'' وہ ایک بار پھر مسکرا کر ان کا ہاتھ چومتا ہوا باہر نکل گیا۔ عید کے دن وہ ہمیشہ اسی طرح خوش ہوتا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو وہ سامنے کھڑی تھی۔ اس نے آسمانی رنگ کا خوبصورت لمبا فراک پہنا ہوا تھا، جو پیروں تک پھیل رہا تھا۔ باریک سنہری کڑھائی اس کی نزاکت کو اور بڑھا رہی تھی۔

''ماشاءاللہ۔'' سکندر کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ وہ مسکرا کر مڑی۔ اس کے گلے میں ہلکے آسمانی رنگ کا ہار تھا۔ سکندر گہرے نیلے کفتان میں ملبوس تھا۔ اسکے سر پر نیلے رنگ کی ہی شاہی دستار موجود تھی۔

سکندر اس کے قریب آیا اور آئینے کے سامنے اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

''عید مبارک، سلطانہ۔''

''خیر مبارک۔''

وہ مسکراتے ہوئے میز سے انگوٹھیاں اٹھانے لگی۔ انگوٹھیاں پہن کر وہ مڑی۔

سکندر نے اسے غور سے دیکھا۔

''ایک چیز کی کمی ہے۔'' وہ کچھ دیر اسے دیکھنے کے بعد بولا۔

''کس چیز کی؟''

وہ دوبارہ آئینے میں خود کو دیکھنے لگی۔ جواب دینے کے بجائے سکندر نے آغا کو بلایا۔

چند لمحوں بعد مرجان ایک ڈبہ لیے اندر آیا۔

سکندر نے ڈبہ کھولا۔ اندر ایک نہایت نفیس ہلکے نیلے رنگ کا تاج تھا۔ باریک سنہری فریم پر نیلم جیسے شفاف پتھر جڑے تھے، اور سامنے ایک خوبصورت ہلال بنا تھا جو روشنی میں چمک رہا تھا۔

وہ تاج اٹھا کر آئینور کے قریب آیا اور نہایت احتیاط سے اس کے سر پر سجا دیا۔ پھر ایک قدم پیچھے ہٹ کر اسے دیکھنے لگا۔

''شاندار!''

وہ آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھی اور اس کے لبوں پر مطمئن مسکراہٹ پھیل گئی۔ اب واقعی کوئی کمی باقی نہیں تھی۔

''والدہ دعوت پر انتظار کر رہی ہیں۔'' سکندر نے اپنا بازو آگے بڑھایا۔ آئینور نے اس کا بازو تھام لیا اور دونوں باغیچے کی طرف بڑھ گئے۔ باغیچہ روشن تھا۔

درمیان میں ایک بڑا سا دستر خوان بچھا تھا، جس کے گرد نرم مخملی کشن رکھے گئے تھے، اور فضا میں خوشبو رچی ہوئی تھی۔ سکندر اور آئینور کے داخل ہوتے ہی سب اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ادب سے سر جھکا لیا۔ سکندر چل کر میز کے ایک سرے پر رکھے تخت پر بیٹھ گیا۔ دوسرے سرے پر تورہان سلطان ایک چھوٹے صوفے پر جلوہ افروز تھیں۔ مراد سکندر کے بائیں جانب، جبکہ ابراہیم دائیں جانب بیٹھا تھا۔ مراد سے کچھ فاصلے پر افسوں، اور اس کے آگے قاسم موجود تھا۔ ابراہیم سے کچھ فاصلے پر عثمان بیٹھا تھا۔ آئینور بھی باقیوں کے ساتھ میز کی طرف بڑھنے لگی، مگر سکندر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا اور اپنے ساتھ تخت پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ لمحہ بھر جھجکی پھر بیٹھ گئی۔ آج تک کسی خاتون کو سلطان کے ساتھ تخت پر بیٹھنے کا اعزاز حاصل نہیں ہوا تھا۔ تورہان سلطان کے چہرے پر ناگواری کے آثار واضح تھے۔

''والدہ! عتیقہ کہاں ہے؟'' سکندر نے چاروں اطراف نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

''میرے شیر اس کی طبیعت کچھ خراب ہے۔''

''کیا ہوا عتیقہ کو؟'' مراد فوراً بول اٹھا۔ ''میرے آقا اگر آپ اجازت دیں تو'' مراد بولتے ہوئے اٹھا۔

''کچھ نہیں ہلکا سا بخار ہے۔ کھانا کھالو، پھر دیکھ لینا۔'' تورہان نے اسکی بات کاٹی۔ ''وہ ابھی آرام کر رہی

ہے۔''

مراد دوبارہ بیٹھ گیا۔سکندر کے اشارے پر کھانا شروع کیا گیا۔کھانا ختم ہونے کے بعد سب باغیچے میں ہی موجود رہے۔ابراہیم،عثمان کے ساتھ اہم گفتگو میں مصروف تھا۔مراد،تورہان سلطان کے ساتھ بیٹھا تھا۔تورہان کے چہرے پر پریشانی واضح دکھائی دے رہی تھی۔مراد نے کئی بار اس سے پوچھا مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔سکندر،آئینور کے ساتھ چہل قدمی کرر ہا تھا۔سامنے قاسم لکڑی کی تلوار سے کھیل رہا تھا۔

''قاسم۔'' وہ اسے پکارتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔قاسم دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا۔سکندر نے جھک کر اسے گود میں اٹھالیا۔مراد کے ساتھ اس کے جتنے بھی مسائل تھے قاسم کے لیے اس کی محبت کبھی کم نہیں ہوئی تھی۔وہ اسے گود میں لیے آئینور کے پاس آیا۔وہ دونوں اس بچے کی معصوم باتوں پر مسکرار ہے تھے۔سکندر نے ایک چھوٹی سی ڈبیا قاسم کے ہاتھ میں دی۔

اس نے ڈبیا کھولی۔اندر ایک چھوٹی سی انگوٹھی تھی۔''انگوٹھی!'' اس کی آنکھیں خوشی سے پھیل گئیں۔اس نے فوراً نکال کر اپنی انگلی میں پہن لی۔اس پر 'قاسم' لکھا ہوا تھا۔سکندر مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔پھر جھک کر اس کے گال پر بوسہ دیا۔''میرا شہزادہ۔'' وہ محبت سے اسے پکارتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

اس بار محل میں عید خوشیاں نہیں،قیامت لے کر آئی تھی۔شہزادی عتیقہ محل میں کہیں موجود نہیں تھیں۔

وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔قدموں میں بے قراری تھی اور آنکھوں میں شدید غصہ۔

''والدہ!عتیقہ محل میں نہیں ہے اور آپ مجھے اب بتا رہی ہیں؟'' سکندر کی آواز میں دبی ہوئی تھی مگر غصہ صاف محسوس ہو رہا تھا۔تورہان سلطان نے اسے دیکھنے کی ہمت نہ کی،مگر لہجہ برقرار رکھا۔

''سکندر!مجھے لگا میں اُسے خود تلاش کرلوں گی۔۔۔۔''

''یہ کیسی غیر ذمہ داری ہے؟'' اس نے بات کاٹ دی، آواز بلند ہو چکی تھی۔

''کل اُس کی شادی ہے ، وہ کہاں جاسکتی ہے؟'' وہ بے چینی سے دالان میں چکر کاٹنے لگا۔

''یقیناً وہ یاقوت کے ساتھ گئی ہوگی۔'' تورہان کے الفاظ فضا میں گرے تو سکندر یکدم رُک گیا۔

''کیا کہا آپ نے؟''

''وہ اسی دو ٹکے کے غلام کے ساتھ گئی ہوگی۔'' سکندر نے بیقینی سے اپنی ماں کو دیکھا۔ سب کچھ ایک لمحے میں واضح ہو گیا تھا۔

''عتیقہ یاقوت سے محبت کرتی تھی اور آپ جانتی تھیں؟''

اس کی آواز اب دھیمی تھی، مگر خطرناک حد تک ٹھنڈی۔

''آپ جانتی تھیں کہ وہ یاقوت سے محبت کرتی ہے؟''

تورہان نے چند لمحے خاموشی اختیار کی۔ پھر نظریں چرائیں۔ سکندر کے سامنے خاموشی اختیار کرنا اور بھی زیادہ خطرناک تھا۔

''ہاں جانتی تھی۔'' وہ بولا کچھ بھی نہیں بس رخ موڑ کر چل دیا۔

پھر اچانک پلٹا۔ ''آپ نے پھر بھی یہ سب کیا؟!'' اب اس کی آواز گونجی تھی۔

''آپ ایسا کیسے کر سکتی ہیں، والدہ؟! آپکی وجہ سے وہ اس وقت یہاں نہیں ہے، آپکو اندازہ بھی ہے وہ کتنے بڑے خطرے میں ہے۔''

تورہان خاموش بیٹھی رہیں اور سکندر کے صبر کا آخری کنارہ بھی ٹوٹ گیا۔

''اگر میری بہن کو کچھ ہوا۔۔۔'' وہ قریب آ کر بولا، آنکھوں میں انتباہ صاف تھا، ''تو یقین کریں میں آپ کو سزا دینے سے بھی گریز نہیں کروں گا۔'' وہ تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

رات گہری ہو چکی تھی سپاہی ہر طرف پھیل چکے تھے۔ مگر سکندر خود گھوڑے پر سوار، اندھیرے جنگل میں

اُنہیں تلاش کرر ہا تھا۔

ایک سنسان جھونپڑی کے اندر یاقوت آگ جلا رہا تھا، جب کہ عتیقہ خاموش بیٹھی تھی۔

''شہزادی کچھ ہی دیر میں میرا دوست آجائے گا پھر ہم کشتی کے ذریعے یہاں سے نکل جائیں گے۔''

عتیقہ نے صرف سر ہلایا۔اسے کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔یاقوت تیزی سے اٹھا۔دروازہ کھولا۔اور اُس کے سامنے سکندر کھڑا تھا۔اس کی سانس جیسے وہیں رک گئی۔

''یاقوت دوست وفادار بنایا کرو۔''یاقوت کی نظر سکندر کے پیچھے کھڑے سپاہی کی گرفت میں موجود اپنے اس دوست پر پڑی جسکا ذکر وہ کچھ دیر پہلے کرر ہا تھا۔عتیقہ بھی آواز سن کر دروازے تک آ گئی۔سکندر کی نظر ایک لمحے کو اُس پر ٹھہری پھر اُس نے پیچھے کھڑے ابراہیم کی طرف دیکھا۔ابراہیم فوراً آگے بڑھا اور نرمی سے عتیقہ کا ہاتھ پکڑ کر لے جانے لگا۔

''بھائی!نہیں یاقوت کی غلطی نہیں!''عتیقہ چیخی۔وہ شہزادی تھی اسے سزا نہیں ملنی تھی۔سزا ملنی تھی تو یاقوت کو۔

''میں نے کہا تھا اُسے!بھائی۔اُسے معاف کر دیں!''وہ سکندر کے قدموں میں گر گئی۔سکندر نے جھٹکے سے قدم پیچھے کر لیے۔

''ابراہیم!''صرف ایک لفظ مگر حکم واضح تھا۔

ابراہیم نے عتیقہ کو مضبوطی سے تھاما اور باہر لے گیا۔اسی لمحے مراد بھی پہنچ چکا تھا اور وہ دونوں خاموشی سے عتیقہ کو لے کر محل کی طرف روانہ ہو گئے۔جھونپڑی میں اب صرف سکندر اور یاقوت رہ گئے تھے۔

''تو۔یاقوت۔''

سکندر اندر آتے ہوئے بولا۔یاقوت کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اگلے لمحے سکندر نے ایک زوردار مکہ اسکے چہرے پر مارا۔وہ زمین پر جا گرا۔سکندر نے اُسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ایک کے بعد ایک وار

مکے۔۔۔۔لاتیں۔۔۔

ہر ضرب میں غصہ تھا۔ یاقوت کے لبوں سے خون بہہ رہا تھا۔

''میری بہن کو لے جانے کی ہمت کیسے کی؟!''

''میں محبت کرتا ہوں شہزادی سے محبت کرتا ہوں۔'' یہ سن کر سکندر کا ہاتھ ایک لمحے کو رُکا۔ وہ اُس کے اوپر کھڑا، بھاری سانسیں لیتا اُسے دیکھتا رہا۔

''تو سیدھے آ کر بات کرتے مجھ سے۔'' اس کی آواز اب دھیمی تھی۔ ''یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' یاقوت جواب نہ دے سکا۔

''کیا میں نے تمہیں اپنا بھائی نہیں کہا تھا یاقوت، میں نے کب تمہیں غلام سمجھا۔ تم جانتے بھی ہو تم نے اس حرکت سے اپنی اور عتیقہ دونوں کی جان کتنے بڑے خطرے میں ڈال دی تھی۔ تم دونوں رضامند ہوتے تو میں خود تم دونوں کی شادی کرواتا۔'' وہ حق پر تھا۔ سکندر نے ایک آخری نظر اُس پر ڈالی اور پھر پلٹ کر باہر نکل گیا۔ جھونپڑی کے اندر یاقوت زمین پر پڑا تھا۔ چہرہ خون سے لت پت۔ اور سکندر کی بھاری انگوٹھیاں اسکے چہرے پر نشان چھوڑ چکی تھیں۔ مگر اُس کی آنکھوں میں ایک ہی چیز باقی تھی۔ محبت، جو سزا بن چکی تھی۔

وہ کمرے میں داخل ہوا تو دروازہ زور سے بند ہوا۔ آواز میں چھپا غصہ صاف محسوس ہو رہا تھا۔ عتیقہ چونک کر اس کی طرف مُڑی۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

''عتیقہ۔'' اس بار اس کی آواز میں سختی بھی تھی اور ضبط بھی۔

وہ سر جھکا کر کھڑی رہی۔ سکندر چند قدم آگے بڑھا۔ پھر اچانک رک گیا جیسے خود کو سنبھال رہا ہو۔

''یہ کیا حرکت تھی؟'' آواز بلند نہ تھی مگر دبے ہوئے غصے سے بھری ہوئی۔ عتیقہ کی پلکیں جھک گئیں۔ ''تم

اکیلی محل سے نکل گئی؟'' وہ اب اس کے بالکل سامنے آکھڑا ہوا۔

''تمھیں اندازہ بھی ہے تم نے کیا کیا ہے؟''

''میں۔۔۔'' وہ بولی مگر الفاظ ساتھ نہ دے سکے۔

''اگر راستے میں کوئی دشمن تمھیں دیکھ لیتا تو؟'' اس کی آواز اب ذرا تیز ہوئی۔ ''اگر تمھیں اور یاقوت کو کچھ ہو جاتا تو؟'' عتیقہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''میں نے نہیں سوچا۔۔۔''

''ہاں، یہی مسئلہ ہے!'' اس نے فوراً بات کاٹی، ''تم نے سوچا ہی نہیں!''

چند لمحے وہ اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر اس کا لہجہ خود بخود نرم پڑ گیا۔ وہ آہستہ سے قریب آیا۔ اور اس کی ٹھوڑی اٹھا کر اسے اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کیا۔

''عتیقہ تم میری بہن ہو۔'' اس کی آواز اب نرم تھی۔

''میں تمھیں کسی خطرے میں نہیں دیکھ سکتا۔'' سکندر نے گہری سانس لی۔ اور ایک لمحے کو نظریں موڑ لیں۔

''میں نے تم سے پوچھا تھا۔'' وہ دوبارہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا،

''تمہاری مرضی کے بارے میں۔ تم خوش ہو یا نہیں۔'' وہ تھوڑا سا جھکا۔ آواز میں اب شکایت تھی۔

''پھر تم نے اُس وقت کیوں نہیں بتایا؟'' عتیقہ کے آنسو بہہ نکلے۔

''میں ڈر گئی تھی۔'' وہ دھیمی آواز میں بولی۔

''مجھ سے؟'' سکندر نے فوراً پوچھا۔ ''نہیں والدہ سے، انہوں نے کہا کہ اگر میں نے انکار کیا تو وہ یاقوت کو مروا دیں گی۔''

عتیقہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ ''اس لئے میں کہہ نہیں پائی۔''

''اور اب بھاگ کر سب ٹھیک ہو جاتا؟''

اس نے ہلکا سا تلخ لہجہ اختیار کیا۔ وہ بس خاموش کھڑی رہی ۔سکندر بھی کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''یاقوت۔۔۔۔میں جانتا ہوں وہ کیسا ہے۔۔۔۔وفادار ہے۔''

عتیقہ نے چونک کر اسے دیکھا۔''مگر۔۔۔۔یہ طریقہ غلط تھا،عتیقہ۔'

وہ ایک قدم پیچھے ہٹا۔''اس خاندان میں فیصلے چھپ کر نہیں کیے جاتے۔''

آواز میں پھر وہی ہلکی سی سختی لوٹ آئی۔عتیقہ نے روتے ہوئے سر ہلایا۔وہ کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے آنسو اپنے انگوٹھے سے صاف کیے۔''اور ایک بات یاد رکھو۔ میں سلطان ہوں ،مگر اس سے پہلے تمہارا بھائی ہوں۔''عتیقہ کی آنکھوں میں پہلی بار سکون اترا۔کچھ دیر خاموشی رہی پھر وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

''بھائی!یاقوت؟''

سکندر نے ایک لمحے کو نظریں موڑیں۔پھر دوبارہ اس کی طرف دیکھا۔

''زندہ ہے۔''اس نے مختصر جواب دیا۔''اور جب تک میں ہوں،رہے گا بھی۔''

یہ کہہ کر وہ مڑ گیا۔اس کے قدموں میں اب وہی رعب تھا۔عتیقہ کو جیسے ایک لمحے کیلئے سکون مل گیا۔

''پھر سکندر نے یاقوت اور اپنی بہن کی شادی دھوم دھام سے کروائی۔عثمان لالا اسے شادی کر کے اسے اپنے ساتھ لے گیا۔دس سال گزر گئے ہر چیز بہترین دکھنے لگی مگر نہیں ایسا نہیں تھا۔یہاں سے تو زوال شروع ہونا تھا۔ابھی تو تباہی مچنی تھی۔''بزرگ کی آنکھیں ایک بار پھر نم ہوئیں۔سکندر اب مزید متوجہ ہو چکا تھا۔

''ویسے شادی کروانی ہی تھی تو اتنا مارا کیوں بیچارے کو؟''

''اب کسی کی بہن کو بھگائے گا وہ بھی سلطان کی تو نتیجہ تو بھگتے گا نا؟''بزرگ نم آنکھوں سے مسکرایا۔

۱۵۲۵ء

وہ پچھلے تین سالوں سے جنگ کے محاذ پر تھا۔ وقت جیسے اُس کے لیے ٹھہر گیا تھا، مگر دل ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بے چین ہوتا جا رہا تھا۔ دس سال قبل خدا نے اُسے جڑواں بیٹوں سے نوازا تھا۔ اور پھر تین سال پہلے ایک بار پھر اسے دو جڑواں بچوں سے نوازا گیا۔ مگر اس بار وہ اُن کے پاس نہ تھا۔ یہ خبر بھی اُسے جنگ کے شور میں ملی تھی۔ پچھلے تین سالوں سے وہ اُنہیں دیکھنے کے لیے بے تاب رہا تھا۔

اور اب وہ لمحہ قریب آ رہا تھا۔ جنگ ختم ہو چکی تھی۔ فتح اُس کے قدم چوم چکی تھی۔ اور صرف ایک دو دن میں وہ محل واپس لوٹنے والا تھا۔ ابراہیم پایہ تخت کی نگرانی کر رہا تھا۔ جبکہ مراد، سکندر کے حکم پر قریبی قلعے میں فوج تعینات کرنے گیا ہوا تھا۔ وہ اپنے خیمے میں بیٹھا، آئینور کا مکتوب پڑھ رہا تھا، ہر لفظ اُس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر رہا تھا۔ اسکے قریب کھڑا یاقوت اس سے کچھ بات کرنے والا تھا۔

کہ اچانک زوردار دھماکہ ہوا۔ زمین لرز اٹھی۔ خیمہ ایک لمحے میں تباہی کا منظر پیش کرنے لگا۔ کسی نے براہِ راست سکندر کے خیمے کو نشانہ بنایا تھا۔ وہ دور جا گرا۔ سر اور سینے پر گہری چوٹیں آئیں۔ اس کیلئے سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔

وہ زمین پر پڑا۔ ٹوٹتی سانسوں کے ساتھ زندگی کو تھامنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''نہیں۔۔۔'' اس کے لبوں سے بمشکل نکلا، ''میں۔۔۔ اپنی اولاد کو دیکھے بغیر۔۔۔ نہیں مر سکتا۔''

وہ کانپتے ہاتھوں سے زمین کا سہارا لے کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ہر حرکت اذیت بن چکی تھی۔ قریب ہی زمین پر یاقوت پڑا تھا۔ بے حس و حرکت۔ سکندر لڑکھڑاتے قدموں سے اُس کی طرف بڑھا۔

''یاقوت!'' اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی، ''یاقوت! اٹھو۔'' کوئی جواب نہ آیا۔ یاقوت ویسے ہی بے حس و

حرکت پڑا تھا۔ جیسے زندگی اُس سے روٹھ چکی ہو۔ سکندر کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں اور پھر وہ زمین پر گر گیا۔ نظر دھندلانے لگی۔ اُس نے آخری بار یاقوت کی طرف دیکھا۔ ''کیا یہ مر گیا؟''

وہ خود سے سوال کر رہا تھا۔ چند لمحے وہ اُسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے اپنا چہرہ موڑ لیا۔ اب اُس کی اپنی آنکھیں بند ہونے لگیں تھیں۔

اچانک اُسے اپنے سات سالہ بیٹے یاد آئے۔

پھر آئینور کا مسکراتا چہرہ۔

تورہان۔

ابراہیم۔

عتیقہ۔

قاسم۔

ایک ایک کر کے سب اُس کی آنکھوں کے سامنے آنے لگے۔ کوئی ایسا نہ تھا جسے اُس نے آخری بار یاد نہ کیا ہو۔ اسے آئینور کے ساتھ ہونے والی آخری گفتگو یاد آئی،

(وہ کرسی پر بیٹھا کاغذ پر کچھ لکھ رہا تھا، آئینور اسے مسلسل دیکھ رہی تھی۔ بلآخر اس نے کاغذ پر مہر لگائی اور کاغذ کو دیکھنے لگا۔ ''کیا لکھ رہے تھے اتنی دیر سے؟'' آئینور اس کے قریب آ کر کرسی کے بازو پر بیٹھ گئی۔ ''کتھایا اور کینیا کی کچھ زمینیں تمہارے نام کر رہا ہوں۔'' سکندر نے کاغذ اسکی جانب بڑھایا۔ ''کیوں؟'' وہ حیرت سے کاغذ پڑھتے ہوئے پوچھنے لگی۔ ''کیونکہ جنگ پر روانہ ہونے والا ہوں۔ اور ممکن ہے واپس نہ لوٹوں۔ ریاست ظالم ہے، میرے بعد تم سب کا جینا مشکل ہو سکتا ہے۔'' آئینور ایک لمحہ اسے دیکھتی رہی پھر اس نے کاغذ پھاڑ دیا۔ ''تمہیں واپس لوٹنا ہوگا، تمہیں پتا ہونا چاہیئے کہ تم ہمارا واحد سہارا ہو۔ یاد رکھنا اگر واپس نہ لوٹے تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔'')

آنکھوں سے آنسو بہے اور داڑھی میں گم ہو گئے۔ وہ ہمیشہ سے شہادت کا خواہشمند تھا۔ اور آج وہ خواہش پوری ہونے جا رہی تھی۔ مگر دل خوش نہ تھا۔ وہ اپنی اولاد کو یتیم چھوڑ کر جا رہا تھا۔۔ وہ اپنے پیچھے نہ جانے کتنے لوگوں کو روتا چھوڑ کر جا رہا تھا۔ سانسیں مدھم ہو رہی تھیں۔ اور زندگی آہستہ آہستہ اُس کے ہاتھوں سے پھسل رہی تھی۔

محل میں سکندر کی شہادت کی خبر پہنچتے ہی کہرام مچ گیا۔ تورہان سلطان بیٹے کے غم میں بیمار ہو گئی تھیں۔ عتیقہ کا غم اور بھی گہرا تھا۔ اس نے نہ صرف سکندر کو کھو دیا بلکہ یاقوت کو بھی۔ وہ اپنے بیٹے کو دیکھتی تو بے اختیار اسے یاقوت کا خیال آ جاتا۔ اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔ ابراہیم ایک ہی دن میں اپنے دو بھائی کھو چکے تھا، سکندر اور یاقوت، جو دونوں دل کے قریب تھے۔ انہوں نے اسے دنیا میں تنہا چھوڑ دیا۔ وہ اکثر کہتا تھا:

فقدان الأخ یعنی فقدان نصف القلب،

بھائی کو کھونا یعنی آدھا دل کھو دینا۔

آج اس نے دو بھائی کھوئے تھے گویا پورا دل ہی کھو بیٹھا۔

آئینور کو کسی چیز کی پرواہ نہیں رہی تھی۔ وہ سکندر کی تلاش میں محل سے نکل گئی، حالانکہ سکندر کی لاش کو پایا تخت میں بنی مسجد میں دفنایا گیا تھا۔ ابراہیم اور باقی اہلِ خانہ نے کئی بار اسے سمجھایا، مگر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ آخر کار سب نے تھک کر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ ابراہیم نے مجبوراً کچھ سپاہی اور مرجان کو اس کے ساتھ بھیجا۔

آئینور میں امید کی ایک کمزور روشنی باقی تھی، مگر دل میں ایک شدید درد بھی چھپا ہوا تھا۔ وہ میدانِ جنگ کی طرف نکلی، امید لیے کہ کہیں سکندر یا یاقوت کے نشانات مل جائیں، کوئی سراغ، کوئی نشان، جو اس

کے دل کو سکون دے سکے۔

مگر میدان سنسان تھا۔ ہر طرف خاموشی، دھول اور مٹی کی چادر۔ جہاں بھی وہ دیکھتی، صرف ویرانی اور تنہائی نظر آتی۔ نہ کوئی قدموں کی آہٹ، نہ کسی کی آواز، نہ کوئی زندگی کا اشارہ۔ ہر قدم کے ساتھ آئینور کی امید کمزور ہوتی گئی۔ آخر کار، تھکن اور غم نے اس کے جسم کو گھیر لیا۔ وہ ایک ٹوٹے ہوئے درخت کے نیچے بیٹھ گئی، آنکھیں بند کر کے بس روتی رہی۔ رونا اس کے دل کا بوجھ ہلکا کر رہا تھا، مگر ساتھ ہی دل کی بے سکونی بڑھا رہا تھا۔ ہوا کے نرم جھونکے اس کے آنسوؤں کو چھو کر گزرے، اور وہ بس خاموشی میں اپنے درد کے ساتھ رہ گئی۔ آئینور کو کچھ سمجھ آ رہا تھا، نہ کوئی حل نظر آ رہا تھا۔ اپنی آنکھوں سے اس نے سکندر کی لاش دیکھی تھی مگر اسے یقین نہیں تھا۔ وہ کہتی تھی: ''اگر سکندر مر چکا ہوتا تو میں بھی مر چکی ہوتی۔ اگر میں زندہ ہوں تو وہ بھی زندہ ہے۔''

محل میں سکندر کے بچے، باپ کے ساتھ ساتھ ماں کے سائے سے بھی محروم ہو گئے تھے۔ ابراہیم وقتاً فوقتاً ان کے پاس جاتا اور ان کے ساتھ وقت گزارتا انہیں دیکھ کر اس کا دل دکھتا تھا۔ وہ ان دو بچوں کو دیکھتا اور پھر اپنے آنسو قابو نہ رکھ پاتا۔ انہوں نے تو اپنے باپ کا چہرا تک نہیں دیکھا تھا۔ سکندر کی موت نے پوری ریاست کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ محل جہاں لوگ چند دن پہلے جشن کی تیاریوں میں مصروف تھے، اب ہر طرف سوگ منایا جا رہا تھا۔ رنگین پردے سیاہ پردوں سے بدل دیے گئے۔ ہر طرف غم چھا گیا اور محل سوگ میں ڈوب گیا۔

''میں یقین سے کہہ سکتا ہوں وہ زندہ ہیں۔'' سکندر نے کسی ذہین انسان کی طرح کہا۔ جیسے اس نے بڑی آسانی سے ایک پیچیدہ معاملہ حل کر دیا۔

''کوئی اندھا بھی یقین سے کہہ سکتا ہے۔'' بزرگ بھی کہاں اسے خوش دیکھ سکتا تھا۔

''پر وہ ہے کہاں؟''

''آؤ بتاتا ہوں کہاں ہیں۔''

کسی نے اس کے چہرے پر پانی پھینکا۔اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھل رہی تھیں۔وہ ایک کشتی میں تھا۔ آس پاس دیکھنے کی کوشش کی تو سامنے یاقوت بے ہوش بیٹھا ہوا تھا،اس کے ہاتھ پیچھے ایک ستون سے مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے۔جب اس نے اپنے ہاتھ ہلانے کی کوشش کی تو محسوس ہوا کہ اس کے اپنے ہاتھ بھی کسی سخت چیز سے بندھے ہوئے ہیں۔سکندر نے اپنا چہرہ اٹھایا اور اوپر دائیں جانب دیکھا تو ایک شخص کھڑا تھا۔وہ سکندر کو دیکھ کر مسکرایا۔

''ترکوں کے بادشاہ کو اپنی گرفت میں دیکھنے کا خواب آخر پورا ہو گیا۔''

سکندر خاموش اسے دیکھتا رہا۔

''شیر آزاد ہو یا قید میں، رہتا تو شیر ہی ہے۔اس لئے اس سے احتیاط برتنی چاہئے۔کیا معلوم کب چیر پھاڑ دے۔''

وہ زور سے ہنسنے لگا۔

''لیکن تمہیں یہ تو معلوم ہوگا، سکندر مرزا، کہ جب شیر کو کرتب دکھانے کے لیے پکڑا جاتا ہے تو اس کے ناخن اور دانت نکال دیے جاتے ہیں۔'' وہ آگے بڑھا، اور اس کے پیچھے کئی اور آدمی بھی آئے۔

انہوں نے سکندر کو پکڑ کر ایک بڑے تختے سے باندھ دیا۔اس کے ہاتھ تخت پر پھیلا کر باندھے گئے۔ سکندر اب کچھ حد تک اندازہ لگا رہا تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔یاقوت ابھی بھی بے ہوش تھا۔سکندر نے ایک نظر یاقوت پر ڈالی، پھر دوبارہ اسی آدمی کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔اس آدمی نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اپنے قریب کھڑے آدمی سے چاقو پکڑا۔اور اگلے ہی لمحے اس نے چاقو سکندر کی ہتھیلی میں پیوست کیا۔سکندر کے منہ سے ہلکی سی آہ نکلی۔آدمی نے چاقو نکالا اور دوبارہ پیوست کیا۔تیسری بار سکندر صبر نہ کر سکا، اور ایک زوردار چیخ اس کے منہ سے نکلی۔اس کا ہاتھ شدید زخمی ہو چکا تھا، خون اس کے ہاتھ سے بہ کر

کشتی میں گرنے لگا، اور درد سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''یاد رکھنا، سکندر مرزا، ہر شکست کا بدلہ تم سے لیا جائے گا پچھلے دس سالوں کا حساب تم سے لیا جائے گا۔'' وہ چلاتا اسے ٹھوکر مارتا ہوا واپس چلا گیا۔ اب سکندر تختے کے ساتھ کھڑا تھا، یاقوت ابھی تک بیہوش تھا۔ سکندر نے ایک بار پھر اسے دیکھا اور پھر قرآن کی سورہ پڑھنے لگا۔ وہ مشکل میں تھا، اور مشکل سے نکالنے والا صرف خدا ہی تھا۔

کچھ دیر بعد وہ آدمی واپس آئے، ہاتھ میں پانی کی بالٹی لیے۔ ایک لمحے کے لیے ہوا میں خاموشی چھا گئی، پھر انہوں نے پانی یاقوت پر پھینکا۔ یاقوت کی آنکھیں کھلیں، اور وہ ہوش میں آ گیا۔ سکندر نے اسے زندہ دیکھ کر گہرا سانس لیا اور شکر کا کلمہ ادا کیا، لیکن سکون زیادہ دیر قائم نہ رہا۔ ایک لمحے کے بعد یاقوت اور سکندر دونوں کو ایک ایک کر کے ستون سے باندھا گیا۔ یاقوت پہلے ہی زخمی تھا، اس کے جسم میں درد کی لہریں دوڑ رہی تھیں، اور وہ کھڑا ابھی نہیں ہو سکتا تھا۔ آدمی نے ایک بھاری کوڑا اٹھایا اور سکندر کی طرف بڑھا۔ یاقوت انہیں سکندر کی طرف بڑھتا دیکھ کر چیخ اٹھا۔

''سلطانِ معظم کو چھوڑ دو!'' اس کی آواز کشتی سے ٹکرا کر گونج رہی تھی، لیکن وہ سکندر کو اب کوڑے مار رہے تھے۔ سکندر نے اس کی طرف دیکھا، آنکھوں میں درد اور حوصلے کا ملا جلا سا رنگ تھا۔ اس نے زور سے قرآن کی آیات دہرائیں۔

فَإِنَّ مَعَ لْعُسْرِ يُسْرًا۔۔۔ إِنَّ مَعَ لْعُسْرِ يُسْرًا

(یقیناً ہر سختی کے ساتھ آسانی ہے۔)

ستون سے بندھے ہونے کے باوجود سکندر کی آنکھوں میں حوصلے کی چمک تھی۔ یاقوت خاموش ہو گیا، لیکن اس کے دل میں خوف اور درد کی شدت برقرار تھی۔ سکندر کو دیکھ کر، اس کا دل گھبرایا اور آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہنے لگے۔

کمرے کا دروازہ آہستگی سے کھلا اور ابراہیم اندر داخل ہوا۔

کمرے میں ایک عجیب سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ایسی خاموشی جو شور سے زیادہ تکلیف دیتی ہے۔

سامنے دو معصوم بچے بیٹھے تھے۔

ایک جس کی آنکھیں سیاہ تھیں،اپنے ہاتھ میں پکڑے لکڑی کے چھوٹے سے گھوڑے کو بیجان نظروں سے دیکھ رہا تھا۔اور دوسرا نیلی آنکھوں والا،اپنی انگلیوں کو دیکھ رہا تھا،جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو کہ آخر اس کی دنیا اچانک بدل کیوں گئی ہے۔ابراہیم کے قدم وہیں ٹھٹھک گئے۔یہ وہی بچے تھے،جو کل تک قہقہوں سے محل گونجا دیتے تھے۔اور آج جیسے ان کی آواز کہیں کھو گئی تھی۔وہ آہستگی سے ان کے قریب آیا اور ان کے پاس بیٹھ گیا۔کچھ لمحوں تک وہ بس انہیں دیکھتا رہا۔پھر اس نے نرمی سے ہاتھ بڑھایا اور پہلے سیاہ آنکھوں والے بچے کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔پھر دوسرے کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''اداس کیوں ہو تم دونوں؟'' سیاہ آنکھوں والے بچے نے آہستگی سے سر اٹھایا۔

اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔مگر وہ رو نہیں رہا تھا۔وہ خود کو مضبوط بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''مجھے بابا یاد آ رہے ہیں۔'' اس نے دھیرے سے کہا،''وہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے،وہ کیوں چلے گئے؟''

یہ سوال ابراہیم کے دل میں خنجر کی طرح اترا۔وہ جواب دینا چاہتا تھا مگر الفاظ اس کے حلق میں اٹک گئے۔اسی لمحے نیلی آنکھوں والا بچہ اس کے قریب سرک آیا۔

''اور والدہ بھی ہمیں چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔'' اس کی آواز کانپ رہی تھی،''کیا والدہ بھی واپس نہیں آئیں گی؟'' ابراہیم نے آنکھیں بند کر لیں،ایک لمحے کے لیے،پھر فوراً انہیں کھولا۔اور خود کو سنبھالا۔

وہ جھکا اور نیلی آنکھوں والے بچے کو اپنی آغوش میں لے لیا۔اسے اپنے سینے سے لگا لیا جیسے اسے دنیا کی ہر تکلیف سے بچانا چاہتا ہو۔

''نہیں ایسانہیں ہے۔''اس نے نرمی سے کہا''والدہ آجائیں گی وہ بس کچھ دنوں کے لیے گئی ہیں۔''

بچہ اس کے سینے سے لگا خاموش ہوگیا۔مگر اس کی سانسوں کی بے ترتیبی سب کچھ بتا رہی تھی۔

ابراہیم نے اس کے سر پر بوسہ دیا اور پھر اپنی نظر سیاہ آنکھوں والے بچے پر جمائی۔ وہ اب بھی خاموش بیٹھا تھا مگر اس کی آنکھیں سب کہہ رہی تھیں۔اور ابراہیم آنکھیں پڑھ سکتا تھا۔ابراہیم آہستگی سے اٹھا اور اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

''اورہان! میرے اورہان!''

اس نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

''تم بہادر ہو ہے نا؟'' بچے نے ہلکا سا سر ہلایا مگر آنکھوں میں آنسو موجود تھے۔

ابراہیم نے ایک گہری سانس لی۔''ایک نہ ایک دن سب کو اس دنیا سے جانا ہوتا ہے تمہارے بابا بھی ایک بشر تھے اس لیے وہ بھی اس جہاں سے رخصت ہو گئے، لیکن ایک بات یاد رکھنا۔۔۔''

بچے کی پلکیں اٹھیں۔

''مَنۡ بَقِیَ فِی الذِّکۡرَىٰ لَمۡ یَرۡحَلۡ أَبَدًا''

(جو یادوں میں زندہ رہے... وہ کبھی نہیں جاتے)

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ اس کے دل پر رکھا۔

''تمہارے بابا یہاں رہتے ہیں اور یہیں رہیں گے۔ ہمیشہ۔''اورہان کی آنکھوں سے ایک آنسو ڈھلک کر اس کے گال پر آ گیا۔

ابراہیم نے فوراً آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوما، پھر اس نے دونوں بچوں کو اپنے قریب کر لیا۔

''تمہارے بابا، ایک بہادر انسان تھے، ایک عظیم سلطان، انہوں نے کبھی پیچھے ہٹنا نہیں سیکھا، وہ شہید ہوئے ہیں۔''

وہ کچھ لمحے رکا۔

''اور اگر وہ تمہیں آج اس حال میں دیکھتے، روتے ہوئے، ٹوٹے ہوئے، تو انہیں تکلیف ہوتی۔''

سیاہ آنکھوں والا بچہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' ابراہیم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''ہمیں مضبوط بننا چاہیئے، بالکل تمہارے بابا کی طرح۔'' وہ دونوں بچوں کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھا رہا۔ کمرے میں اب بھی خاموشی تھی۔ اچانک دروازہ زور سے کھلا۔ بھاری قدموں کی آواز لوہے کی جھنکار اور اگلے ہی لمحے جلاد اندر داخل ہوئے۔ ان کے چہروں پر کوئی تاثر نہیں تھا، جیسے وہ حکم کے غلام ہوں۔

ابراہیم فوراً کھڑا ہو گیا۔ اس نے دونوں بچوں کو اپنے پیچھے کر لیا۔ اور خود ان کے سامنے ڈھال بن کر کھڑا ہو گیا۔ ''یہاں سے چلے جاؤ۔'' اس کی آواز میں سختی تھی۔ مگر آنکھوں میں ایک انجانا سا خوف بھی۔ جلاد ایک دوسرے کو دیکھ کر آگے بڑھے۔

''حکم کی تعمیل ہو گی۔'' ان میں سے ایک نے سرد لہجے میں کہا۔ ''میں نے کہا پیچھے ہٹو!'' ابراہیم نے انہیں زور سے دھکیلا۔ وہ اکیلا انہیں کافی دیر دھکیلتا رہا۔ مگر وہ تعداد میں زیادہ تھے، انہوں نے ابراہیم کو پیچھے دھکیلا، وہ لڑکھڑا کر دیوار سے جا لگا اور پھر دو جلادوں نے اسے پکڑ لیا۔ جلاد اب بچوں کی جانب بڑھ رہے تھے۔

''نہیں!'' وہ چلایا۔ مگر دو جلادوں نے دونوں بچوں کو پکڑ لیا تھا۔

''چھوڑو انہیں!'' ابراہیم ان کی طرف لپکا۔

ایک جلاد نے فوراً اس کے گلے میں رسی ڈالنے کی کوشش کی۔ مگر ابراہیم نے پوری طاقت سے خود کو آزاد کروایا، اور اگلے ہی لمحے اس کا خنجر اس جلاد کے بازو میں پیوست ہو چکا تھا۔

ابراہیم نے وقت ضائع نہیں کیا—وہ دوڑتا ہوا کمرے سے باہر نکلا۔ جلاد بھی زخمی بازو کے ساتھ اس کے

پیچھے دوڑا۔

دیوان میں آج ہر طرف سناٹا تھا۔ بیچوں بیچ دونوں شہزادوں کو گھٹنوں کے بل بٹھایا جا چکا تھا۔ وہ مزاحمت کر رہے تھے، ہاتھ چھڑا رہے تھے، اور رہان مسلسل انہیں اپنے سے دور دھکیل رہا تھا۔ انکی آنکھوں میں خوف صاف جھلک رہا تھا۔ مگر وہ جلاد تھے، انہوں نے مضبوطی سے انہیں پکڑ رکھا تھا۔ جلادوں نے رسیاں اٹھائیں اور ان کی گردنوں کی طرف بڑھائیں۔ ''نہیں! ہمیں چھوڑ دو!'' نیلی آنکھوں والا بچہ رونے لگا۔ سیاہ آنکھوں والا دانت بھینچے بیٹھا تھا۔ مگر اس کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔

''رُک جاؤ!'' گونجتی ہوئی آواز نے پورے دیوان کو ہلا دیا۔ سب کے قدم وہیں رک گئے۔ تورہان سلطان تیزی سے آگے بڑھیں۔ ان کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا مگر آنکھوں میں حکم کی طاقت ابھی باقی تھی۔

اسی لمحے جالی دار پردے کے پیچھے سے مراد باہر آیا۔ اس کے قدم سست تھے چہرہ بے تاثر مگر آنکھوں میں طوفان چھپا ہوا تھا۔ دیوان میں سناٹا چھا گیا تھا۔

''مراد!'' تورہان سلطان کی آواز میں حکم بھی تھا اور فریاد بھی۔ اس کی نگاہ سیدھی تورہان سلطان پر جا ٹھہری۔

''کیا بات ہے، والدہ؟'' اس کا لہجہ پرسکون تھا۔ مگر اس پرسکون لہجے کے نیچے کچھ جل رہا تھا۔ تورہان سلطان ایک قدم اس کی طرف بڑھیں۔ ''یہ تم کیا کرنے جا رہے ہو؟'' ان کی آواز بھرّا گئی۔

''اپنے ہی بھائی کے بچوں کو قتل کرو گے؟''

مراد کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، مگر وہ مسکراہٹ سرد تھی۔

''بھائی؟'' اس نے دھیرے سے دہرایا۔

''کب سے وہ میرا بھائی بن گیا، والدہ؟ میں نے اس سے اس دن اپنا تعلق ختم کر دیا تھا جب اس نے میرے بیٹے کے سامنے مجھے مروانا چاہا۔''

تورہان سلطان چونک گئیں۔

''مراد!'' ان کی آواز میں تنبیہ تھی۔

''وہ شاہی خاندان سے تھا۔تمہارا بھائی تھا!اور وہ صرف ایک تنبیہ تھی کیونکہ تم نے اس پر حملہ کروایا تھا۔''

مراد کی آنکھوں میں ایک چمک سی آئی۔اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔وہ ہنسا مگر ہنسی میں کڑواہٹ تھی،''میں نے اس پر کوئی حملہ نہیں کروایا تھا،اسے بس مجھے مارنے کا موقع چاہیئے تھا والدہ۔''

تورہان سلطان کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

''مراد!تم غلط سمجھ رہے ہو''

''نہیں والدہ!''اس نے بات کاٹ دی،''میں پہلی بار ٹھیک سمجھ رہا ہوں۔''

اس نے سر گھما کر بچوں کی طرف دیکھا جو اسی کو دیکھ رہے تھے۔

''یہ بچے۔''کل کو یہی بڑے ہوں گے اور پھر یہی میرے خلاف کھڑے ہوں گے جیسے ہر سلطان کے خلاف اس کے اپنے کھڑے ہوتے ہیں۔''

تورہان سلطان نے فوراً کہا،''یہ معصوم ہیں مراد!انہیں سیاست کا حصہ مت بناؤ۔''

مراد کی نظر دوبارہ ان پر جم گئی۔وہ ہلکا سا ہنسا۔

''والدہ!اس گھر میں پیدا ہونے والا ہر شخص سیاست کا حصہ ہے۔''

وہ ایک قدم اور قریب آیا۔

''آپ کو یاد ہے نا آپ ہی نے ہمیں سکھایا تھا کہ تخت کے لیے دل نہیں دیکھا جاتا''یہ سن کر تورہان سلطان جیسے ساکت ہوگئیں۔ان کے اپنے الفاظ آج ان کے خلاف کھڑے تھے۔

''لیکن۔۔۔۔''ان کی آواز ٹوٹ گئی۔

''ہر اصول ہر جگہ لاگو نہیں ہوتا مراد۔یہ بچے۔''

''یہ بچے سکندر کے ہیں!'' مراد نے سختی سے کہا۔

''اور سکندر۔۔۔'' وہ رکا، اس کی آنکھوں میں کچھ چمکا، ''وہ میرا سب سے بڑا حریف تھا۔''

تورہان سلطان نے ایک جھٹکے سے سر نفی میں ہلایا۔

''وہ تمہارا بھائی تھا!'' وہ تقریباً چیخیں۔

''اور آج وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ تم پھر بھی اس سے جنگ لڑ رہے ہو؟'' مراد خاموش ہو گیا۔ چند لمحوں کے لیے۔ اس کی نظریں زمین پر جم گئیں۔

''جنگ ختم نہیں ہوتی۔ جنگ مرنے کے بعد بھی جاری رہتی ہے بس میدان اور سپاہی بدل جاتے ہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے ایک گہری سانس لی۔ پھر بچوں کی طرف دیکھا۔ ایک لمحہ۔ صرف ایک لمحہ۔

اس کی آنکھوں میں نرمی آئی۔

مگر وہ فوراً ختم ہو گئی۔

''انہیں زندہ رہنے دو۔'' تورہان سلطان نے آخری بار کہا، ''یہ سکندر کی آخری نشانی ہیں۔''

مراد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ پلٹا۔ اور بغیر پیچھے دیکھے چل دیا۔ دیوان کے دروازے اس کے پیچھے بند ہو گئے۔ اور تورہان سلطان وہیں کھڑی رہ گئیں۔ اسی وقت براہیم دیوان میں داخل ہوا۔ سانسیں تیز، چہرہ پسینے سے بھیگا ہوا۔ اس کی نظر سیدھی بچوں پر جا کر ٹھہری۔

''مصطفیٰ، اورہان!'' وہ فوراً ان کی طرف بڑھا اور دونوں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

وہ دونوں کانپ رہے تھے مصطفیٰ اس کے سینے سے لگ کر رونے لگا۔ جبکہ اورہان خاموش تھا مگر اس کے ہاتھ ابراہیم کے لباس کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔ ابراہیم نے انہیں مضبوطی سے تھام لیا۔

اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور اس کے اندر غصہ، درد، بے بسی، سب ایک ساتھ موجود تھے۔

لمبی، سنسان راہداری میں قدموں کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ ابراہیم تیز قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر غصہ صاف نظر آ رہا تھا۔ آنکھوں میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ دروازہ زور سے کھلا۔ اندر مراد کھڑا تھا پُرسکون، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

''مراد!'' ابراہیم کی آواز گونجی۔ ''تم بچوں کی جان کیوں لینا چاہتے تھے؟'' مراد نے آہستگی سے اس کی طرف دیکھا مراد کے چہرے پر کوئی ندامت نہیں تھی۔

''میں صرف قانون کے مطابق عمل کر رہا تھا۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا، ''سلطنت کے اصول یہی کہتے ہیں۔'' ابراہیم تلخی سے ہنسا۔

''قانون؟'' وہ ایک قدم آگے بڑھا۔ ''ابھی تم سلطان نہیں بنے مراد۔'' مراد کی آنکھوں میں چمک آئی۔

''لیکن بنوں گا۔'' اس نے صاف لفظوں میں کہا، ''اگلا سلطان میں ہی ہوں گا۔'' کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ ابراہیم نے اسے گھورا۔

''تخت دس سالہ بچے کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔'' مراد نے بات جاری رکھی۔ ''اور تم جیسے غدار کو تو دینے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔''

یہ سنتے ہی ابراہیم کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا۔ ''میں غدار نہیں ہوں۔'' وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

اس کی مٹھی بھنچی ہوئی تھی وہ مراد کو مارنے ہی والا تھا کہ اچانک ایک وجود ان دونوں کے درمیان آ کھڑا ہوا۔

نیلی آنکھیں، سنہرے بال۔ وہ لڑکا ابراہیم کے کندھے تک آتا تھا۔ اس کے چہرے پر اب وہ معصومیت نہیں تھی جو دس سال پہلے تھی۔ اسکی آنکھوں میں عجیب سی سختی تھی۔ وہ مراد کے آگے ڈھال بن کر کھڑا تھا۔

''میرے بابا سے دور رہیں، شہزادے!'' اس کی آواز بھاری تھی۔ وہ بڑا ہو گیا تھا، وہ کچھ زیادہ ہی بڑا ہو گیا تھا۔ ابراہیم کے قدم وہیں رک گئے۔ وہ چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا جیسے وقت رک گیا ہو۔

پھر آہستگی سے اس کے قریب آیا۔ اور نرمی سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ اس کی آنکھوں میں ایک درد ابھرا۔ ''مجھے افسوس ہے، قاسم۔'' وہ دھیرے دھیرے بول رہا تھا۔

''تم نے اپنے باپ کی طرح اپنی معصومیت کھو دی ہے۔'' قاسم کچھ نہیں بولا۔ مگر اس کی آنکھیں اب بھی ابراہیم پر جمی تھیں۔

ابراہیم نے ایک آخری نظر مراد پر ڈالی۔ وہ نظر غصے، نفرت اور بے بسی کا عجیب امتزاج تھی۔ پھر وہ پلٹا۔ اور بغیر کچھ کہے کمرے سے باہر چلا گیا۔

مراد خاموش کھڑا تھا۔ اور قاسم اب بھی اس کے سامنے ڈھال بنے کھڑا تھا۔ مراد کو اپنے سامنے کھڑے اس چودہ سالہ لڑکے پر حد سے زیادہ فخر ہو رہا تھا۔

کشتی ہلکی ہلکی موجوں پر جھول رہی تھی۔ ہوا میں نمی اور خون کی بو گھلی ہوئی تھی سکندر کے ہاتھ ابھی تک ستون سے بندھے تھے، لیکن اس کی آنکھوں میں وہی خطرناک چمک موجود تھی۔ ایک سپاہی اس کے قریب آیا اور رسی کھولنے لگا۔ شاید وہ اسے دوسری جگہ لے جانا چاہتے تھے۔ جیسے ہی اس کے ہاتھ آزاد ہوئے۔ اگلے ہی لمحے سکندر حرکت میں آیا۔

اس نے سامنے کھڑے سپاہی کا بازو پکڑ کر اسے زور سے اپنی طرف کھینچا، اور اس کے پیٹ میں گھونسہ دے مارا۔ سپاہی درد سے دوہرا ہو کر نیچے گرا ہی تھا کہ سکندر نے اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔

''پکڑو اسے!'' کسی نے چیخ کر حکم دیا۔ لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ سکندر تلوار لیے ان پر ٹوٹ پڑا۔

پہلا وار، ایک سپاہی کا کندھا زخمی کیا گیا۔ دوسرا وار، دوسرے کے ہاتھ سے ہتھیار گرا دیا گیا۔ کشتی میں افراتفری مچ گئی لوگ ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ لیکن سکندر وہ تو جیسے میدانِ جنگ میں واپس آ چکا تھا۔ اس کی ہر حرکت میں برسوں کی تربیت شامل تھی۔ ایک اور سپاہی اس پر جھپٹا۔ سکندر نے اس کی کلائی موڑ کر

تلوار چھین لی اور اسے کشتی کے کنارے سے دھکا دے دیا۔ پانی میں چھپاک کی آواز گونجی۔ یاقوت ستون سے بندھا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس کی سانسیں تیز ہو رہی تھیں۔

''سلطان معظم!'' اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ سکندر اب تین آدمیوں کے درمیان گھرا ہوا تھا لیکن وہ رکا نہیں۔ ایک وار۔ پھر دوسرا۔ پھر تیسرا۔ خون کے چھینٹے، تلواروں کی ٹکر، اور چیخوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ جیت رہا تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ سب پر بھاری ہے۔ لیکن پھر اچانک سب کچھ رک گیا۔ اس ایک آواز پر سب رک گیا۔

''رُک جاؤ، سکندر مرزا۔''

آواز دھیمی مگر خطرناک تھی۔ سکندر کے قدم وہیں رک گئے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ یاقوت کے گلے پر ایک تیز دھار خنجر رکھا ہوا تھا۔ یاقوت کی آنکھیں بند تھیں، جسم کمزور، اور گردن پر خنجر کی ہلکی سی حرکت بھی اسے ختم کر سکتی تھی۔

''ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو اس کی گردن الگ کر دوں گا۔'' کشتی میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ سکندر کے ہاتھ میں تلوار تھی سانسیں بھاری ہو چکی تھیں۔ آنکھوں میں غصہ دہک رہا تھا لیکن نگاہ یاقوت پر ٹھہر گئی۔ صرف ایک لمحہ لگا اور اس نے تلوار نیچے پھینک دی۔

''اسے چھوڑ دو۔'' اس کی آواز بھاری تھی مگر حکم سے بھرپور۔

دشمن ہنسا۔ اندھیرے میں سکندر اسے دیکھ نہیں پایا تھا۔ پر وہ جو بھی تھا سکندر اسے پہلی بار دیکھ رہا تھا۔

''ہمیں معلوم تھا تم اپنی کمزوری کے آگے جھک جاؤ گے۔''

سکندر کی مٹھی بند ہو گئی۔ جبڑے سخت ہو گئے۔ لیکن وہ خاموش کھڑا رہا۔ اگلے ہی لمحے کئی آدمی اسکی طرف بڑھے۔ اس کے ہاتھ دوبارہ باندھ دیے گئے۔ وہ مزاحمت کر سکتا تھا، وہ سب کو مار سکتا تھا۔ لیکن اس نے کچھ نہیں کیا۔ کیونکہ یاقوت کی زندگی اس کے لیے ہر جنگ سے زیادہ قیمتی تھی۔

''کیا وہ کبھی وہاں سے نکل پائے؟'' سکندر اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔

''لگتا ہے تم اس قید والے حصے سے تنگ آ گئے ہو۔ چلو پھر وہاں سے شروع کرتے ہیں جب وہ قید سے نکلے۔'' بزرگ کہانی کو اب آگے سے شروع کر رہا تھا۔

کشتی کے ایک کونے میں یاقوت ستون کے ساتھ ٹکا بیٹھا تھا۔ زخموں سے چور سانسیں بے ترتیب۔ سکندر اس کے قریب ہی زنجیروں میں جکڑا بیٹھا تھا۔ اسکے جسم کو زنجیروں کے ساتھ ستون سے باندھا گیا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ زنجیروں سے آپس میں جکڑے ہوئے تھے۔ لوہے کی بھاری زنجیر سے اسکی کلائی میں درد ہو رہا تھا۔ مگر اس کے چہرے پر درد کا کوئی تاثر نہ تھا۔ اس کی نظریں مسلسل یاقوت پر تھیں۔ انہیں اب اس کشتی میں موجود چار دن سے زیادہ کا وقت گزر چکا تھا۔ چند لمحے خاموشی میں گزرے۔

پھر یاقوت نے بمشکل لب ہلائے۔ ''آپ چلے جاتے، سلطان معظم۔'' اس کی آواز کمزور تھی مگر درد سے بھری ہوئی تھی۔ سکندر کی نگاہ فوراً اس پر ٹھہر گئی۔

''آپ کو رکنا نہیں چاہیے تھا۔''

یاقوت نے آنکھیں بند کیں۔ ''آپ بچ سکتے تھے آپ چلے جاتے۔''

ایک لمحے کے لیے سکندر خاموش رہا۔ پھر وہ آہستہ سے اس کی طرف جھکا۔

''اور تمہیں چھوڑ کر چلا جاتا؟'' اس کی آواز دھیمی تھی مگر اندر چھپا غصہ اور دکھ صاف محسوس ہو رہا تھا۔

''وہاں جا کر عتیقہ کو کیا کہتا۔؟''

اس نے سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''تمہارے بیٹے سے کیا کہتا؟'' یاقوت کی پلکیں ہلیں۔ وہ جواب نہ دے سکا۔

سکندر نے زنجیروں میں جکڑے اپنے ہاتھ تھوڑے سے ہلائے۔ دونوں ہاتھوں کے درمیان لٹکتی زنجیر سے کچھ شور ہوا۔

پھر مضبوط لہجے میں بولا۔

''سکندر مرزا اپنے دوستوں کو۔۔۔اپنے سپاہیوں کو۔۔۔ پیچھے چھوڑ کر نہیں جاتا۔'' یہ سکندر کا اصول تھا۔

یاقوت کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ چند لمحوں بعد سکندر نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

''ہم یہاں سے نکلیں گے۔''

یاقوت نے آہستہ سے اس کی طرف دیکھا۔

''ان شاءاللہ۔''

''اور ساتھ نکلیں گے۔'' سکندر نے مکمل یقین کے ساتھ کہا۔ کشتی اب بھی لہروں پر جھول رہی تھی۔

دور کہیں پانی کی آواز آ رہی تھی۔ چند لمحوں بعد قدموں کی آواز آئی۔ ایک شخص آ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہی جو پچھلے دو تین دنوں سے اسے تکلیف پہنچا رہا تھا۔

اس کے لبوں پر وہی سرد مسکراہٹ تھی۔

''تمہیں معلوم ہے سکندر مرزا؟'' وہ سکندر کے صبر کو آزما رہا تھا۔ ''تمہاری موت کی خبر تمہارے محل تک پہنچ چکی ہے۔''

سکندر کی پلک تک نہ جھپکی۔ وہ خاموش اسے دیکھتا رہا۔

''اب تک تمہارے تخت پر نئے بادشاہ کو بٹھانے کی تیاریاں بھی شروع ہو چکی ہوں گی۔''

وہ مزید جھکا، اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ ''اور تم یہاں ایک قیدی۔''

سکندر کے جبڑے ہلکے سے بھنچے مگر وہ خاموش رہا۔

''ایک غلطی کر دی تم نے۔'' وہ اب ذرا سنجیدہ ہوا۔ ''اپنی حکمتِ عملی سب کو نہیں بتاتے دھوکہ ہمیشہ وہی دیتے ہیں جن پر ہم سب سے زیادہ بھروسہ کرتے ہیں۔''

وہ مسکرایا۔

''یعنی اپنے''۔کشتی میں لمحہ بھر کو خاموشی چھا گئی۔
پھر وہ جھک کر اور قریب آیا۔
''اور ہاں میرے آدمیوں نے خبر دی ہے''اس کی آواز میں اب خباثت گھل چکی تھی۔
"تمہاری وہ سُلطانہ میدانِ جنگ میں پھر رہی ہے،پچھلے ایک دو دن سے۔''
سکندر کی آنکھوں میں پہلی بار چمک بدلی۔
وہ شخص ہنسا۔
''سوچ رہا ہوں اسے بھی یہاں لے آؤں پھر تم دونوں کو ایک ساتھ دنیا........''
جملہ مکمل بھی نہ ہوا تھا سکندر نے برق رفتاری سے اپنے ہاتھوں کے درمیان بندھی زنجیر کو اٹھایا اور سیدھا اس کے گلے میں ڈال دیا۔
''آہ!''
وہ سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ سکندر نے پوری طاقت سے اسے اپنی طرف کھینچا۔زنجیر اس کے گلے میں دھنس گئی۔سکندر اٹھ کھڑا ہوا۔زنجیر کو دونوں ہاتھوں سے کھینچتے ہوئے اس کی آنکھوں میں اب صرف وحشت تھی۔وہ آدمی ہاتھ پاؤں مارتا رہا۔۔۔تڑپتا رہا۔۔۔کئی دوسرے لوگ آ کر اسے سکندر کی گرفت سے بچانے لگے،ان میں سے ایک دو نے سکندر کو مارا۔
لیکن سکندر نے ڈھیل نہ دی۔
اور پھر۔
اس نے اپنا سر زور سے اس کے سینے پر مارا۔
ایک بار۔
پھر دوسری بار۔

پھر تیسری بار۔

ہر ضرب پہلے سے زیادہ شدید تھی۔ ہڈیوں کے ٹوٹنے کی مدھم سی آواز سنائی دی۔ وہ آدمی اب بالکل ڈھیلا پڑ چکا تھا۔ سکندر نے زنجیر کو آخری بار جھٹکا دیا۔ اور وہ بے جان ہو کر نیچے جا گرا۔ اس کی سانسیں رک چکی تھیں۔ پسلیاں ٹوٹ چکی تھیں۔

کشتی میں ایک لمحے کو مکمل خاموشی چھا گئی۔ کوئی اسکی سلطانہ کا ذکر کرتا اور بچ جاتا.... کیا یہ اسکی زندگی میں ممکن تھا؟ سکندر نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ اس کی سانسیں بھاری تھیں۔ آنکھوں میں اب بھی وہی آگ جل رہی تھی۔

اور پھر اس کی نظر سامنے کھڑے ایک اور شخص پر جا ٹھہری۔ وہی جس نے یاقوت کی گردن پر خنجر رکھا تھا۔ وہ خاموش کھڑا تھا۔ اس کے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ اور وہ مسکرا رہا تھا۔

کافی دیر کوئی ان کے پاس نہ آیا، وہ غالباً اس شخص کا علاج کرنے میں لگے تھے جسے سکندر کافی دیر پہلے قتل کر چکا تھا۔ اچانک دروازہ زور سے کھلا۔

ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ چہرے پر غصہ اور نفرت صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ سیدھا سکندر کے قریب آیا۔ اور بغیر کچھ کہے اسے زوردار گھونسہ مارا۔ وہ یقیناً کچھ دیر پہلے مرنے والے شخص کا بدلہ نکال رہا تھا۔ سکندر کا سر ایک طرف جھٹکا کھا گیا مگر وہ گرا نہیں۔ دوسرا وار۔۔۔۔ تیسرا وار۔۔۔ وہ بے رحمی سے اسے مارتا رہا۔ یاقوت یہ منظر دیکھ نہ سکا۔

''بس کرو!'' وہ چیخا۔

''بزدل ہو تم۔ بندھے ہوئے آدمی پر ہاتھ اٹھاتے ہو!'' وہ ستون کے ساتھ بندھا ہوا پوری طاقت سے ہلنے لگا۔ اس آدمی کی نظر فوراً اس پر گئی۔

''چپ رہو!'' وہ غصے سے چیخا۔لیکن یاقوت کہاں رکنے والا تھا۔

''اگر ہمت ہے تو اسے آزاد کرو پھر دیکھتے ہیں کون مرد ہے!'' بس یہی بات اس آدمی کے لیے کافی تھی۔ غصے میں اس نے قریب رکھی شیشے کی بوتل اٹھائی اور پوری طاقت سے یاقوت کے سر پر دے ماری۔ بوتل ٹوٹ کر بکھر گئی۔شیشے کے ٹکڑے ہر طرف بکھر گئے۔یاقوت کا سر ایک طرف لڑھک گیا۔خون بہنے لگا۔سکندر کی آنکھوں میں ایک لمحے کو خطرناک چمک آئی لیکن وہ آدمی مسکرا کر مڑا اور پھر دوبارہ سکندر کو مارنے لگا۔کچھ دیر بعد کسی نے اسے پکارا۔وہ باہر گیا،سکندر پوری توجہ سے انکی بات سن رہا تھا۔مگر وہ اس سے کافی دور تھے وہ صرف ایک لفظ ہی سن سکا۔'پرنس سٹیفن'۔ چند لمحوں بعد خاموشی چھا گئی۔شاید ہر کوئی اب اپنی جگہ پر جا چکا تھا۔یاقوت نے درد سے کراہتے ہوئے سر کو نیچے کیا۔یاقوت کی نظر نیچے گئی۔شیشے کا ایک نوکیلا ٹکڑا اس کے قریب پڑا تھا۔یاقوت نے بمشکل سر اٹھایا۔سکندر اور یاقوت کی آنکھیں ملیں اور پھر دونوں مسکرانے لگے۔اس نے آہستہ سے اپنے پاؤں سے اسے اپنی طرف کھینچا۔پھر بڑی مشکل سے ہاتھ اس تک پہنچایا۔

زخموں کے باوجود کپکپاتے ہاتھوں سے وہ رسی کاٹنے لگا۔چند لمحے گزرے پھر رسی ڈھیلی پڑ گئی۔یاقوت آزاد ہو چکا تھا۔اس نے فوراً سکندر کی طرف بڑھ کر اس کی زنجیر کھولی۔اسے کافی مشکل کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر بلآخر دونوں اب آزاد تھے۔ایک لمحے کے لیے ان کی نظریں ملیں۔بغیر کچھ کہے سب طے ہو گیا۔ وہ خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھے۔باہر دو سپاہی کھڑے تھے۔پہلا سپاہی کچھ سمجھ پاتا اس سے پہلے ہی سکندر نے اس کا منہ دبا کر خنجر اس کے سینے میں اتار دیا۔دوسرا پلٹا یاقوت نے اس کے گلے پر وار کیا۔

دونوں لاشیں خاموشی سے زمین پر گر گئیں۔وہ آگے بڑھتے گئے۔ایک ایک کر کے ہر سپاہی کو خاموشی سے ختم کرتے ہوئے اب وہ کشتی کے کنارے پہنچ چکے تھے۔

تبھی ایک اور کشتی ان کے قریب آ کر رکی۔ سکندر کی نظر اس پر گئی۔ وہی شخص جس کا نام غالباً سٹیفن تھا۔ وہی پراسرار مسکراہٹ۔ وہ آہستہ آہستہ اس کشتی کی طرف بڑھ رہا تھا پھر وہ اس میں سوار ہوا۔ اور کشتی دھیرے دھیرے دور ہونے لگی۔ اسی لمحے پیچھے سے مزید سپاہی ان پر ٹوٹ پڑے۔

''ایک زبردست لڑائی ہوئی، مگر دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہوتے دیکھ کر ان دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور پھر اگلے ہی لمحے دونوں پانی میں کود گئے۔ دشمنوں میں سے بھی کئی لوگ پانی میں کودے مگر بہترین تیراک ہونے کے باعث وہ دونوں انکے ہاتھ نہ لگ سکے۔''

''واللہ مجھے علم نہیں تھا وہ سٹیفن دوبارہ لوٹے گا۔'' سکندر نے سر پر ہاتھ مارا۔

وہ میدانِ جنگ میں کھڑی تھی اور اسے وہاں آئے ایک ہفتہ ہونے والا تھا۔ اس ایک ہفتے میں اسے کسی چیز کا خیال نہیں آیا تھا نہ اپنی اولاد کا نہ تخت کے اگلے وارث کا نہ ہی ریاست کا۔ خیال تھا تو صرف سکندر کا۔ سکندر کا کہیں کوئی نام ونشان نہ تھا مگر اس کا دل واپس جانے کو تیار نہیں تھا۔ مرجان آغا باقی سپاہیوں کے ساتھ آ کر اس کے قریب رکا۔

''ملکہ دور دور تک ہر گوشہ چھان لیا ہے سلطانِ معظم کہیں نہیں ملے۔ ملکہ، ضد چھوڑ دیجیے واپس چلیں۔''

پچھلے دس برسوں میں مرجان آغا، آئینور کا خاص خادم بن چکا تھا۔

آئینور اسے قتل کا حکم دیتی تو وہ یہ بھی کر گزرتا۔ آج آئینور کے دل میں امید کی آخری کرن بھی بجھ گئی تھی۔ وہ جب سے یہاں موجود تھی، روز سپاہیوں کے ساتھ دور دور تک جاتی رہی تھی۔

تقریباً ہر سمت میں وہ سکندر کو تلاش کر چکے تھے۔ اور جو آخری سمت باقی تھی، آج وہاں بھی مرجان سپاہ کے ساتھ جا چکا تھا۔ یعنی سکندر اسے تنہا چھوڑ کر جا چکا تھا۔ آج جیسے اسے سکندر کی موت کی خبر ملی تھی۔ اس کی ٹانگوں سے جان نکلنے لگی اور وہ دھیرے دھیرے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ مرجان نے اسے اس حال

میں دیکھا تو اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔سکندر کے ساتھ گزارا ہوا وقت اس کے ذہن میں ابھرنے لگا۔ آئینور کی آنکھوں کے سامنے وہ رات آئی جب سکندر جنگ پر جانے سے ایک رات پہلے اس کے ساتھ تھا۔

''(ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' آئینور نے اس کی نظریں خود پر محسوس کر کے گھبرا کر پوچھا تھا۔

''دیکھ رہا ہوں کہ زمین کا چاند زیادہ خوبصورت ہے یا میرا۔''

سکندر کی نظریں اب بھی اس کے چہرے پر تھیں۔آئینور ہنس پڑی تھی۔

''اچھا، تو کس نتیجے پر پہنچے ہیں، سلطانِ معظم؟''

''ہر چیز واضح ہے، میرا چاند زیادہ حسین ہے۔''

وہ کہہ کر اس کا ہاتھ چومنے لگا۔)

سکندر کی باتیں اب اس کے کانوں میں گونجنے لگیں۔

''سکندر مر کر بھی تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔''

''تم میرے لئے کیا ہو میں یہ بیان نہیں کر سکتا۔''

''سکندر! زندگی کے ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوگا۔''

''جھوٹ کہا تھا تم نے۔'' آئینور کے لب کپکپائے۔

''تم آج نہیں ہو، تم کل بھی نہیں ہوگے۔'' اس کی سانسیں بکھرنے لگیں۔ایک اور منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آیا۔

''(ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''

وہ اسے بے مقصد دیکھتا تھا اور وہ جھنجھلا کر پوچھتی۔

''اپنی سلطنت دیکھ رہا ہوں۔''

سکندر اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''سلطنت وہاں ہے۔'' اس نے اس کا چہرہ موڑا۔

سکندر ہنس پڑا۔

''وہ سکندر کی ہے، مرزا کی سلطنت تو یہاں ہے۔'' آئینور نے ہنس کر ہاتھ اپنے چہرے پر رکھا۔

سکندر نے اس کے ہاتھ ہٹا کر اس کا ماتھا چوما۔

''اپنی سلطنت چھوڑ کر کون جاتا ہے؟!'' اس بار آئینور چیخی۔ اس کے ذہن میں بے شمار باتیں ایک ساتھ گونج رہی تھیں۔ اچانک اس نے دور کسی کو گھوڑے پر سوار اپنی جانب آتے دیکھا۔ آئینور اسے وہاں سے بھی پہچان سکتی تھی۔ سپاہیوں نے فوراً ہتھیار سنبھال لیے۔ تیروں کو کمانوں میں جڑ دیا گیا۔ یہ ابراہیم کی ہدایت تھی۔ وہ سوار قریب آتا گیا۔ اب اس کا چہرہ واضح تھا۔ اس کے کفتان کے کچھ بٹن ٹوٹے ہوئے تھے۔ خون اس کے لباس پر پھیلا ہوا تھا۔ چہرے اور ماتھے پر زخم تھے۔ ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اسکے پیچھے یاقوت تھا۔ اسی لمحے بارش برسنے لگی۔

آئینور نے کئی بار بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ سکندر تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ نہ جانے کون سی دعا قبول ہوئی تھی وہ کس نیکی کے عوض اسے دوبارہ دیا گیا تھا۔ نہیں یہ تو احسان تھا۔ اس ذات کا احسان جسکے پہلے بھی اس پر کئی احسان تھے۔

اسے وہ آیت یاد آئی جو سکندر اکثر پڑھا کرتا تھا۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ

اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

نعمت ہی تو تھی زندگی۔ اس شخص کی زندگی۔ جو تین سال بعد اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے۔

مرجان نے بھی سینے پر ہاتھ رکھا اور سکندر کو دیکھا۔ مرجان کی آنکھیں خود بخود نم ہو گئیں۔ مرجان وہ شخص تھا جسے کبھی کسی نے روتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ آج رو پڑا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

سکندر کچھ فاصلے پر گھوڑے سے اترا۔ اور آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا اس کی طرف آنے لگا۔

آئینور زمین پر بیٹھی تھی۔ سکندر بھی اس کے قریب آ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ کیا رتبہ، کیا اقتدار، کیا عہدہ، کیا مقام، وہ زمین پر تھی تو سکندر بھی زمین پر ہی تھا۔

اگلے ہی لمحے اسے مضبوطی سے اپنے سینے سے لگا لیا۔ آئینور نے اس کے کافتان کو پوری شدت سے پکڑ لیا۔ سکندر نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

ایک لمحے میں سارا درد، ساری تکلیف، ختم ہو گئی تھی۔ وہ اسکا سکون تھی، اور سکندر کو اپنا سکون عزیز تھا۔ ایک دو آنسو اسکی آنکھوں سے بہہ کر داڑھی میں گم ہو گئے۔ وہ سلطان تھا، وہ روتا نہیں تھا مگر آج وہ رو رہا تھا، وہ اسے روتا دیکھ کر رو رہا تھا۔ کچھ دیر یونہی بیٹھے رہنے کے بعد وہ تھوڑا پیچھے ہٹا۔

اس نے آئینور کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو اب بھی بہہ رہے تھے۔ سکندر نے انگوٹھے اس کے آنسو صاف کیے۔

''سلطانم! رویا نہ کریں۔'' اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔

''مجھے یہاں تکلیف ہوتی ہے۔'' آئینور کی نظر اس کے ہاتھ پر پڑی۔ پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے وہ ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور دیر تک اسے دیکھتی رہی۔ وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ اس پر کیا گزری ہے۔ انہیں اپنی تکالیف بتانے کیلیئے الفاظوں کا استعمال نہیں کرنا پڑتا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کا درد محسوس کر لیتے تھے۔

سکندر نے نرمی سے اس کے کندھوں کو تھاما اور اسے کھڑا کیا۔

''مرجان!'' اس کی آواز مضبوط تھی۔

''پایہ تخت خبر بھجوا دوان سے کہو، ترکوں کا سلطان، سکندر مرزا اللہ کے فضل سے ابھی زندہ وسلامت ہے اور انشاءاللہ کل لوٹ رہا ہے۔''

مرجان نے سر جھکایا اور فوراً تعمیل کے لیے چل پڑا۔

وہ دونوں اب بھی بارش میں کھڑے تھے۔سکندر نے اسے کندھے سے تھاما اور پھر گھوڑے کی جانب بڑھ گیا۔

سکندر کی آنکھیں نم تھیں۔کاش کوئی معجزہ اس کیلئے بھی ہوتا، کاش وہ آنکھیں کھولے اور ماہ فیروز اس کے سامنے ہو۔زندہ صحیح سلامت۔بزرگ نے ایک نظر اس پر ڈالی۔''محبتوں میں امتیحان آتے ہیں آزمائشیں آتی ہیں۔تم صبر کرو۔'' وہ بس ہاں میں سر ہلا رہا تھا۔مگر یہ مشکل تھا۔صبر کرنا مشکل تھا۔

وہ راہداری میں چلتا ہوا کمرے کے قریب آ رہا تھا۔دور سے ہی اسے ابراہیم نظر آ گیا، جس کے ایک جانب مراد کھڑا تھا۔سکندر نے قدم تیز کیے اور قریب پہنچتے ہی ابراہیم کو گلے سے لگالیا۔ابراہیم نے بھی اسے مضبوطی سے گلے لگایا۔

''أسألُ اللہ أن یھبَ عُمرَ إبراھیمَ لِسِکندر

میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ابراہیم کی عمر بھی سکندر کو مل جائے۔''

سکندر ہلکا سا مسکرایا۔پھر ایک لمحے کو پیچھے ہو کر اس نے ابراہیم کو دیکھا۔اور اگلے ہی لمحے ابراہیم نے اسے دوبارہ گلے لگالیا۔

ابراہیم کی آنکھوں کی نمی سکندر سے چھپی نہ رہ سکی۔سکندر نے نرمی سے اس کے کندھے کو چوما۔

''میں آ گیا ہوں، ایبواب رونا بند کرو۔'' وہ دھیمی آواز میں بولا۔پھر وہ اس سے ذرا ہٹ کر سامنے کھڑے مراد کی جانب بڑھا۔سکندر نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔مراد نے سر جھکا کر اس کا ہاتھ

چوما۔ چند لمحے سکندر اسے دیکھتا رہا۔ پھر بغیر کچھ کہے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

دروازہ کھلا۔ اور وہ رک گیا۔ اندر سب موجود تھے۔ وہ ایک لمحہ دروازے پر کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ پھر ہلکا سا مسکرایا۔

تین سال پہلے جب وہ جنگ پر گیا تھا، اس کا خاندان چھوٹا تھا اور آج جب وہ لوٹا تھا۔ تو یہ خاندان وسیع ہو چکا تھا۔ اپنوں کو ایک ساتھ دیکھ کر اس کے دل میں ایک عجیب سی، گہری خوشی اتری تھی۔ ہر کسی کو ہوتی ہے۔ وہ آگے بڑھا اور والدہ سلطان کے قریب جا کر نرمی سے ان کا ہاتھ چوما۔ پھر انہیں گلے سے لگا لیا۔

''شکر ہے خدا کا، سکندر بہت شکر ہے۔'' تورحان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''شکر ہے خدا کا۔''

سکندر نے بھی دھیمی آواز میں کہا۔ پھر وہ آگے بڑھا۔ اس نے اپنا ہاتھ محمود کی طرف بڑھایا اور جھک کر اس کے گال کو چوما۔

محمود، اس کا واحد بھانجا اور اسے بے حد عزیز تھا۔

''یاقوت تمہارا اور محمود کا محل کے باغیچے میں انتظار کر رہا ہے۔''

اس نے عتیقہ کو ہاتھ تھماتے ہوئے بتایا۔ عتیقہ نے چند لمحے اسے دیکھا۔ پھر اس کے اشارے پر محمود کے ساتھ کمرے سے باہر چلی گئی۔

اب وہ اپنے سیاہ آنکھوں والے بیٹے کے سامنے کھڑا تھا۔

''خوش آمدید، بابا۔'' وہ مسکرا کر اس کا ہاتھ چومنے لگا۔ سکندر اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ ہو بہو سکندر جیسا تھا۔ یہ محل کے سب لوگ کہتے تھے۔

وہی جرات، وہی بہادری، وہی آنکھیں۔ مگر سکندر کو اس میں صرف اپنا عکس نہیں دکھتا تھا۔ اسے اس میں تخت کا اگلا وارث۔ اور ترک سلطنت کا اگلا سلطان نظر آتا تھا۔ اس نے جھک کر اس کے گال کو چوما۔ پھر

اس کے گال پر نرمی سے ہاتھ پھیرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔اب وہ اپنے نیلی آنکھوں والے بیٹے کے سامنے تھا۔وہ خاموشی سے اس کا ہاتھ تھام کر چومنے لگا۔جڑواں ہونے کے باوجوداورحان اور مصطفیٰ صرف شکل میں ہی نہیں بلکہ عادات اور طبیعت میں بھی مختلف تھے۔اورحان کی نسبت مصطفیٰ کم گو تھا۔وہ اپنے بھائی جیسا بہادر نہ تھا۔وہ اپنی ماں جیسا تھا اور اپنی ماں کے بے حد قریب تھا۔اسے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز اپنی ماں تھی۔جبکہ اورحان کو سب سے زیادہ عزیز سکندر تھا۔مصطفیٰ کی آنکھیں بھی آئینور جیسی ہی تھیں۔سکندر نے ایک نظر اسے دیکھا۔پھر جھک کر اس کا گال چوما اور آگے بڑھ گیا۔آئینور پر ایک نظر ڈالی اور مسکرا دیا۔اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر وہ چند لمحے صرف اسے ہی دیکھتا رہا اور اب آخر کار وہ ان دو بچوں کے سامنے تھا جن سے وہ آج پہلی بار مل رہا تھا۔سکندر کے سامنے آتے ہی وہ احترام سے جھکے۔اور کچھ زیادہ ہی جھک گئے،اتنا کہ اگر اور جھکتے تو شاید زمین پر گر جاتے۔

سکندر ان کی حرکت دیکھ کر کھل کر ہنس پڑا۔کمرے میں موجود سب لوگ حیران رہ گئے۔سکندر کو مسکراتے کئی بار دیکھا گیا تھا۔مگر اس طرح ہنستے ہوئے۔کسی نے نہیں دیکھا تھا۔سوائے آئینور کے۔وہ اب گھٹنوں کے بل بیٹھا اور دونوں بازو پھیلا دیے۔وہ دونوں بچے۔سیاہ آنکھوں والے۔ایک دوسرے سے کافی ملتے جلتے تھے۔اگر وہ ایک ہی جنس کے ہوتے۔تو یقیناً ایک جیسے ہوتے۔مہر شاہ نے سکندر کو دیکھا۔وہ اس کی واحد شہزادی تھی۔اور تین بھائیوں کی اکلوتی بہن۔نخرے بے حد تھے۔اسے محل میں آنے والے ہر نئے شخص کی توجہ چاہیے ہوتی تھی۔

اور جب کوئی اسے نظر انداز کرتا تو وہ شکایت لیے تو رحان کے پاس پہنچ جاتی۔

چند دن پہلے جب ابراہیم نے اسے غیر ارادی طور پر نظر انداز کیا۔تو وہ دیر تک روتی رہی تھی۔صرف تین سال کی عمر میں بھی وہ جو کہتی سب کو صاف سمجھ آتا۔

سکندر کو بازو پھیلائے دیکھ کر وہ ایک لمحہ رکی،پھر دوڑتی ہوئی اس کی طرف آ گئی۔

محل کا سب سے حسین انسان اس کے سامنے بیٹھا تھا اور اسے توجہ دے رہا تھا۔ وہ کیسے انکار کرتی ؟
عبداللہ۔ کافی دیر سے سکندر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ لوگوں کو پرکھتا تھا۔ اتنی سی عمر میں بھی اسے لوگوں کو پرکھنے کی عادت تھی۔ جب اس نے مہرشاہ کو سکندر کے پاس دیکھا۔ تو وہ بھی آہستہ قدم بڑھاتا اس کے قریب آ گیا۔ سکندر نے دونوں کو ایک ساتھ اپنی بانہوں میں اٹھالیا اور باری باری ان کے گال چومنے لگا۔ مہرشاہ کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ اسے سکندر محل میں سب سے زیادہ حسین لگا تھا اور حان سے بھی زیادہ۔
مگر جب اس نے سکندر کو عبداللہ کی طرف متوجہ دیکھا۔ تو اس نے فوراً نرمی سے اس کے گال کو چوما اور طریقہ کامیاب ہو گیا۔ سکندر دوبارہ اسی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ دونوں کو اٹھائے کچھ دیر کھڑا رہا۔ پھر ایک نظر آئینور پر ڈالی۔
اور خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"بابا! وہ دوڑتا ہوا یاقوت کی طرف بڑھ رہا تھا اور یاقوت نے باہیں کھول کر اسے اٹھالیا۔ مضبوطی سے اسے گلے لگا کر یاقوت پیچھے کھڑی عتیقہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ آہستہ قدم لیتا قریب آیا اور پھر اسکے ماتھا چومنے لگا۔
"ایسے جھٹکے دینا تم دونوں دوستوں کو بہت پسند ہے؟" اس نے نم آنکھوں سے پوچھا۔ یاقوت ہلکا سا مسکرایا۔
"اسکے علاوہ ہمیں اپنے پیچھے دعائیں کرتی اپنی بیویاں بھی پسند ہیں۔" اسکی بات سن کر وہ نم آنکھوں کے ساتھ ہنسی۔ "بہت برے ہو تم۔"
"ہاں مجھے پتا ہے۔"
اس نے یاقوت کے سینے پر مکا مارا۔ یاقوت ہنستا چلا گیا۔ اب وہ اپنے محل کی جانب بڑھ رہے

تھے۔یاقوت کے ہاتھ میں محمود اب اسے مہر شاہ کی عجیب وغریب حرکتیں بتا رہا تھا۔

''وہ ہر ایک کو بس اپنی طرف کرنا چاہتی ہے۔اور آپکو پتا ہے......''محمود نے سرگوشی کے عالم میں کہا مگر آواز ماشاءللہ ہر طرف گونج رہی تھی۔''وہ اندھی ہے۔''یاقوت نے اسے حیرت سے دیکھا اور پھر عتیقہ کو۔عتیقہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''تم سے کس نے کہا کہ وہ اندھی ہے؟''

''والدہ میں نے خود اندازہ لگایا ہے۔''

''اور یہ اتنا اچھا اندازہ کیسے لگایا ہے؟''یاقوت نے حیرت سے رک کر پوچھا۔اسے لگا اسکا بیٹا کافی اچھا مشاہدہ کر سکتا تھا۔

''کیونکہ وہ کہتی ہے میں حسین نہیں ہوں۔یہ تو کوئی اندھا ہی کہہ سکتا ہے۔جس کے پاس نظر ہو وہ تو نہیں کہہ سکتا نا؟''اسکی دلیل پر یاقوت اور عتیقہ بے انتہا ہنس رہے تھے۔کیا دلیل تھی کیا مشاہدہ تھا۔اگر سکندر اسے اس بات پر ہنستا دیکھ لیتا تو واللہ کچھ کر دیتا لیکن اب وہ کونسا دیکھ رہا تھا۔

''اچھا اور۔۔۔۔اسکے علاوہ بھی وجوہات دونا''محمود اب اسے نا جانے کتنی مزید وجوہات بتا رہا تھا۔

وہ سکندر اور دالان کی دیوار کے درمیان کھڑی تھی۔رات کے اس پہر دونوں دالان میں کھڑے ریاست کا نظارہ کر رہے تھے۔استنبول روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ایک اور فتح،اور سلطان کی واپسی کی خوشی میں ہر طرف جشن کا سماں تھا۔

''تو سلطانِ معظم ایک بار پھر سلطنت میں اضافہ کر دیا آپ نے۔''

سکندر نے اسے دیکھے بغیر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔وہ اس سے قد میں کچھ چھوٹی تھی،اتنی کہ اس کا سر سکندر کے کندھے سے ٹکرا رہا۔تھا۔سکندر اس کے پیچھے کھڑا تھا،مگر اس کے باوجود پورا شہر اس کی

نظروں کے سامنے تھا۔

''ویسے اگر میں اس ریاست کا کچھ حصہ مانگوں تو کتنا دو گے؟''

آج آئینور کا انداز غیر سنجیدہ تھا۔

''جتنا کہو گی اتنا دے دوں گا۔''

سکندر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جتنا میں مانگوں؟ اور اگر میں نے ساری مانگ لی تو؟'' اب وہ مڑ کر سکندر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ سکندر کے سینے پر تھے۔

''تو میں ساری دے دوں گا۔''

سکندر کے جواب پر وہ ہنس پڑی۔

''تو ریاست مجھے دے کر خود کیا کرو گے؟''

سکندر نے اس کے بال نرمی سے کان کے پیچھے کیے، اور دھیمے لہجے میں بولا۔

''ظاہر ہے تمہاری غلامی کروں گا۔''

آئینور اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

وہ تین براعظموں کا حکمران، اس کی غلامی کی بات کر رہا تھا۔

''تم پاگل ہو۔ تم میری غلامی کرو گے؟''

وہ سر جھٹک کر ہنس دی۔

سکندر اب بھی اسے دیکھ رہا تھا۔

''ہاں، وہ اِبو کہا کرتا ہے

ذالم تذِلَّ نفس في الحب، فما قيمة ذل الحب؟

اگر محبت میں غلامی نہ کی تو پھر وہ محبت ہی کیا؟''

وہ اس کی بات سن کر ایک بار پھر ہنس دی۔

''ویسے یہ تمہارا بھائی شہزادہ ابراہیم کسی سے محبت کرتا تھا؟ اتنی شاعری کوئی محبت میں ہی لکھ سکتا ہے۔''

آئینور نے ہنس کر کہا۔

''ہاں کرتا تھا محبت ملی نہیں بیچارے کو.... بتایا تھا اس نے مجھے شادی ہو گئی اسکی۔''

''اوہ! افسوس ہوا سن کر'' آئینور کے تاثرات بدلے۔ کچھ دیر مزید رکنے کے بعد وہ دونوں دالان سے کمرے میں داخل ہوئے۔ میز پر کھانا سجا ہوا تھا۔

ان کے چاروں بچے ایک قطار میں کھڑے تھے۔

سکندر آگے بڑھا، مہر شاہ کو گود میں اٹھایا اور میز کے ایک سرے پر بیٹھ گیا۔

پھر ہاتھ کے اشارے سے اپنے بیٹوں کو بیٹھنے کا کہا۔ آئینور پہلے ہی اس کے برابر بیٹھ چکی تھی۔ تینوں بیٹے اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ کھانا شروع ہوا۔ مگر مہر شاہ نے سکندر کو ایک لقمہ بھی سکون سے نہ کھانے دیا۔

وہ ہر لمحے اس کی بڑھی ہوئی داڑھی پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف موڑتی، اور پھر نہ جانے کیا کیا باتیں کرنے لگتی۔ جن میں زیادہ تر ابراہیم کی شکایات ہوتیں۔ وہ شکایات بھی صرف اس لیے، تاکہ ابراہیم کو ڈانٹ پڑے اور وہ آئندہ اسے نظر انداز نہ کرے۔

مہر شاہ کے مطابق، جو اسے اٹھا کر باغیچے کا ایک چکر نہ لگائے۔ وہ اسے نظر انداز ہی کر رہا ہوتا تھا۔ اور ابراہیم نے اسے اٹھا کر چار چکر لگانے کے بعد پانچواں لگانے سے انکار کر دیا تھا۔ کبھی وہ سکندر کی گود میں کھڑی ہو جاتی۔ اور چھوٹے چھوٹے ہاتھ ہلا کر غصہ کرنے لگتی۔ سکندر ہر بار مسکرا کر اس کے ہاتھ چوم لیتا۔ ایک لمحے کے لیے بھی اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ نہیں آئی تھی۔ آخر کار، کچھ دیر بعد وہ اس کے

سینے سے لگ کر سو گئی۔ وہ صرف تب ہی خاموش ہوتی تھی جب اسے نیند آتی تھی۔ سکندر نے مسکرا کر اس کا سر چوما اور پھر کھانا کھانے لگا۔

''اورہان! مصطفیٰ! ان تین سالوں میں کیا کیا ہے تم دونوں نے؟''

سکندر نے کھانے سے فارغ ہو کر پوچھا۔

''بابا! میں نے آپ کی طرح قرآنِ مجید مکمل حفظ کر لیا ہے!''

اورہان نے جوش سے بتایا۔ سکندر کی آنکھوں میں فخر اتر آیا۔

''بہت اعلیٰ لیکن ایک بات یاد رکھنا، بیٹے، قرآن پر عمل کرنا، اسے یاد کرنے سے زیادہ ضروری ہے۔''

اورہان نے سر ہلایا۔ مصطفیٰ خاموش بیٹھا تھا۔ اس کا سر اور بھی جھک گیا تھا۔ وہ اپنے بھائی جیسا نہیں تھا۔ اور اسے یہ بات اندر ہی اندر چبھتی تھی۔ آئینور نے اس کی جھجک محسوس کی، اور نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ مصطفیٰ نے اسے دیکھا اور ہلکا سا مسکرا دیا۔ اس کی ماں اس کے ساتھ تھی یہ اس کے لیے کافی تھا۔ کچھ دیر بعد سکندر اٹھا۔ اپنی میز سے کچھ اٹھایا، اور اورہان کے پاس آیا۔

''اورہان، میرے شیر یہ تمہارا تحفہ ہے۔ تم نے قرآن حفظ کیا اور تمہارے مشورے بھی مجھے پسند آئے۔''

وہ ایک نہایت خوبصورت شاہی خنجر تھا۔ اورہان نے اسے لے کر چوما اور ماتھے سے لگایا۔

''میرے لیے اعزاز کی بات ہے، میرے آقا۔''

مصطفیٰ نے یہ منظر دیکھا۔ اسے اپنا آپ نہایت بیکار محسوس ہوا۔ اور خاموشی سے اجازت لے کر وہاں سے چلا گیا۔ سکندر اسکی جھجک محسوس کر چکا تھا تاہم وہ اسے وہاں روک کر شرمندہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد سکندر اورہان کے ساتھ دالان میں کھڑا تھا۔ وہ اس سے جنگی حالات پر بات کر رہا تھا۔

اورہان کی نظر بار بار اس کے ہاتھ پر جا رہی تھی۔

''آپ کے ہاتھ کو کیا ہوا، بابا؟'' اس نے فکر سے پوچھا۔

وہ نرمی سے سکندر کا ہاتھ دیکھنے لگا۔ اسے اپنے باپ پر ایک خراش بھی بہت تکلیف دیتی تھی۔

''کچھ نہیں معمولی سی چوٹ ہے۔''

سکندر نے ہاتھ پیچھے کرلیا۔ وہ اپنی اولاد کے سامنے کمزور نہیں دکھنا چاہتا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد قاسم بھی آ گیا۔ اب سکندر ایک بازو قاسم کے کندھے پر، اور دوسرا اورہان کے کندھے پر رکھے کھڑا تھا۔ اور دونوں کو ریاست کے اصول سکھا رہا تھا۔ جاتے ہوئے قاسم نے اسے اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی شطرنج پیش کی۔ سکندر نے مسکرا کر اس کے تراشے ہوئے مہروں کی دل کھول کر تعریف کی۔ اس کیلئے قاسم اورہان اور مصطفیٰ میں کوئی فرق نہیں تھا۔ وہ قاسم کو اپنی اولاد ہی سمجھتا تھا۔

وہ اپنے بستر پر لیٹا تھا، مگر اسے سکندر کے اندر آنے کا علم ہو چکا تھا۔ وہ احتراماً کھڑا ہوا۔

''آپ نے وہاں سے رخصت کیوں مانگی مصطفیٰ؟'' سکندر اب اسے بازو سے پکڑے بڑے نرمی سے بستر کی طرف لے گیا۔ مصطفیٰ کوئی جواب نہیں دے پایا۔

''میں بس وہاں نہیں رکنا چاہتا تھا۔ میں اورہان سے حسد نہیں کرتا میں بس خود کو.... میں خود کو اس سے کم تر سمجھتا ہوں۔''

''پر میں نہیں سمجھتا۔'' مصطفیٰ نے نظریں اٹھا کر سکندر کو دیکھا۔

''بلکل میں نہیں سمجھتا۔ ہر شخص میں الگ خوبیاں ہیں۔ تم میں بھی ہیں مصطفیٰ۔ مجھے تم میں خوبیاں دکھتی ہیں۔ اگر میں اسکی خوبیوں کو معیار بنا کر تمہیں پرکھنا شروع کروں تو مجھے تم میں خامیاں نظر آئیں گی لیکن اگر میں تمہیں تمہاری خوبیوں سے پرکھوں تو تم کمال ہو۔''

مصطفیٰ نے آنکھیں صاف کیں۔ وہ حساس تھا بے حد حساس۔ سکندر کے یہ الفاظ اس کیلئے کیا معنی رکھتے تھے بس وہی جانتا تھا۔

''خود کو کبھی کم تر مت سمجھنا۔تم بہترین ہو۔بس دیکھنے والی آنکھ بہترین ہونی چاہیئے۔'' سکندر نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے اسکا سر چوما۔پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔اس کے ساتھ مصطفیٰ بھی کھڑا ہوا۔سکندر نے ایک ڈبیا نکال کر مصطفیٰ کی طرف بڑھائی اس میں ایک بے انتہا خوبصورت انگوٹھی تھی۔

''یہ میرے بابا نے مجھے تب دی تھی مصطفیٰ جب میں بھی تمہاری طرح خود کو کمتر سمجھنے لگا۔انہوں نے یہ انگوٹھی مجھے دی۔یہ ہمارے اباؤ اجداد کی انگوٹھی تھی مصطفیٰ جو محض قابل لوگوں کو دی جاتی ہے۔انہوں نے مجھے دے کر کہا کہ اپنے اندر خوبیاں تلاش کرو مرزا......اگر میں نے یہ انگوٹھی تمہیں دی ہے تو تم میں خوبیاں ہیں۔میں بھی تم سے وہی کہوں گا بیٹے۔'' سکندر نے ڈبیا سے انگوٹھی نکال کر اسے دے دی۔سکندر نے اپنا سر جھکا کر اسکے سر سے ٹکایا،''ایک بات یاد رکھنا مصطفیٰ،اگر تم میں کوئی خوبی نہ ہوتی تو تب بھی تم سکندر مرزا کے بیٹے ہوتے اور سکندر مرزا تم سے تب بھی اتنی ہی محبت کرتا جتنی اب کرتا ہے۔سکندر مرزا کی تم سے محبت غیر مشروط ہے۔'' سکندر نے اسکا ماتھا چوما اور پھر کمرے سے باہر چلا گیا۔مصطفیٰ کیلئے وہ الفاظ مرہم تھے۔اسے اپنے باپ کا ساتھ ہی تو چاہئے تھا۔

''سلطان ایک اچھا باپ ہے۔'' سکندر نے تعریف کی۔

''تم بہت جلدی فیصلہ نہیں کر لیتے؟'' بزرگ نے آنکھیں کچھ خشک کیں۔اور ہاتھ دل پر رکھا۔وہ کافی دنوں سے تکلیف میں تھا۔خیر یہ تکلیف اسے کہانی سنانے سے روک نہیں سکتی تھی۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑا تھا اور اس کے سامنے کھڑی آئینور اُس کا کفتان درست کر رہی تھی۔

کچھ لمحوں بعد جب اُس نے کفتان ٹھیک کر دیا تو وہ اُس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔سکندر نے مسکرا کر میز پر رکھا ہوا ایک خوبصورت ڈبہ اٹھایا۔اُس نے اسے کھولا اور اس میں سے ایک ہار نکال کر آئینور کی طرف بڑھا دیا۔

یہ اُس کا تحفہ تھا۔

سکندر نے اپنی پہلی اولاد کی پیدائش پر بھی اُسے تحفہ دیا تھا، اور اب بھی وہ اُسے تحفہ دے رہا تھا۔

''مجھے اس سے زیادہ قیمتی کچھ چاہیے۔''

سکندر نے اُس ہار کو دیکھا۔ وہ ہار انتہائی قیمتی پتھروں سے تیار کیا گیا تھا۔ بس وہی جانتا تھا کہ وہ کتنا نایاب ہے، کیونکہ وہ خود جوہر شناس تھا۔

سکندر نے ابرو اٹھا کر آئینور کی طرف دیکھا۔

''آج اور اگلے کچھ دن تم، میں اور شہزادے ہم ادرنا میں گزاریں گے''

''بہت اعلیٰ مجالس لگانی ہیں معاملات......''

وہ ابھی اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ آئینور نے اپنے ہاتھ اُس کے سینے پر رکھ دیے۔ یہ آخری پتا تھا، اور آئینور اسے پھینک چکی تھی۔ سکندر ہلکا سا مسکرایا۔

''اچھے خاصے سلطان کو وش میں کر رکھا ہے تم نے۔ اس کا الگ سے حساب ہوگا۔''

یہ کہتے ہوئے وہ اب کایا کو بلانے لگا۔

''کایا! آج کے سب اجلاس وزیرِ اعظم یاقوت پاشا سے کہو وہ دیکھ لیں'' کایا کے جانے کے بعد سکندر اب بھی آئینور کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا، اور پھر ہار اسے پہنا کر دالان میں چلا گیا۔ تیاریوں کا آغاز ہو چکا تھا اب کچھ دن سکندر ایک شوہر اور باپ کی طرح گزارنے والا تھا۔

''ابیو میرے بعد کچھ ہوا تو نہیں نا؟'' سکندر جو اپنی بیٹی کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا ابراہیم سے پوچھنے لگا۔

ابراہیم اسے سب بتانا چاہتا تھا مگر نہیں وہ نہیں بتا سکا۔ اسے کچھ یاد آیا اور اسے خاموش رہنا پڑا۔

(''اگر تم نے سکندر کو اس بارے میں کچھ بھی بتایا ابراہیم تو میں بھی سکندر کو بتا دوں گی کہ تمہاری خفیہ محبت

کون ہے۔تم اندازہ لگاؤ اس کے بعد تمہارے ساتھ تو جو ہوگا ہوگا، آئینور کے ساتھ کیا ہوگا اور وہ شہزادے انکے ساتھ۔۔۔۔تم جانتے ہو ریاست میں ایک بار عورت پر شک ہو جائے پھر نہ وہ بچتی ہے نہ اسکی اولاد۔تین سال سکندر یہاں نہیں تھا،تم دونوں کافی دفعہ ساتھ نظر آئے۔میں تو کئی گواہیاں بھی لا سکتی ہوں۔''

''خدا کا خوف کریں ملکہ۔وہ سلطانہ ہیں میں ایسا کچھ سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''اچھا تو پھر اس سلطانہ کی تصویر تمہارے کمرے میں کیا کر رہی ہے؟''

''وہ محض ایک اتفاق تھا ملکہ مگر ایسا کچھ نہیں ہے جیسا آپ سمجھ رہی ہیں۔''ابراہیم کے پاس اور کوئی جواب نہیں تھا۔محبت تو آج بھی وہیں تھی۔اسکے اختیار میں ہوتا تو محبت نکال کر پھینک دیتا۔پر کمبخت دل پر کہاں اختیار تھا۔

''میں سب جانتی ہوں۔میں صرف تمہیں یہ بتا رہی ہوں کہ اگر میں یہ دکھانا چاہوں کہ وہ عورت غلط کردار کی ہے تو دکھا سکتی ہوں۔''

''آپ مزید کتنا گریں گی''ابراہیم غصے سے چلایا۔)

''نہیں میرے آقا! سب ٹھیک تھا۔''ابراہیم کو خاموشی اختیار کرنی پڑی۔اپنے لئے نہیں محبت کیلئے۔

''ابیو،بہت شکایتیں آئی ہیں میرے پاس تمہاری عوام بہت ناخوش ہے،کیا کرتے رہے ہو تم؟''

سکندر کا چہرہ سنجیدہ تھا،اور اُس کے الفاظ اُس سے بھی زیادہ سنجیدہ۔

''کیا کیا ہے میں نے؟''

ابراہیم نے نہایت عاجزی سے پوچھا،جیسے واقعی اپنے جرم سے ناواقف ہو۔

''اوّل تو تم نے میری شہزادی کو نظرانداز کیا پھر تم نے منانے کی کوشش بھی نہیں کی۔''

سکندر نے کہتے ہوئے خاموشی اختیار کرلی۔

''اور تیسرا یہ کہ یہ میری تعریف بھی نہیں کرتے!''

سکندر کی گود میں بیٹھی مہرشاہ نے فوراً اضافہ کیا۔

ابراہیم کو اب ساری بات سمجھ آ چکی تھی۔ اُس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''تو اب میں کیا کروں؟''

اُس نے سوالیہ نظروں سے سکندر کی طرف دیکھا، جواب مہرشاہ کو دیکھ رہا تھا۔

''زیادہ کچھ نہیں کرنا بس میرے ساتھ باغیچے چلیں، میرے ساتھ گھڑسواری کریں، اور گھومیں پھریں۔۔۔تو میں مان جاؤں گی''

ابراہیم نے ایک نظر سکندر پر ڈالی، جواب اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''اتنا تو مجھے عتیقہ کو بھی نہیں جھیلنا پڑا تھا، جتنا اِسے جھیلنا پڑ رہا ہے۔''

سکندر نے مسکراتے ہوئے مہرشاہ کو گلے لگا لیا۔

''ابیو، معافی چاہیے تو کرنا پڑے گا۔''

''اور اگر یہ نہیں کریں گے تو اِنہیں سزا ملے گی!''

مہرشاہ نے ایک بار پھر اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''یہ بھی سزا ہی ہے، میری ماں۔''

ابراہیم جھنجھلا کر بولا۔ چالیس سالہ وہ شخص تین سال کی اُس ننھی سی لڑکی کے ساتھ کھیلتا۔۔۔شاید اُسے خود بھی عجیب ہی لگتا تھا۔

''بابا دیکھیں یہ مجھے برا بھلا کہہ رہے ہیں؟'' ایک اور شکایت۔ سکندر ہنسا۔ ابراہیم مزید جھنجھلایا۔

''ابیو میری شہزادی کو کچھ مت کہو۔ ایک لفظ نہیں سنوں گا میں۔'' اس نے کہتے ہی مہرشاہ کی گال چومی۔

مہرشاہ کو لگا کچھ بہت بڑی طاقت اسکے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ وہ جب چاہے جو چاہے کر سکتی تھی۔

''عجیب زمین سے اگی نہیں اور باتیں دیکھیں اسکی۔'' سکندر نے جل کر کہا۔

اسکی بات پر بزرگ دل کھول کر ہنسا۔'' وہ ایسی ہی تھی۔ایک اکلوتی شہزادی۔ ہر انسان سے اسے محبت ملی تھی۔اسے ایسا ہونا ہی تھا۔اس پر جچتا تھا۔'' آنکھوں میں کوئی پانی سا چمکا۔جسے سکندر نہیں دیکھ سکا۔

''ایک بات بتائیں کیا کبھی ایسا ہوا کہ سلطان نے آئینور پر شک کیا یا کچھ ایسا؟''

بزرگ ہلکا سا ہنسا۔''تمھیں یہ سننا چاہئے۔''

''شہزادے! شہزادے وہ سلطانہ۔کسی نے انکی بگھی پر حملہ کر دیا ہے۔'' مرجان ابراہیم کے پاس آتا بولتا گیا۔ابراہیم اپنی جگہ تھم گیا۔اسے لگا کسی نے اسکی ساری دنیا کو آگ لگا دی۔وہ تیزی سے مرجان کی بتائی ہوئی سا تھ سمت میں روانہ ہوا۔

''آقا کو بھی اطلاع کر دو'' وہ کہتا تیزی سے گھوڑے پر سوار ہوا۔اب وہ تیزی سے گھوڑا دوڑاتے جنگل میں آگے بڑھ رہا تھا۔جنگل میں ایک جگہ بگھی گری پڑی تھی۔وہاں بس ابراہیم ہی موجود تھا۔وہ تیزی سے ادھرادھر دوڑا۔کافی دیر یہاں وہاں تلاش کرتا رہا۔پھر اس نے ایک انگوٹھی گری دیکھی اور وہ اسے لئے اس سمیت میں چل پڑا جہاں وہ گری تھی۔اس کی نظر سامنے ایک چھوٹی کوٹھڑی پر پڑی۔وہ اس طرف بھاگا۔اپنی تلوار نکال کر اس نے تیزی سے دروازہ کھولا۔سامنے آئینور کے ہاتھ پاؤں بندھے تھے اور وہ ایک طرف پڑی تھی۔ابراہیم تیزی سے اندر آیا۔وہ اس کے قریب بیٹھا۔وہ اس کے ہاتھ کھولنے لگا جب اسنے کسی کو باہر سے دروازہ بند کرتے سنا۔وہ تیزی سے دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔اسکے پہنچنے سے قبل دروازہ بند ہو چکا تھا۔وہ واپس آئینور کی طرف بڑھا۔کچھ ہی دیر میں آئینور کو ہوش آچکا تھا ابراہیم اسکے ہاتھ پاؤں کھول چکا تھا مگر اب وہ ایک دوہری مصیبت میں تھے۔اگر وہاں کوئی انہیں دیکھ لیتا تو کیا کچھ ہوسکتا تھا یہ فقط ابراہیم جانتا تھا۔اسنے دروازہ کھولنے کی لاکھ کوششیں کیں مگر بے سود نا جانے وہ دروازہ کھل کیوں نہیں رہا تھا؟ ابراہیم کو آہستہ آہستہ سمجھ آرہا تھا کہ مقصد ملکہ کو اغوا کرنا نہیں

تھا مقصد سکندر کو ان سے بدگمان کرنا تھا۔ اور ابراہیم نے بنا سوچے وہاں آ کر انکے مقصد کو پورا کر دیا تھا۔

''مرزا آ کر ہمیں ڈھونڈ لے گا۔'' آئینور نے اسے حوصلہ دیا۔

''مسئلہ ہی یہ ہے کہ وہ آ جائے گا۔'' ابراہیم دونوں انگلیوں سے ناک کو پکڑے ہوئے تھا۔

دور قدموں کی آہٹ سنائی دینے لگی۔ ابراہیم کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

''سلطانہ اگر یاقوت اور مرجان کے سوا کوئی بھی ہمیں یہاں سے نکالے گا تو آپ.... آپ مجھ پر الزام لگا دیجیئے گا۔'' ابراہیم نے نا جانے کیسے یہ الفاظ ادا کیئے۔ آئینور حیرت سے اسے دیکھتی رہی۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں دماغ جگہ پر ہے؟''

''جو میں کہہ رہا ہوں وہی کریں۔'' قدموں کی آواز اونچی ہو رہی تھی۔

''کیوں؟''

''آپ میری بات کو سمجھیں۔''

''آپ سمجھائیں۔''

''اگر کسی نے ہمیں یہاں دیکھا تو..... تو بات آپکے کردار پر جائے گی اور پھر....''

''سکندر ان باتوں کا یقین نہیں کرے گا۔'' آئینور نے پورے وثوق سے کہا۔

''آپ سمجھ نہیں رہیں۔ وہ نہیں کرے گا مگر پوری ریاست کرے گی۔ اور پھر سکندر کو بھی کرنا پڑے گا۔'' ابراہیم کو سکندر پر بھروسہ تھا مگر وہ کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

''اور پھر آپ جانتی ہیں نہ آپ بچیں گی نہ ہی آپکے بچے۔''

''آپ کا دماغ کام نہیں کر رہا۔ میں آپ پر ایسے کیسے الزام لگا دوں۔ کیا اس سے کوئی بات نہیں کرے گا۔''

''نہیں، اس سے بات آپ پر نہیں آئیگی۔ مجھ پر آئے گی۔ میں دیکھ لوں گا۔''

''اگر بات آپ پر آئیگی تو آپ کے ساتھ کیا کیا جائیگا آپ اچھے سے جانتے ہیں۔آپکی بھی جان لے لی جائیگی۔''

''میں جو کہہ رہا ہوں آپ وہی کریں گی۔اور سکندر سے کچھ ذکر نہیں کریں گی۔''

''مگر آپ مر جائیں گے۔''

''میں پہلے بھی کئی بار مر چکا ہوں ایک بار اور سہی۔''

''آپ کیوں کر رہے ہیں یہ سب؟''

''کیوں کہ مجھ سے کسی نے کہا تھا،

''عندما یتعلق الأمر بکرامة المرأة، یجب أن تأخذ اللوم علی نفسک''

(جب بات عورت کی عزت پر آئے تو الزام اپنے سر لے لینا چاہیے۔)

وہ مزید بھی کہنا چاہتا تھا۔

''لأن کرامتک عندی أغلی من حیاتی''

(کیونکہ مجھے آپکی عزت اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔)

آئینورا اسکی بات کو سمجھ نہیں پائی تھی۔

قدموں کی آواز اونچی ہوتی گئی۔کوئی اب دروازہ کا تالا توڑ رہا تھا۔ابراہیم کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں تھیں۔ابھی سکندر اندر آئے گا اور سب ختم۔انکا رشتہ تعلق سب ختم۔دروازہ کھلا۔سامنے یاقوت کھڑا تھا۔ابراہیم کی سانس بحال ہوئی۔وہ بنا کچھ کہے باہر نکلا۔کچھ ہی دیر میں سکندر بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔

''نورا!'' وہ تیزی سے آگے بڑھا اور بڑی فکرمندی سے اسے گلے لگانے لگا۔کچھ ہی دیر میں ابراہیم کہیں سے وہاں آیا۔وہ سکندر اور اسے ساتھ دیکھ رہا تھا۔وہ تو عادی تھا۔انہیں یوں ساتھ دیکھنے کا۔اسے حسد نہیں ہوتا تھا اسے حسرت رہتی تھی۔کاش کبھی کسی زندگی کسی جہان میں وہ اسے ملے۔کاش وہ وقت میں

واپس جا پاتا۔

رات کو ہمیشہ کی طرح وہ سکندر کی کرسی کے بازو پر بیٹھی تھی۔سکندر اپنے کاغذات پر کچھ لکھ رہا تھا۔

اندھیری رات میں باہر ہوائیں چل رہی تھیں۔نور کے دل میں کچھ کھٹک رہا تھا۔

''سکندر مجھے کچھ بتانا ہے۔''

''کیا؟'' وہ ابھی بھی لکھنے میں مصروف تھا۔

''آج شہزادے ابراہیم، وہ مجھے بچانے آئے تو ہمیں کسی نے اس کوٹھڑی میں بند کر دیا۔'' سکندر کے چلتے ہاتھ رکے۔وہ سب کچھ رکھ کر نور کی طرف متوجہ ہوا۔

''انہوں نے کہا کہ میں تم کو اس بارے میں نہ بتاؤں ورنہ تم.....تم ہمیں غلط سمجھو گے اور....اور مجھے سزا دو گے۔میں نے سوچا تمہیں بتا دوں ورنہ کہیں کوئی اور تمہیں کسی اور رنگ میں بتائے گا۔''

سکندر خاموش اسے دیکھتا رہا۔

''کیا واقعی ریاست کے ایسے اصول ہیں؟''

''ہاں۔مگر کوئی مجھے کسی بھی رنگ میں بتاتا میرا صرف ایک جواب ہوتا۔وہ یہ کہ مجھے میری سلطانہ پر بھروسہ ہے۔میں نے تمہارے کردار پر کسی کو اس وقت بھی بات نہیں کرنے دی تھی جب میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا اور اب جب کہ تم میرے دل کی حکمران اور میرے شہزادوں کی والدہ ہو تو تمہیں لگتا ہے کہ میں تم پر شک کروں گا؟''

آئینور کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر وہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں اتنا یقین کیوں ہے مجھ پر؟''

''تم پر شک کروں گا تو محبت میں کافر ٹھہروں گا۔''

''اور پھر سکندر مرزا محبت میں کافر ٹھہرا۔بزرگ کے اس جملے پر اسکا سارا وجود لرزا۔مطلب وہ محبت کا

دعویدار بلآخر شک جیسے گناہ کا مرتکب ہوا۔
اچھا ویسے مجھے ایک بات پریشان کر رہی ہے۔کیا مصطفیٰ اور اورہان میں جھگڑا ہوا تخت کے بارے میں؟ یعنی میں اس بارے میں سوچ رہا ہوں۔ان کا کیا ہوا۔''
بزرگ نے گہری سانس لی۔''جھگڑا ہوا مگر مصطفیٰ اور اورہان میں نہیں ہوا۔'' وہ اب دوبارہ آغاز کر چکے تھے۔
مصطفیٰ اور اورہان ایک دوسرے سے بلکل ویسی ہی محبت کرتے تھے جیسے ابراہیم اور سکندر۔حسد نام کی چیز ان کے درمیان کبھی جگہ نہیں بنا سکی تھی۔کہیں بھی مصطفیٰ مشکل میں ہوتا تو اورہان پہنچ جاتا اور کہیں اورہان مشکل میں ہوتا تو مصطفیٰ پہنچ جاتا۔مصطفیٰ اور اورہان،ایک قلب۔مصطفیٰ کو اورہان کی خوبیوں اور اسکی مہارتوں پر فخر ہوتا۔اس نے خود کو اب کمتر سمجھنا بھی چھوڑ دیا تھا۔وہ دونوں ایک دوسرے کیلیئے جان بھی دے سکتے تھے۔ایک چھوٹی عمر میں بھی وہ دونوں اس طرح متحد تھے جیسے ایک جسم۔لیکن ہمیشہ کی طرح تقدیر کو کچھ اور منظور تھا۔ادرنہ سے آئے اُنہیں ایک ہفتے سے زیادہ کا وقت گزر چکا تھا۔ادرنہ میں اُن کے ساتھ قاسم بھی تھا،اور اُن دنوں ان سب نے واقعی بہترین وقت گزارا تھا۔
یہی دن سکندر کو اورہان کے اور قریب لے آئے تھے۔اُس کی تیراندازی،اُس کی تلوار بازی،وہ ابھی سے کمال لگتی تھی۔گھڑسواری میں بھی وہ ماہر دکھائی دیتا تھا۔وہ قاسم سے کئی سال چھوٹے ہونے کے باوجود اسے شکست دے دیا کرتا تھا۔یہ بات جہاں سکندر کو اورہان کے قریب لا رہی تھی وہیں قاسم کو اورہان سے دور کر رہی تھی۔ایک دو بار غصے میں انکا جھگڑا بھی ہوا تھا اور تب ہمیشہ کی طرح مصطفیٰ نے اپنے بھائی کا ساتھ دیتے ہوئے قاسم کے خلاف کھڑا ہونا پسند کیا۔
وہ یونہی صفحے پر کچھ لکھ رہا تھا کہ آئینور اندر آئی۔
''کیا کر رہے ہو،مرزا؟''

سکندر نے مسکرا کر اُسے دیکھا، پھر اپنی کرسی کے بازو پر اُس کے لیے جگہ بنا دی۔ آئینور قریب آ کر وہیں بیٹھ گئی۔ اُس نے محبت سے اپنے دونوں بازو سکندر کے گلے میں ڈال دیے اور سر اُس کے سر سے لگا لیا۔

''کچھ ہی دن پہلے ٹرانسلوانیا کے گورنر کی موت کی خبر ملی ہے۔'' سکندر اب اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میں اُس کی جگہ اپنے بیٹے اورہان کو تعینات کرنا چاہتا ہوں۔ بس اسی فیصلے پر غور کر رہا ہوں مگر سوچ رہا ہوں کہ اورہان کے بجائے قاسم کو موقع دوں، وہ شاید زیادہ حق رکھتا ہے۔ تم بتاؤ۔''

''جیسے تم مناسب سمجھو، سکندر۔'' آخر کار سکندر نے ٹرانسلوانیا قاسم کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

آئینور نے کوئی خاص مشورہ نہیں دیا۔ آج وہ کچھ مختلف لگ رہی تھی، جیسے کوئی بات اُسے اندر ہی اندر کھائے جا رہی ہو۔ سکندر نے اُس سے پوچھا بھی مگر اُس نے کوئی واضح جواب نہ دیا۔ وہ بس ادھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی، اور سکندر خاموشی سے سنتا رہا۔ اُس نے زیادہ دباؤ ڈالنا مناسب نہ سمجھا۔

وہ دونوں ابھی یونہی بیٹھے گفتگو میں مصروف تھے کہ مرجان تیزی سے اندر آیا۔

''میرے آقا، رات ہونے کو ہے۔ شہزادہ قاسم اور شہزادہ اورہان دونوں ابھی تک واپس نہیں لوٹے۔ میرے آقا، والدہ سلطان بہت پریشان ہیں۔''

سکندر نے فوراً آئینورر کی طرف دیکھا۔

''آئینور، تمہیں خبر ہونی چاہیے تھی کہ شہزادے کہاں ہیں! اتنی لاپرواہی؟'' اُس نے غصے سے کہا اور فوراً باہر نکل گیا۔ جاتے ہوئے اُس نے آئینور کا اُڑا ہوا رنگ نہیں دیکھا۔ وہ ماں تھی، اپنے بچے کے گم ہونے کی تکلیف اسے سکندر سے زیادہ تھی۔

ادھر سکندر اور مراد آج متحد ہو کر بچوں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ کون سا کونہ تھا جو اُنہوں نے نہ چھانا ہو۔ مگر اُن کے بچے، وہ کہیں نہیں مل رہے تھے۔ ابراہیم، یاقوت، مراد، ہر شخص اُن کی تلاش میں نکلا ہوا تھا۔

فضا میں بےچینی پھیل چکی تھی۔ بالآخر دور سکندر کی نظر کسی پر پڑی۔ وہ زخمی حالت میں زمین پر گرا ہوا تھا۔

سکندر تیزی سے اُس کے قریب پہنچا، وہ قاسم تھا۔

''قاسم! قاسم، تم ٹھیک ہو؟''

وہ اُسے اٹھا کر سینے سے لگا رہا تھا بالکل ویسے جیسے ایک باپ لگاتا ہے۔

''سلطان میں ٹھیک ہوں، میرے آقا۔'' قاسم ہانپتے ہوئے بولا۔

''قاسم! اورہان کہاں ہے؟ اورہان کہاں ہے؟'' سکندر نے بیچینی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

''میرے آقا! اُنہوں نے ہم پر حملہ کیا۔ وہ بہت زیادہ تھے، وہ اورہان کو لے گئے۔ میں نے لڑنے کی کوشش کی تھی، آقا۔''

اُس کی سانسیں ٹوٹ رہی تھیں، آواز کانپ رہی تھی۔ سکندر کے چہرے کا رنگ غائب ہو گیا۔ اس کے دل میں شدید درد اٹھا۔ سکندر کو لگا کوئی اسکا سینہ چیر رہا ہے۔ سکندر ابھی وہیں تھا کہ کایا دوڑتا ہوا آیا۔

''میرے آقا! شہزادے۔۔۔۔شہزادہ اورہان مل گئے ہیں''

کایا کی آواز میں کچھ ایسا تھا جس نے سکندر کے دل میں ایک انجانا خوف اتار دیا۔ بغیر کچھ کہے سکندر اُس کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑا۔ قدم بھاری ہوتے جا رہے تھے مگر وہ رکا نہیں۔ وہ ایک بڑے، محل نما گھر میں داخل ہوا۔ گھر میں کئی کمرے تھے۔ سکندر تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ ہر قدم کے ساتھ پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ بلآخر ایک کمرے کے پاس رکا۔ کمرے میں یاقوت زمین پر بیٹھا تھا اُس کی گود میں اورہان کا سر تھا۔ یاقوت رو رہا تھا۔ سکندر کے قدم جیسے وہیں جم گئے۔ اُس کے جسم سے جان نکل چکی تھی۔ اُسے خود سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کھڑا کیسے ہے۔ یاقوت نے سکندر کو دیکھا۔ اور دوبارہ سر اورہان کے سر سے جوڑا۔ سکندر آگے بڑھا۔ مگر وہ گھٹنوں کے بل گرا۔ اُس کا بیٹا۔ وہ وہیں بیجان پڑا تھا۔

اُس کی گردن پر چاقو کا گہرا نشان تھا۔ کسی نے اُس کی جان بیرحمی سے لے لی تھی۔ کسی نے اس کے دس سالہ بیٹے کا گلا کاٹ ڈالا تھا۔ اسکا بیٹا کتنا تڑپا ہو گا۔ اسکی کلائیوں پر گہرے سرخ نشان تھے۔ دو نے اس

کے بازو پکڑے تھے اور تیسرے نے گلا کاٹ ڈالا تھا۔یا شاید مارنے سے پہلے اسے زنجیروں سے باندھا گیا تھا۔اسکا دماغ بند ہو رہا تھا۔

یاقوت کے سامنے اُس کا چھوٹا شاگرد پڑا تھا وہی جسے اُس نے اپنے ہاتھوں سے تلوار بازی سکھائی تھی۔سکندر کیلئے اپنے بیٹے کو اس حال میں دیکھنا مشکل تھا، یاقوت کیلئے اپنا شاگرد۔

سکندر کے لیے سانس لینا مشکل ہو گیا تھا۔یاقوت نے سکندر کو دیکھا تو اٹھ کر باہر چلا گیا۔ابراہیم دروازے پر کھڑا اندر کا منظر دیکھ رہا تھا۔مراد وہ اپنے بیٹے کو سینے سے لگائے کھڑا تھا مگر اسے اندر بیٹھے باپ کی تکلیف کا احساس تھا۔اسے احساس تھا کہ اولاد کو کھونا کتنی تکلیف دیتا ہے۔وہ گھٹنوں کے بل اورہان کے قریب آیا۔لرزتے ہاتھوں سے اُسے اپنے بازوؤں میں لیا اور اپنی طرف کھینچ لیا۔

''اورہان۔۔۔اورہانم۔''

آواز اُس کے حلق میں ٹوٹ کر رہ گئی۔اُس نے اُس کا چہرہ تھاما، وہی چہرہ جو کبھی زندگی سے بھرا ہوتا تھا آج مکمل خاموش تھا۔

''اورہان اُٹھو۔'' اُس کی آواز بکھر رہی تھی۔کوئی جواب نہ آیا۔ایک آنسو اُس کی آنکھ سے ٹوٹ کر اورہان کے ماتھے پر گرا۔اُس نے اُسے سینے سے لگا لیا۔

''نہیں ایسا نہیں ہو سکتا میں آ گیا ہوں دیکھو۔''

مگر خاموشی۔وہی بے رحم خاموشی۔سکندر نے آنکھیں بند کر کے اپنی پیشانی اُس کے سر سے لگا دی۔

''میرا بیٹا''

سکندر کی سانسیں اب ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہی تھیں۔اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے مگر وہ پھر بھی اورہان کو چھوڑ نہیں پا رہا تھا۔

''اُٹھو۔ایک بار آنکھیں کھولو۔بس ایک بار۔'' وہ سرگوشی میں منت کر رہا تھا۔

اُس نے اپنے بیٹے کے بالوں میں ہاتھ پھیرا، وہی نرمی، وہی لمس مگر زندگی کہیں نہیں تھی۔

''میں دیر سے آیا نا؟'' یہ سوال اُس کے لبوں سے نکلا اور وہ خود ہی ٹوٹ گیا۔

آنکھوں سے آنسو اب بیقابو بہہ رہے تھے۔ وہ سکندر جس کے سامنے دشمن کانپتے تھے۔ آج خود لرز رہا تھا۔ ''میں تمہیں بچا نہیں سکا۔'' یہ الفاظ اُس کے وجود کو چیر گئے۔ اُس نے اورہان کو مزید زور سے اپنے سینے سے لگا لیا، جیسے اُسے دنیا سے چھپا لینا چاہتا ہو۔ جیسے وقت کو وہیں روک دینا چاہتا ہو۔

''میرا بیٹا۔''

اُس کی آواز اب بالکل مدھم ہو چکی تھی۔

اور اُس لمحے۔ سکندر ٹوٹ گیا تھا..... اندر سے مکمل طور پر۔ وہ سلطان، جو کبھی نہیں ہارا تھا آج ہار گیا تھا۔ وہ تقدیر سے ہار گیا تھا۔ وہ سلطان نہیں رہا تھا۔ صرف ایک ٹوٹا ہوا باپ رہ گیا تھا۔

تخت نے سکندر سے قربانی نہیں مانگی تھی اس نے سکندر سے اسکی زندگی چھینی تھی۔

''اوہ میرے خدا! یہ تو واقعی دکھ کی بات تھی۔ مجھے سلطان کیلئے برا لگ رہا ہے۔ کم از کم اسے اولاد کا غم نہیں ملنا چاہیئے تھا۔'' سکندر نے دکھ بھرے تاثرات سے جواب دیا۔ بزرگ خاموش تھے۔ اسے خاموش ہی رہنا تھا۔ زخم کھل چکا تھا۔ ایک بار پھر اسے لگا اس وہ اس کے سامنے مردہ پڑا ہے۔ ایک بار پھر وہ سارے غم اسے محسوس ہوئے۔

''اورہان کی موت سے کیا کچھ تبدیلی آئی۔ مطلب کیا سلطان اور ملکہ کے تعلق میں دراڑ آئی؟'' سکندر کچھ بیچینی سے پوچھ رہا تھا۔

''ہاں دراڑ آئی مگر سلطان اور ملکہ میں نہیں۔ سلطان اور مراد کے بیچ۔ ایک نہیں کئی دراڑیں آئیں۔ کچھ جو پہلے سے موجود تھیں وہ مزید گہری ہو گئیں۔''

''کیوں؟''

''میں تمہیں ہر چیز ایک ساتھ نہیں بتا سکتا۔'' بزرگ کچھ برہم ہوا۔

''جو بتا سکتے ہیں وہ تو بتائیں۔''

سکندر محل کے صحن میں داخل ہوا تو آس پاس موجود سپاہیوں نے خاموشی سے اسے دیکھا۔سکندر کے ہاتھوں میں اسکا بیجان بیٹا تھا۔جسے وہ زمین پر پڑے ایک کپڑے پر رکھ رہا تھا۔آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔سکندر کا یہ حال آج تک کسی نے نہیں دیکھا تھا۔تورحان، آئینور عتیقہ سب اسکی آمد کی خبر سن کر باہر آ چکے تھے۔سکندر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا اورہان کے ہاتھ چوم رہا تھا۔سب کی نظریں زمین پر پڑے وجود پر گئیں۔کون تھا وہ؟ آئینور کی نگاہ مراد کے پاس کھڑے قاسم پر گئی۔قاسم تو وہیں تھا پھر وہاں زمین پر کون تھا۔آئینور کا ہاتھ بے اختیار سینے پر گیا۔وہ ڈگمگائی۔پھر تیزی سے دوڑتی ہوئی سکندر کے پاس گئی۔وہاں زمین پر اسکے بیٹے کا بے جان وجود پڑا تھا۔

''اور.........اورہان......اورہان'' وہ اسے اسی نرمی سے پکارتی زمین پر بیٹھی گئی۔سکندر اس کے کانپتے ہاتھ دیکھ رہا تھا۔اسکی آنکھوں سے بہتے آنسو سکندر کو ایک بار پھر رونے پر مجبور کرنے لگے۔وہ جو بڑی مشکل سے خود کو سنبھالے بیٹھا تھا یکدم ہچکیاں لے کر رونے لگا۔وہ کسی کے سامنے کبھی نہیں رویا تھا مگر آج....آج برداشت ختم ہو چکی تھی۔آئینور کی آوازیں اونچی ہو رہی تھیں۔وہ اب اورہان کو پکڑ کر جھنجھوڑ رہی تھی۔اسے لگا وہ یوں اٹھ جائے گا،مگر یہ ممکن کہاں تھا۔اسکی چیخیں محل میں گونجتی جا رہی تھیں۔مصطفیٰ جو کچھ فاصلے پر کھڑا تھا اب قریب آ کر اورہان کو دیکھ رہا تھا۔اس نے درد بھری آنکھوں سے ابراہیم کو دیکھا۔ابراہیم نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔مصطفیٰ کی آنکھوں سے آنسو تیزی سے بہنے لگے۔اس نے دکھ سکھ کے ساتھی کو کھو دیا تھا۔محل میں اب کم از کم ایک پورا موسم سوگ منایا جانا تھا۔سکندر تو بدلہ لینے کی ٹھان چکا تھا مگر اسے قاتل کا کہاں علم تھا۔اس نے چند لوگوں پر مشتمل ایک فوج تیار کی تھی جنکا واحد مقصد اورہان کے قاتل کو تلاش کرنا تھا۔تین ہفتوں کے بعد بھی وہ قاتل کو تلاش نہیں کر پائے تھے۔

سکندر کمرے میں داخل ہوا تو آئینور کا بستر خالی تھا۔رات کے اس وقت اسے کمرے میں ہی ہونا چاہیئے تھا۔سکندر کا رخ اب مصطفیٰ کے کمرے کی جانب تھا۔اس سے پہلے کے وہ کمرے میں داخل ہوتا اسے رونے کی آوازیں آئیں۔اس نے ایک لمحے کیلئے آنکھیں بند کیں۔پھر کھولیں۔آئینور قریب اورہان کے کمرے میں بیٹھی رو رہی تھی۔سکندر اورہان کے کمرے میں داخل ہوا۔کمرے میں اندھیرا تھا مگر سکندر سامنے بستر کے ساتھ بیٹھی عورت کو دیکھ سکتا تھا۔وہ چلتا قریب آیا پھر زمین پر اسکے برابر بیٹھ گیا۔آئینور ہاتھوں میں اپنے بیٹے کا لباس پکڑے بیٹھی رو رہی تھی۔سکندر خاموش بیٹھا رہا۔اورہان کی موت کے بعد یہ پہلی دفعہ تھا کہ وہ دونوں ساتھ بیٹھے تھے۔اورہان کی موت کے بعد وہ دونوں کافی دور دور رہنے لگے تھے۔کیوں اسکا علم کسی کو نہیں تھا۔خود انہیں بھی نہیں۔

''سب میرا قصور ہے، مجھے اپنے بیٹے کا خیال رکھنا تھا مجھے اسے اس وقت باہر نہیں جانے دینا چاہیئے تھا۔''

آئینور کی آوازیں مزید بلند ہوئی تھیں۔سکندر اب بھی خاموش تھا۔وہ کیا کر سکتا تھا؟ وہ کیا کرتا؟ وہ بھی تو خود کو قصوروار سمجھتا تھا۔کہیں نا کہیں سکندر کو لگتا تھا کہ اسکے دشمنوں نے اسے تکلیف دینے کیلئے اسکے بیٹے کی جان لی تھی۔لہذا وہ اسکی موت تھی جو اسکے بیٹے کو ملی۔

''تمہارا قصور نہیں ہے۔'' کافی دیر بعد سر کو ذرا جھکا کر کہتا سکندر اس ریاست کا بادشاہ نہیں لگ رہا تھا۔

''تم نے کہا تھا میں غیر ذمہدار ہوں۔تم ٹھیک تھے میری لاپرواہی کی وجہ سے وہ مر گیا۔'' سکندر کو اندازہ نہیں تھا کہ آئینور اسکے ان چند لفظوں کو بھی اس حد تک سنجیدہ لے چکی تھی۔

''میں غصے میں تھا، بس یونہی کہہ کر چلا گیا۔میرا وہ مطلب نہیں تھا۔'' سکندر نے اب کی بار سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''آئینور، اللہ ہی دینے والا ہے اور وہی لینے والا ہے۔اس میں تمہارا یا میرا کیا اختیار، کیا قصور۔ہماری قسمت میں اولاد کا غم دیکھنا لکھا جا چکا تھا۔ہمیں دیکھنا تھا۔'' سکندر نے اسکے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں

لے کر لبوں سے لگایا۔ ''مہر شاہ، عبداللہ اور مصطفیٰ انہیں ہماری ضرورت ہے، خاص طور پر تمہاری۔ ہم ایک کو کھو چکے ہیں ایسا نہ ہو باقیوں کو بھی کھو دیں۔ ان پر توجہ دو نور۔'' سکندر نے اپنا بازو اسکے گرد حائل کرتے ہوئے اسے مزید قریب کیا۔

''وہ رضائے الٰہی سے وفات پایا، اگر خدا چاہتا تو ہم وقت پر پہنچ کر سے بچا لیتے۔ اسکی موت یونہی لکھی تھی۔'' سکندر کی زبان اسکے دل کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ اسکا دل اب بھی بس یہی کہتا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کی موت کا زمہ دار ہے۔ یہ احساس، یہ تکلیف تو زندگی بھر ساتھ رہنی تھی۔ سکندر کے سینے سے سر لگائے بیٹھی آئینور اب بھی اسی طرح رو رہی تھی۔ سکندر انگلی سے اسکے آنسو صاف کرتے ہوئے اسکی توجہ اورہان سے ہٹا رہا تھا۔ مگر یہ ممکن کہاں تھا۔ آئینور اسکی ماں تھی کم از کم وہ اس زندگی میں اپنے بیٹے کو کیسے بھول سکتی تھی۔ آئینور نے ہاتھ میں موجود خنجر سکندر کے سامنے کیا۔ سکندر نے خنجر تھام لیا۔ ''یہ اورہان کا خنجر ہے سکندر۔ تمہیں اسکا قاتل ملے تو اسکی گردن بھی اسی سے کاٹنا۔'' سکندر نے خنجر تھاما۔ مگر اس خنجر کے ساتھ سکندر کے تاثرات ایک سو اسی کے زاویے سے بدل چکے تھے۔

''کیا سلطان نے اپنے بیٹے کا انتقام لیا؟ کون تھا اورہان کا قاتل؟ کیوں مارا گیا اسے؟'' ایک ہی وقت میں سکندر کئی سوالات کر چکا تھا۔

''انتقام؟ کمبخت خود کو دوہری تکلیف دے بیٹھا۔'' بزرگ نے ٹھنڈی آہ بھر کر جواب دیا۔

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ تم خاموشی سے سنو۔ اور بیچ میں ٹوکنا بند کرو۔'' بزرگ نے قدرے غصے سے کہا مگر وہ بھی اسی کا پوتا تھا کہاں رکنے والا تھا۔

رات کے دوسرے پہر وہ کمرے میں سکون سے سو رہا تھا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی، جس سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

’’آجاؤ۔‘‘ وہ اسی طرح لیٹے لیٹے بولا۔

’’شہزادے قاسم۔ ہمارے آقا آپ کو بلا رہے ہیں۔‘‘

سکندر کا نام سنتے ہی قاسم کی نیند ایک جھٹکے سے اڑ گئی۔ وہ کچھ دن پہلے ینچریوں میں شامل ہوا تھا، اور سکندر کے ساتھ اس کی قربت بھی پچھلے چند دنوں میں کافی بڑھ چکی تھی، مگر رات کے اس پہر اسے بلانا اسے مناسب نہ لگا۔

’’میں آتا ہوں۔‘‘ وہ کہتے ہوئے دالان کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے اردگرد نظر دوڑائی، ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس اپنے کمرے کی طرف آیا۔ نیلا کافتان زیب تن کیے وہ آئینے کے سامنے کھڑا اپنے بال درست کر رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد مرجان آغا آیا۔

’’شہزادے! آقا آپ کا انتظار فرما رہے ہیں۔‘‘ قاسم نے مرجان کو دیکھا۔

’’مرجان، کیا لگتا ہے سلطان کیا کہنا چاہتے ہیں؟ وہ بھی اس وقت؟‘‘

مرجان حرم کا آغا تھا، اور ہر بات سے باخبر رہتا تھا۔

’’شہزادے، کوئی اہم معاملہ لگتا ہے۔ میرے خیال سے ریاست کا معاملہ ہے۔‘‘

قاسم نے سر ہلکی سی جنبش دی اور باہر نکل گیا۔ مرجان اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

یہ آخری بار تھا جب قاسم اس کمرے سے نکلا۔ یہ آخری بار تھا جب اس نے مرجان سے بات کی اور یہ آخری بار تھا جب وہ آئینے کے سامنے خود کو دیکھ رہا تھا۔

دیوان میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سکندر تخت پر بیٹھا تھا۔ اس نے سرخ رنگ کا کفتان پہن رکھا تھا۔ رات کے اس پہر دیوان میں سرخ لباس میں اس کی موجودگی کوئی اچھا شگون نہیں تھی۔

قاسم اندر داخل ہوا تو سکندر نے اسے اشارے سے قریب بلایا۔ دیوان کی خاموشی خوفناک حد تک گہری

تھی۔

قاسم آگے بڑھا اور جھک کر ادب سے کھڑا ہو گیا۔ سکندر اس کے قریب آیا، اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پھر ہلکے سے سر ہلا کر واپس مڑ گیا۔ قاسم اس اشارے کو سمجھ نہ سکا۔

مگر اگلے ہی لمحے جب اس نے دیوان کے دائیں اور بائیں خفیہ دروازوں سے سیاہ لباس میں ملبوس جلادوں کو اندر آتے دیکھا تو سب کچھ سمجھ گیا۔

معاملہ ریاست کا نہیں تھا۔ معاملہ ریاست کے شہزادے کا تھا۔

وہ تیزی سے دروازے کی طرف بھاگا، مگر دروازہ پہلے ہی بند ہو چکا تھا۔ تمام جلاد اگلے ہی لمحے اس پر ٹوٹ پڑے۔ سکندر وہیں بیٹھا گہری نظر سے سب دیکھ رہا تھا۔

قاسم چار جلادوں سے لڑ رہا تھا، اپنی جان بچانے کے لیے پوری قوت سے مزاحمت کر رہا تھا۔ اس نے کچھ لمحے انہیں پیچھے دھکیلا اور پھر اپنا خنجر نکال لیا۔ جلاد بڑی مہارت سے اسے قابو کرنے اور اس کے گلے میں رسی ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اگر رسی اس کے گلے میں پڑ جاتی تو وہ خود کو بچا نہ پاتا۔

قاسم کی طاقت سکندر کو پسند تھی، مگر اب وہی طاقت اس کے غصے کا سبب بن گئی تھی۔ اسی دوران مراد، جو ابھی میخانے سے واپس آیا تھا، سیدھا قاسم کے کمرے کی طرف بڑھا۔ مرجان اب بھی وہیں کھڑا تھا۔ مراد کو آتا دیکھ کر وہ گھبرا گیا۔

''شہزادے قاسم اندر نہیں ہے۔'' مرجان نے اسے بتایا۔

مراد نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اس وقت کہاں ہے؟''

مرجان کچھ گھبرایا ہوا تھا۔ ''سلطان نے بلایا تھا۔''

''اس وقت؟'' مراد نے غصے سے کہا۔

وہ بے چینی سے ادھر ادھر چلنے لگا، پھر اچانک اس کے ذہن میں سب کچھ جڑنے لگا اور وہ دوڑتا ہوا دیوان کی طرف بڑھا۔

دوڑتے ہوئے وہ کئی بار گرا، کئی بار پھسلا، مگر پھر بھی دیوان کی طرف بھاگتا رہا۔ دیوان کی آدھ کھلی کھڑکیوں سے اندر کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔

''سکندر! سکندر میرے بیٹے کو چھوڑ دو!'' وہ چیختا ہوا داخلی دروازے کی طرف بڑھا، مگر سامنے کھڑے دو جلادوں نے اسے روک لیا۔ اندر اس کا بیٹا اپنی زندگی کے لیے لڑ رہا تھا، اور باہر وہ اپنے بیٹے کے لیے لڑ رہا تھا۔ مراد کی آوازیں اندر نہیں جا رہی تھیں، مگر قاسم اس کی موجودگی محسوس کر چکا تھا۔ وہ جلادوں کو زخمی کرتا ہوا دروازے کی طرف بھاگا، اسے یقین تھا کہ اگر ایک بار دروازہ کھل گیا تو اسکا باپ اسے بچا لے گا۔ سکندر نے تمام جلادوں کو زمین پر گرا ہوا دیکھا تو خود قاسم کے پیچھے بڑھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے پیچھے سے بازو اس کے گلے میں ڈال کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

قاسم کا سانس گھٹنے لگا۔

''میں تمہیں اپنا بیٹا کہتا تھا قاسم۔ تم نے میرے ہی بیٹے کی جان لے لی۔ تم نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ تم نے مجھے دھوکہ دیا۔''

وہ آخری الفاظ کہتے ہوئے چیخا۔ قاسم اس کے بازو کو گلے سے ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔

سکندر اسے گھسیٹتے ہوئے تخت کے پاس لے آیا۔ تخت پر پڑی کمان اٹھا کر اس نے اس کے گلے میں ڈال دی، پھر پاؤں مار کر اسے گھٹنوں کے بل زمین پر گرا دیا۔

قاسم نے اپنے خنجر سے حملہ کرنے کی کوشش کی تو سکندر نے اسکا ہاتھ موڑ دیا۔ خنجر اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ وہ مکمل طور پر اس کے قابو میں تھا۔

سکندر نے اس کی پشت پر پاؤں رکھا اور کمان کو سختی سے کھینچنے لگا۔

جوں جوں قاسم کی سانس ختم ہو رہی تھی، سکندر کو اسکے ساتھ گزرے لمحے یاد آنے لگے۔اس کا بچپن.
اس کے ساتھ کی گئی سواری، آخری تلوار بازی سب کچھ۔اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔جب قاسم
آخری سانس کے قریب تھا تو سکندر نے اور ہان کا خنجر نکالا۔

''قاسم۔تم نے تخت کے لیے اسے مارا۔اگر تم کہہ دیتے تو میں تمہیں تخت دے دیتا مگر میرے بیٹے کو اس
طرح بے دردی سے نہ مارتے۔''

''میں نے تخت کے لیے نہیں اپنی جان کے لیے اسے مارا تھا۔وہ سلطان بنتا تو میں زندہ نہیں بچتا۔اپنی
زندگی کیلئے سب کرتے ہیں میں نے بھی کیا۔''

''اور تمہیں لگتا ہے اسے مار کر تم بچ جاؤ گے۔''اگلے ہی لمحے اس نے ایک ہی وار میں خنجر سے اس کا گلا
کاٹ دیا۔خون پورے دیوان میں پھیل گیا۔

قاسم منہ کے بل زمین پر گر گیا۔آخری لمحوں میں اس کے ذہن میں اورحان کا چہرہ ابھرا اور وہ منظر ایک فلم
کی طرح چلنے لگا۔

(اورحان اُس وقت صرف دس سال کا تھا، جبکہ قاسم پندرہ برس کا نوجوان تھا۔دونوں کے درمیان وہ لمحہ
محض ایک لڑائی نہیں تھی، بلکہ ایک ایسا ٹکراو تھا جس میں ہر وار کے ساتھ بچپن کی معصومیت ختم ہو رہی تھی۔
شروع میں لڑائی اچانک بھڑکی تھی۔قاسم نے تیزی سے حملہ کیا، مگر اورحان کم عمر ہونے کے باوجود پھرتیلا
تھا۔اس نے جھک کر وار بچایا اور فوراً جوابی حملہ کیا، جس نے قاسم کو چند لمحوں کے لیے پیچھے ہٹا دیا۔
کمرے میں صرف سانسوں کی تیزی اور قدموں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔کبھی قاسم غالب آ جاتا، کبھی
اورحان اپنی چالاکی سے پلڑا اپنے حق میں کر لیتا۔یہ برتری لمحہ بہ لمحہ بدل رہی تھی۔
کچھ دیر بعد قاسم نے ایک تیز جھٹکے سے اورحان کو زمین پر گرا دیا۔مگر اورحان بھی ہار ماننے والا نہیں تھا۔وہ
فوراً اٹھا، اور اس بار اس نے ایسا وار کیا کہ قاسم کو چند قدم پیچھے لڑکھڑانا پڑا۔اب دونوں کے سانس

پھولے ہوئے تھے، مگر آنکھوں میں ضداب بھی باقی تھی۔لڑائی اپنے آخری مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ اچانک قاسم نے موقع دیکھتے ہی خنجر نکالا۔فضا ایک لمحے کے لیے جیسے ساکت ہوگئی۔اورحان نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی، مگر دیر ہو چکی تھی۔قاسم نے تیزی سے آگے بڑھ کر خنجر اس کے گلے پر پھیر دیا۔

وہ لمحہ مختصر تھا، مگر فیصلہ کن۔اورحان کی آنکھوں میں ایک حیرت ابھری، جیسے وہ ابھی بھی یقین نہیں کر پا رہا ہو کہ سب ختم ہو چکا ہے۔اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا، اور وہ آہستہ سے زمین کی طرف جھکنے لگا۔

قاسم کھڑا اسے دیکھتا رہا۔سانس تیز تھی، اور ہاتھ اب بھی کانپ رہے تھے۔)

اورحان کا معصوم چہرہ آخری بار اس کی نظروں کے سامنے ٹھہرا، پھر وہ منظر دھندلا گیا اور سب کچھ خاموش ہو گیا۔سکندر نے زمین پر پڑے اس لڑکے کو دیکھا۔سکندر ایک بار پھر اسی تکلیف سے گزرا جس سے چند ماہ پہلے گزرا تھا۔کچھ دیر وہ کھڑا رہا پھر اسے جھک کر سیدھا کرنے لگا۔اسکی آنکھیں بند کر کے وہ اب دروازے کی طرف بڑھا۔اسکے چہرے کے تاثرات بدل چکے تھے۔ایسے جیسے ابھی وہ ایک اہم مجلس میں تھا اور اب مجلس ختم کرنے کے بعد باہر نکل رہا تھا۔

دروازہ کھلا تو مراد کے منہ سے نکلتی چیخیں بھی تھم گئیں۔اس نے سکندر کے پیچھے دیوان میں پڑے وجود کو دیکھا تو اسکا جسم ٹھنڈا پڑنے لگا۔"تم نے۔۔۔۔تم نے قاسم کو مار دیا؟" وہ بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔قاسم جب سکندر کے پاس ہوتا تو مراد کو لگتا تھا وہ محفوظ ہاتھوں میں ہے مگر آج....آج وہ انہی ہاتھوں سے مرا تھا۔مراد غصے میں سکندر پر جھپٹا مگر سامنے کھڑے انہی جلادوں نے اسے مضبوطی سے پکڑا۔"میں تم سے تمہارا سب کچھ چھین لوں گا سکندر، تم آج کا دن کبھی نہیں بھول پاؤ گے تم ساری زندگی کیلئے پچھتاؤ گے، یہ مراد کا وعدہ ہے تم سے۔مراد تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑے گا۔" سکندر خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔اوہ پھر قدم اٹھاتا کمرے کی طرف بڑھ گیا۔پیچھے مراد اندر اپنے بیٹے کو پکڑے رو رہا تھا۔ابراہیم کو سمجھ نہیں آیا وہ مراد کو تسلی دے یا سکندر کے پیچھے جائے۔وہ کیا کرتا وہ زمین پر وہیں بیٹھ گیا۔

"قاسم ایسا کیسے کر سکتا ہے؟ ارے نہیں سلطان کو غلط فہمی ہوئی ہو گی۔"

"اسے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی تھی۔"

"اچھا اسے کیسے پتا چلا کہ قاسم نے مارا ہے؟" سکندر اب بحث پر اتر رہا تھا۔

"سلطان نے اورہان کے مردہ وجود کے پاس ایک خنجر دیکھا تھا، شاہی خنجر۔ اسے لگا وہ خنجر اورہان کا ہے مگر جب آئینور نے اسے خنجر دیا تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ خنجر کسی اور کا تھا۔ وہاں اسے پہلا شک قاسم پر ہوا۔ پھر اسے یاد آیا کہ قاسم اسے اس جگہ کے قریب ہی گرا ملا تھا۔ اور اسے کوئی چاقو کا زخم نہیں آیا تھا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ دشمن آئیں اور صرف ایک شہزادے کو نقصان پہنچائیں۔ وہاں اسے دوسرا شک ہوا۔ اور اسے یقین تب ہوا جب ابراہیم نے اسے اس عمارت میں قاسم کے کفتان کا ایک کپڑا دیا۔"

"اللہ اللہ! کیا سلطان کو قاسم کی موت کا دکھ ہوا؟ مطلب کیا اسکی موت کا کچھ اثر ہوا سلطان پر؟ آخر وہ اسکا بھتیجا تھا اسے محبت تھی قاسم سے۔"

"نہیں زیادہ نہیں۔ بس اس نے لوگوں پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیا تاکہ انہیں خطاؤں کی سزا دینا آسان ہو جائے۔"

"اور مراد کیا اس نے واقعی سلطان سے سب چھین لیا؟ یا یونہی بس دھمکی دے رہا تھا؟"

"وہ شہزادہ مراد حان تھا۔ باتوں کا پکا۔ ایک ایک لفظ پورا کیا اس نے۔"

"تو کیا اس نے سلطان سے تخت بھی چھین لیا؟" سکندر متجسس تھا۔ اسے سلطان پسند آ رہا تھا۔

"اس نے تخت کے سوا سب چھین لیا۔" بزرگ نے کہہ کر آنکھیں بند کیں۔ پھر ہاتھ سے سینہ مسلا۔

"مجھے پانی کا گلاس لا دو۔" بزرگ کہتا اٹھ بیٹھا۔

"اتنے تجسس میں ڈال کر پانی لینے بھیج دیا ہے۔" وہ بڑبڑاتا باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد پانی کا گلاس لے کر واپس لوٹا۔ بزرگ اپنی آنکھوں کے صاف کر رہا تھا۔ سکندر نے اسے دیکھا مگر کچھ نہ پوچھا۔ اور پانی کا

گلاس اسے تھما دیا۔ پانی پی کر کچھ دیر وہ ادھے ادھر ٹہلا اور پھر واپس آ کر لیٹ گیا۔

''تم بتاؤ اب کیا سننا چاہتے ہو؟'' بزرگ نے اس سے اسکی خواہش پوچھی۔

''میں جاننا چاہتا ہوں کہ سکندر محبت میں کافر کیسے ٹھہرا اور کیوں؟''

بزرگ نے ٹھنڈی آہ بھری۔

اس کی آنکھیں آہستگی سے کھلیں تو اسے اپنے چہرے پر کسی کے بال گرتے محسوس ہوئے۔

اس نے پوری طرح آنکھیں کھولیں تو سامنے مہر شاہ تھی۔ ننھی، چار سالہ مہر شاہ۔

''بابا!'' سکندر کی آنکھیں کھلتی دیکھ کر وہ خوشی سے چیخی۔

''جان۔'' سکندر نے بھی نرم مسکراہٹ کے ساتھ اسے پکارا۔

''بابا، میں نے آپ کو بہت یاد کیا۔ آپ اتنے دن کہاں تھے؟''

وہ کیا کہہ رہی تھی؟ سکندر حیران رہ گیا۔ اسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔

''میں کہاں تھا؟'' اس نے مہر شاہ کا چہرہ چومتے ہوئے پوچھا۔

''آپ یہاں بستر پر تھے۔ آپ ایک مہینہ سوتے رہے بابا۔ میں نے آپ کو بہت یاد کیا۔''

سکندر حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔

''آپ نے مجھے گھوڑے پر سیر کرانے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن آپ نے وعدہ پورا نہیں کیا، بابا۔'' وہ اداسی سے بولی۔

''بابا کی جان، بابا اب وعدہ پورا کریں گے۔'' اس نے اس کے ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔

''بابا، مگر وعدہ توڑنے پر اللہ سزا دیتا ہے اب وہ آپ کو سزا دے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ کو سزا ملے۔''

سکندر ہلکا سا مسکرایا۔

''اللہ بابا کو معاف کر دیں گے کیونکہ بابا نے جان بوجھ کر وعدہ نہیں توڑا۔''

''اور اگر اللہ نے معاف نہ کیا تو؟'' وہ فکرمندی سے پوچھنے لگی۔ اسے فکر تھی۔ وہ کیسے سکندر کو تکلیف میں دیکھتی؟

''اگر معاف نہ کیا تو میں اللہ سے کہوں گا کہ بابا کی سزا مجھے دے دے، اور بابا کو جانے دے۔''

پیچھے سے عبداللہ کی آواز کمرے میں گونجی۔ سکندر نے سر اٹھا کر دیکھا۔ عبداللہ بھی اب اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا تھا۔

''بابا، اب آپ کیسے ہیں؟ آپ کو درد تو نہیں ہو رہا نا؟''

اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے سکندر کے ماتھے کو چھوتے ہوئے وہ اسے بے حد سمجھدار لگا۔

سکندر کو بے اختیار اورحان یاد آ گیا۔ وہ اورحان کو بھولا ہی کب تھا۔

''نہیں عبداللہ۔ مجھے درد نہیں ہو رہا۔''

وہ یونہی بیٹھے تھے کہ تورحان اندر داخل ہوئیں۔

''سکندر۔ میرے بیٹے۔''

وہ تیزی سے اس کے پاس آئیں۔ عبداللہ خود بخود پیچھے ہٹ گیا۔

''میرے بیٹے۔'' وہ بار بار سکندر کا ماتھا چوم رہی تھیں۔

اپنے دونوں بچوں کے پاس کھڑے ہوتے ہوئے، نہ جانے کیوں، اسے اپنی ماں کا یہ پیار اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں، والدہ۔''

کچھ ہی دیر میں عتیقہ، محمود اور مصطفیٰ بھی وہاں آ چکے تھے۔ سب باری باری سکندر کا ہاتھ چومتے، اس کی صحت دریافت کرتے اور ایک طرف ہو جاتے۔

سکندر مصطفیٰ کی آنکھوں میں بے چینی صاف دیکھ سکتا تھا۔

سب کے باہر جانے کے بعد سکندر نے تورہان سے پوچھا،''والدہ! مجھے کیا ہوا تھا؟''

تورحان چند لمحے خاموش رہیں۔

''تمہیں زہر دیا گیا تھا۔''

سکندر نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔وہ اپنے ذہن پر زور ڈال رہا تھا،مگر اسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔

''کس نے؟ کس نے زہر دیا مجھے؟''

''آئینور نے۔''

سکندر کے لب کھلے کے کھلے رہ گئے۔

''والدہ! آپ۔۔۔۔''

وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ خاموش ہو گیا۔جیسے کچھ یاد آنے لگا ہو۔

''میرے پاس ثبوت ہیں،سکندر۔مگر میں نے تمہارے جاگنے تک کوئی فیصلہ نہیں کیا۔وہ اس وقت زندان میں ہے۔تم اس کی تقدیر کا فیصلہ کرو گے۔اگر تم اسے زندہ رکھنا چاہتے ہو تو یہ تمہاری مرضی ہے۔مگر یاد رکھنا،سکندر۔۔۔۔''

وہ لمحہ بھر کو رُکیں۔

''اس عورت نے ہماری ریاست پر وار کیا ہے۔سلطان کو مارنے کی کوشش کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے سکندر۔''

یہ کہہ کر وہ باہر چلی گئیں۔اور پیچھے سکندر نہ جانے کتنے خیالوں میں گِھر چکا تھا۔اب اسے بہت کچھ یاد آنے لگا تھا۔

(وہ میخانے کے اوپر والے حصے میں بنے گھروں میں سے ایک میں تیزی سے داخل ہوا۔مگر سامنے کا منظر اسے ساکت کرنے کے لیے کافی تھا۔

وہاں آئینور کھڑی تھی اس کی سلطانہ، اس کی بیوی۔
اور اس کے سامنے سٹیفن کھڑا تھا۔
سٹیفن کو پہچاننے میں سکندر کو ایک لمحہ بھی نہ لگا۔ وہی شخص جس نے اسے تکلیف دی تھی آج اس کی بیوی کے عین سامنے کھڑا تھا۔
''تم یہاں کیا کر رہی ہو، آئینور؟'' سکندر نے غصے سے پوچھا۔ اس کے آدمی اس کے پیچھے کھڑے حکم کے منتظر تھے۔ سکندر نے ایک نظر آئینور سے ہٹا کر سٹیفن کو دیکھا۔
''تم!''
وہ تیزی سے آگے بڑھا، مگر اس سے پہلے کہ وہ تلوار چلاتا، آئینور اس کے سامنے آ گئی اور اس کی تلوار روک لی۔ پیچھے کھڑا سٹیفن اسی لمحے۔ وہاں سے نکل بھاگا۔ سکندر کے آدمی اس کے پیچھے دوڑے، مگر وہ حد درجہ پھرتیلا تھا۔ اب سکندر اور آئینور آمنے سامنے کھڑے تھے۔
''تم نے کیا کیا، آئینور؟ تم نے اس کی جان بچائی۔ تم اس کے لیے میرے سامنے آ کھڑی ہوئیں؟''
سکندر کی آواز میں بے یقینی صاف جھلک رہی تھی۔
محل واپس آ کر بھی وہ یونہی الجھتے رہے۔ سکندر نے نہ جانے کتنی بار اس سے پوچھا، مگر وہ ہر بار بات ٹالتی رہی۔
وہ کہتی بھی تو کیا کہتی؟
''میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں، آئینور!''
سکندر نے اس کے بازو کو زور سے جکڑ لیا۔
''تم وہاں اس آدمی کے ساتھ کیا کر رہی تھی؟ کون ہے وہ؟ کیا لگتا ہے تمہارا، جو تم اسے مجھ سے بچا رہی تھی؟'' آئینور نے اس کا ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی۔

’’سکندر۔۔۔چھوڑو مجھے۔۔۔درد ہو رہا ہے۔‘‘

’’مجھے بھی ہو رہا ہے!‘‘

سکندر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر زور سے اپنے سینے پر رکھ دیا۔

’’یہاں۔یہاں درد ہو رہا ہے مجھے۔‘‘اس کی آواز میں اب غصے کی جگہ درد تھا۔

’’خدا کا واسطہ ہے۔بتاؤ۔‘‘

اچانک اس کا لہجہ نرم پڑ گیا۔التجا سے بھرا ہوا۔آئینور نے نظریں چرا لیں اور پھر اس سے پیٹھ موڑ لی۔

’’تم۔۔۔۔تم نے مجھے۔۔۔۔‘‘

سکندر کی زبان سے بس اتنا ہی نکلا تھا کہ اچانک اس کے قدم لڑکھڑائے اور وہ زمین پر گر گیا۔)

اس کے بعد اسے کچھ یاد نہ رہا۔

مگر اب۔۔۔اسے کچھ اور یاد آنے لگا تھا۔کچھ ایسا جو پہلے سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔

اسے ایک ایک لمحہ یاد آنے لگا۔ہر وہ لمحہ،جب اسے دھوکہ دیا جا رہا تھا۔جب وہ اس کی دوا کی ڈبیاں بار بار اٹھاتی تھی۔جب وہ روز اپنے ہاتھوں سے اسے دوا دیتی تھی۔

یعنی۔۔۔وہ زہر دوا میں ملا کر اسے آہستہ آہستہ مار رہی تھی۔سکندر نے جھٹکے سے دوا کی تمام ڈبیاں زمین پر دے ماریں۔وہ غصے سے چیخا۔

’’اتنا بڑا دھوکہ!نہیں۔آئینور ایسا نہیں کر سکتی تھی۔اس سے دھوکہ ملنا نا قابلِ برداشت تھا۔دس سال کے تعلق کے بعد دھوکہ۔‘‘سکندر نے خود کو اس کے ہاتھوں استعمال ہوتا دیکھا۔جیسے وہ محض ایک مہرہ رہا ہو۔وہ اکثر راتوں کو کمرے میں موجود نہیں ہوتی تھی۔وہ اس وقت مکتوب بھیجتی تھی۔

آنے والے خطوط وہ پڑھ کر جلا دیتی۔اسی لیے اس کے کمرے میں اکثر راکھ پڑی رہتی تھی۔

وہ۔۔۔سکندر مرزا کیسے۔۔۔ایک عورت کے ہاتھوں یوں بے وقوف بن سکتا تھا؟

جوں جوں اسے اپنی نادانیاں یاد آتی گئیں، اس کی چیخیں بلند ہوتی گئیں۔

اسے اپنی زندگی کے وہ دس سال نفرت انگیز لگنے لگے۔ وہ ہر چیز سے نفرت کرنے لگا۔ چیختے ہوئے وہ میز کے قریب آیا۔

وہاں کئی مکتوب پڑے تھے۔ شاید والدہ سلطان انہی ثبوتوں کی بات کر رہی تھیں۔ سکندر نے ایک ایک کر کے وہ خطوط کھولنے شروع کیے۔ وہ سب خاص طور پر سٹیفن کے نام لکھے گئے تھے۔ پہلا خط اس کے ہاتھ میں آیا۔

''سٹیفن۔ میں سکندر کو آہستہ آہستہ زہر دے رہی ہوں۔ زہر اثر کر رہا ہے۔ وہ اب بیمار رہتا ہے۔ میں نے اس کی دوا میں بھی زہر ملا دیا ہے۔ سب کچھ منصوبے کے مطابق ہے۔ تمہاری منگیتر۔''

یہ خط تھا یا آگ کا شعلہ؟ وہ سکندر کے ہاتھ سے پھسل کر زمین پر گر گیا۔

اس نے دوسرا خط کھولا۔۔۔

''تم جیسا کہو گے، میں ویسا ہی کروں گی مگر مجھے دھوکہ دینے کا سوچنا بھی مت۔۔۔۔''

چھوٹی چٹھیوں سے لے کر بڑے خطوط تک ہر لفظ اس کی تکلیف میں اضافہ کر رہا تھا۔ وہ ایک ایک خط بار بار کھول کر پڑھ رہا تھا۔ خط روسی زبان میں تھے اور سکندر کو یاد تھا کہ اسے یہ زبان آتی ہے اگرچہ اس نے کبھی نہیں بتایا تھا کہ کیسے۔ مگر اب وہ سب سمجھ رہا تھا۔ ہر جملہ ہر حرف اسی کے ہاتھوں سے لکھا گیا تھا۔ سکندر نے ہر خط نہ جانے۔ کتنی بار پڑھا۔

وہ اس کے دل کے ساتھ کھیل گئی تھی۔ اور سکندر کے پاس دل کے سوا تھا ہی کیا؟ اس نے آئینور کے ساتھ گزارے ہر لمحے پر لعنت بھیجی۔ پھر خود پر لعنت بھیجی۔ بار بار، بار بار، وہ خود پر اپنے دل پر بار بار لعنت بھیجتا۔ آخر کار وہ زمین پر گھٹنوں کے بل گر گیا اور رونے لگا۔ سکندر کو دھوکے سے نفرت تھی۔ اور اس نے اسے دھوکہ ہی دیا تھا۔

زنداں کی فضا سرد اور خاموش تھی۔ پتھریلی دیواروں پر ٹمٹماتی مشعلوں کی روشنی میں وہ اس سخت نشست پر بیٹھی تھی۔ وہ اندر داخل ہوا۔ اس کے قدموں کی چاپ گونجی، مگر اس کے بعد پھر وہی خاموشی چھا گئی۔ لوہے کی سلاخوں کے پیچھے آئینور بیٹھی تھی۔ کمزور، خاموش، مگر اس کی آنکھیں اب بھی ویسی ہی تھیں۔

سکندر چند قدم دور رک گیا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ ایک لمحہ، پھر دوسرا، وقت جیسے تھم گیا۔
ان آنکھوں میں سوال بھی تھے، جواب بھی، شکایت بھی اور وہ سب کچھ بھی جو کبھی لفظوں میں کہا ہی نہیں گیا تھا۔ آئینور نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ سکندر کی نظریں سخت تھیں مگر ان کے پیچھے چھپا درد صاف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ آگے بڑھا، سلاخوں کے بالکل قریب۔ چند لمحے وہ بس اسے دیکھتا رہا۔ جیسے ان دس برسوں کو انہی آنکھوں میں ڈھونڈ رہا ہو۔ آئینور کی پلکیں کانپیں، اس نے کچھ کہنا چاہا، مگر لب خاموش رہے۔ سکندر کے ہاتھ میں کئی مکتوب تھا۔ اس نے وہ سلاخوں کے پیچھے سے اسے دکھایا۔

''یہ خط تم نے لکھے تھے؟'' آئینور کی آنکھوں میں ایک لمحے کو شدید درد ابھرا۔

''میں نے یہ خط۔۔۔۔''

''ہاں یا نہیں؟!''

سکندر کی آواز اچانک گونجی۔ خاموشی پھر سے چھا گئی۔ آئینور نے آنکھیں بند کیں۔ ایک آنسو پلک سے ٹوٹ کر گرا۔ پھر اس نے سر ہلایا۔

''ہاں۔'' یہ لفظ بمشکل اس کے لبوں سے نکلا۔

سکندر کی آنکھوں میں ایک لمحے کو سب کچھ ٹوٹ گیا۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ پتھر ہو گیا۔ اس نے کوئی اور سوال نہیں کیا۔ کوئی اور بات نہیں کی۔ وہ مڑا اور بغیر پیچھے دیکھے چل دیا۔ اس کے قدموں کی آواز دور ہوتی

گئی۔اور زندان میں صرف ایک آواز رہ گئی۔آئینور کی۔جواب ٹوٹ کر رو رہی تھی۔

....

سکندر اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔وہ اب کافی حد تک تندرست ہو چکا تھا۔وہ خاموشی سے کچھ لکھ رہا تھا۔مگر وہ صرف الفاظ نہیں لکھ رہا تھا۔وہ فیصلہ لکھ رہا تھا۔

اپنی سزا۔

آئینور کا فیصلہ۔

اس کی تقدیر۔

اس کی زندگی کا انجام۔

سکندر کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔وہ کبھی کسی جنگ میں بھی اس طرح نہیں کانپا تھا۔اس کی آنکھ سے آنسو گرا اور کاغذ پر پھیل گیا۔اس نے لکھا، پھر رُکا، پھر دوبارہ لکھا، جیسے ہر لفظ اس کے دل کو کاٹ رہا ہو۔

''اگر میں ساری مانگ لوں۔۔۔۔سکندر مرزا ایسا کیوں کرے گا؟ مجھے لگا تھا تم مجھے چھوڑ دو گے۔۔۔ ٹرانسلوانیا کی شہزادی کو سکندر مرزا سے محبت ہو گئی ہے''۔سکندر کے ذہن میں ایک ساتھ کئی باتیں اُبھر آئیں۔وہ سب لمحے جو کبھی سچ لگے تھے اور اب زہر بن چکے تھے۔

اس نے وہ تحریر تین سے چار بار پڑھی۔ہر بار زیادہ خاموش زیادہ ٹوٹتا ہوا۔

پھر اس نے موم پگھلا کر اس پر اپنی مہر ثبت کر دی۔

وہ ابھی اسی تحریر کو دیکھ رہا تھا جب اس کی بیٹی اندر آئی۔

''بابا!''

وہ اس کی طرف بڑھی۔کمرے میں اندھیرا تھا، صرف میز پر جلتی ہوئی ایک موم بتی روشنی دے رہی تھی۔

''جان!'' سکندر نے اسے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا۔

وہ اس کی گود میں بیٹھ گئی۔سکندر نے اندازہ کیا کہ وہ آج خاموش ہے اور شاید رو رہی ہے۔اس نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''کیوں رو رہی ہیں؟''

سکندر نے اس کے بالوں کو پیار سے چھوا۔

''کیونکہ بابا بھی رو رہے ہیں۔''

سکندر ٹھہر گیا۔اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اندھیرے میں بھی اس کے آنسو دیکھ رہی تھی۔

''بابا کی جان! بابا نہیں رو رہے۔'' وہ جلدی سے آنکھیں صاف کرتا ہوا اسے دیکھنے لگا۔کافی دیر وہ یونہی خاموش بیٹھی رہی۔پھر سکندر نے اسے کہانیاں سنانا شروع کیں۔اس کی آواز نرم ہوتی گئی اور تھوڑی دیر بعد وہ ہنسنے لگی۔سکندر کے دل کو سکون آیا۔وہ اپنی بیٹی کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔نہ اپنی وجہ سے، نہ اپنی زندگی میں کسی اور وجہ سے۔

''مجھے بتائیں سلطان نے آگے کیا کیا؟ مطلب وہ کیا لکھ رہا تھا؟ اس نے کیا فیصلہ کیا؟'' سکندر نے بےچینی سے پوچھا۔

''تم ذرا صبر کرتے تو میں تمہیں یہی بتانے والا تھا۔'' بزرگ نے کچھ دیر توقف کے بعد بات دوبارہ شروع کی۔

سکندر دیوان میں کھڑا تھا۔سیاہ لباس میں ملبوس، وہ رات کے تیسرے پہر وہاں کسی کا انتظار کر رہا تھا۔ فضا میں ایک عجیب سی خاموشی تھی، جیسے ہر چیز کسی فیصلے کی منتظر ہو۔اگلے لمحے وہ اندر داخل ہوئی۔ اس کی آنکھوں پر بندھی پٹی اتاری گئی۔وہ یونہی خاموش کھڑی تھی، جب اسے اپنے پیچھے سکندر کی موجودگی محسوس ہوئی۔وہ قریب آیا اور پھر بالکل اس کے پاس آ کر رک گیا۔آج وہ پہلے کی نسبت کہیں زیادہ قریب تھا، اتنا کہ سکندر کی سانسیں وہ اپنے کان کے پاس محسوس کر سکتی تھی۔

سکندر جھکا اور دھیرے سے سرگوشی کی۔ ''میری جان چاہیے تھی تو بول دیتی، میں دے دیتا، دھوکہ دینے کی کیا ضرورت تھی۔'' اس نے درد سے آنکھیں بند کر لیں۔

''سکندر، میں نے۔۔۔'' آج پہلی بار اس کے لبوں سے بے اختیار 'سکندر' نکلا تھا۔

''ششش۔'' سکندر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''آج میں بولوں گا، صرف میں۔'' وہ لمحہ بھر رُکا، پھر اس کی آواز میں درد اُتر آیا۔

''تم نے مجھے دھوکہ دیا، نور۔ میں نے تمہیں اپنے گھر کا نور بنایا تھا اور تم نے میرے ہی گھر کی روشنی بجھا دی، میں نے تم سے وہ محبت کی ہے جو آج تک کسی نے نہیں کی۔ میں تمہارے لئے سب سے زیادہ مخلص رہا۔ میں نے تم پر اعتبار کیا۔ تم نے مجھے دھوکہ دیا، میرے ساتھ رہتے ہوئے میری محبت دیکھتے ہوئے بھی مجھے دھوکہ دیا۔''

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، مگر الفاظ گلے میں دم توڑ گئے۔

''لیکن میں پھر بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں جتنی پہلے کرتا تھا۔''

سکندر کی آواز مزید دھیمی ہو گئی۔ ''میں تو تمہیں اپنا قتل بھی معاف کر سکتا ہوں، میں کر چکا ہوں۔''

آئینور نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ شخص اسے معاف کر رہا تھا۔

مگر پھر اس کی آواز بدلی۔ ''لیکن نور، ریاست معاف نہیں کرتی۔''

آئینور نے چونک کر آنکھیں کھولیں پھر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سکندر وہاں نہیں تھا۔ وہ پلک جھپکتے ہی غائب ہو چکا تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہ سکی، بس وہیں کھڑی رہ گئی۔ کچھ ہی دیر بعد، کمرے کے اطراف سے قدموں کی آوازیں ابھریں۔ جلاد اندر داخل ہو رہے تھے۔ آئینور کی سانسیں تیز ہو گئیں۔ وہ پیچھے ہٹی، فرار کی کوشش کی، مگر راستے بند ہو چکے تھے۔ وہ بھاگی مگر ہر طرف صرف دیواریں تھیں، سائے تھے، اور موت کا گھیراؤ تھا۔ اور پھر۔ جلادوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس کی چیخیں دیوان کی خاموشی کو چیرتی رہیں۔ مگر باہر تک نہ

پہنچ سکیں۔اورسکندر، دور کھڑا جالیدار پردے کے پیچھے یہ سب دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔مگر چہرہ پتھر ہو چکا تھا۔کہیں دور اس کے دل میں خواہش تھی کہ وہ لڑکی وہاں سے بھاگ جاتی۔مگر نہیں جلاد اس سے زیادہ مضبوط تھے۔جب جب جلاد اسے پکڑتے سکندر کے اندر کچھ ٹوٹتا۔مگر وہ خاموش رہا۔جیسے جیسے آئینور کی سانسیں رک رہی تھیں سکندر کو اپنی سانسیں رکتی محسوس ہوئیں۔رسی آئینور کے گلے میں ڈالی جارہی تھی اور جان سکندر کی نکل رہی تھی۔سکندر نے ہاتھ سے جالی کو مضبوطی سے پکڑا وہ اسے تکلیف۔میں دیکھ کر کیوں وہاں نہیں جارہا تھا؟

سامنے دیوان میں چیختی آئینور سکندر کو بلا رہی تھی۔مگر وہ سکندر کو بلا رہی تھی۔مرزا کو بلاتی تو کیا معلوم وہ آجاتا۔پھر اچانک مزاحمت دم توڑ گئی۔اسکے ہاتھ رسی سے چھوٹ کر نیچے گرے۔سکندر بھی خود زمین پر گرا۔بلکل آخری لمحہ آیا اور خاموشی چھا گئی۔سکندر نے آہستہ سے آنکھیں بند کرلیں۔جیسے اس نے اپنی ہی روح کو دفن کردیا ہو۔تخت نے سب سے زیادہ قربانیاں سکندر سے مانگی تھیں اور سکندر قربانیاں دیتا چلا گیا تھا۔

جلاد اپنا کام کر کے جا چکے تھے۔سکندر کچھ دیر بعد دیوان میں واپس داخل ہوا۔وہ آئینور کے قریب زمین پر بیٹھ گیا۔اسکا سر اپنی گود میں رکھ کر وہ نا جانے کتنی دیر بنا آواز کے روتے گیا۔وہ دھوکے باز نہ ہوتی تو سکندر اپنی جان بھی دے دیتا۔پر وہ دھوکے باز تھی۔سکندر اسے مضبوطی سے پکڑے روتا چلا گیا۔غم انتہا کا تھا۔اور کمبخت غم دینے والا بھی خود ہی تھا۔مرجان سکندر کے حکم سے ابراہیم کو کچھ دیر پہلے ہی وہاں بلا کر لایا تھا۔آئینور کو وہاں یوں دیکھ کر اسکے پاؤں تلے زمین نکل گئی۔ابراہیم کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔اس نے سکندر کو دیکھا جسکے بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے اور آئینور کا سر اسکی گود میں تھا۔سکندر نے نظر اٹھا کر ابراہیم کو دیکھا پھر آئینور کو واپس رکھا۔اسکا ماتھا چوم کر وہ اٹھا اور ابراہیم کے قریب آیا۔ابراہیم کی نگاہیں ابھی تک آئینور پر ہی ٹکی تھیں۔

''سلطانہ کو چیچک کی بیماری تھی اور کل رات وہ وفات پا گئیں اور رات ورات انہیں دفن کر دیا گیا۔'' وہ کہتا دیوان سے باہر چلا گیا۔ یہ حکم تھا یعنی ریاست کے ہر شخص کو یہ ہی علم ہونا چاہیئے۔ ایک نظر اس نے مرجان کو دیکھا اور مرجان نے سر جھکا دیا۔ وہ تو حکم کا پابند کہاں کچھ بولنے والا تھا۔

سکندر تو چلا گیا تھا مگر ابراہیم ....وہ تو عرصہ اب وہیں رہنے والا تھا۔ وہ اسے نہیں ملی تھی خیر تھی لیکن وہ مر کیوں گئی؟ یہ تو ظلم تھا۔ کم از کم اسے ابراہیم کے سامنے تو ہونا چاہئے تھا کم از کم اسے زندہ رہنا چاہیئے تھا۔ ابراہیم اسکے قریب بیٹھ گیا۔ اسے یہ حق بھی نہ تھا کہ وہ ایک بار بس ایک بار اسکا چہرا تھام کر رو لیتا۔ ابراہیم وہاں بیٹھا آنسو بہائے گیا۔ وہ چیخنا چاہتا تھا پر چیخنے کی کیا وجہ بتاتا.....اسے پہلی بار وہ ٹرانسلوانیا میں ملی تھی اور آخری بار یہاں اس دیوان میں۔

''مگر اس میں سلطان کی کیا غلطی؟ وہ غدار تھی سلطان کو اسے مارنا پڑا۔'' سکندر نے فوراً سے اپنی رائے دی۔ بزرگ اسکی بات پر مسکرایا۔ وہ مسکراہٹ کتنے غموں کی پردہ پوشی کر رہی تھی یہ بات بس وہ ہی جانتا تھا۔ ''تم بلکل سلطان کی طرح ہو۔ تم نے بھی اس کی طرح فوراً رائے دے دی۔''

''کیا مطلب؟ کیا سلطان نے تحقیقات نہیں کی تھیں؟'' سکندر چونکا۔

''ہرگز نہیں۔ سلطان نے تحقیقات کروائیں بذات خود بھی کیں۔ نتیجہ ہر بار یہی نکلا۔ اس نے سب سے آخر پر آئینور سے ان خطوط کے متعلق پوچھا تھا۔ وہ اگر اس وقت بھی انکار کر دیتی تو سلطان تمام ثبوتوں کو جھوٹا کہ دیتا۔ پر اس نے اقرار کیا، اپنی زبان سے۔'' بزرگ نے آنکھیں بند کر لیں۔ کرب شدت اختیار کر رہا تھا۔

''پھر اس میں سلطان کا کیا قصور وہ کیوں محبت میں کافر ٹھہرا۔ اسکی کیا خطا؟''

''کبھی کبھی انسان کو لگتا ہے کہ اس نے کوئی خطا نہیں کی، کسی معاملے میں اسے لگتا ہے کہ اس سے خطا نہیں ہوئی مگر درحقیقت وہ اس خطا کو دیکھ نہیں پاتا جو وہ کر بیٹھتا ہے۔ سلطان سے خطا ہوئی۔ سلطان دیکھ نہیں

سکا۔'' اس نے آنکھیں دوبارہ کھولیں وہ سرخ ہو چکی تھیں۔

''اچھا مجھے مصطفیٰ کا بتائیں؟ اسکا کیا ہوا؟ اسکی والدہ کی وفات پر اسکا کیا ردعمل تھا؟'' سکندر کے پوچھنے پر بزرگ ایک بار پھر سنانے لگا۔

وہ پچھلی رات سکون سے نہیں سو پایا تھا۔ بار بار اس کے دل کو کچھ ہوتا اور وہ اٹھ بیٹھتا۔ صبح وہ نا جانے کس خیال کے تحت زندان کی طرف بڑھا۔ اسکے قدم بڑی تیزی سے اپنی والدہ کی زندان کی جانب تھے۔ وہ وہاں پہنچا اور اپنی ماں کو وہاں نہ پا کر ٹھٹھکا۔ پھر کسی خیال کے تحت وہ مسکرایا۔

''مطلب بابا نے والدہ کو زندان سے نکلوا دیا۔ مجھے یقین تھا، بابا والدہ کو سزا دے ہی نہیں سکتے۔'' نہایت خوشی سے اندازے لگاتا وہ اب سکندر کے کمرے کی جانب بڑھا۔ اسکا فرض تھا کہ وہ اپنے باپ کا شکریہ ادا کرے آخر کو اس کے باپ نے اسکی گزارش سن لی تھی۔ سکندر کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے وہ پچھلی رات کا منظر سوچ رہا تھا۔

''بابا! والدہ بے گناہ ہیں، یہ بات ہم سب جانتے ہیں۔ آپ کو بھی یقین ہے نا بابا؟'' مصطفیٰ کے سوال پر سکندر نے کچھ لمحے اسے دیکھا اور پھر سر ہاں میں ہلایا۔ وہ اپنے بیٹے کو خود سے بدظن نہیں کر سکتا تھا۔

''بابا! آپ.....آپ والدہ کو زندان سے نکلوا دیں۔ مجھے انکی فکر رہتی ہے، کہیں وہ زندان میں بیمار نہ پڑ جائیں۔ اگر آپ یا قاضی کو ثبوت چاہئیں تو آپ انہیں میرے ساتھ کہیں بھجوا دیں۔ جب بے گناہی ثابت ہو جائے گی تو ہم واپس آ جائیں گے۔'' مصطفیٰ کی بات پر سکندر نے کوئی ردعمل نہ دیا۔ کچھ دیر سکندر اسے یونہی دیکھتا رہا۔

''تم شہزادے ہو مصطفیٰ۔ تم کہیں نہیں جا سکتے۔ تمہارا گھر صرف یہ محل ہے۔۔ تمہارا مقام میرے قریب ہے۔ تم میرا بازو ہو تمہیں میرے بعد اس ریاست کو چلانا ہے۔ اگر عورتوں کے نخرے اٹھاتے رہو گے تو سلطنت نہیں چلے گی۔'' سکندر کی آخری بات پر مصطفیٰ ششدر تھا۔ سکندر خود اپنے الفاظوں پر حیران

تھا۔شاید تورحان کے بعد آئینور کی غداری نے اسے عورتوں سے بدظن کر دیا تھا۔اس نے اپنی زندگی میں اب تک دو عورتیں دیکھی تھیں۔ایک ماں اور دوسری بیوی۔دونوں نے اسے زندگی میں اس موڑ پر آ کر دھوکا دیا تھا جہاں اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

''مگر بابا.....''

''اگر مگر کچھ نہیں مصطفیٰ۔جو میں نے کہہ دیا وہ اٹل ہے۔حکم نہیں بدلے گا۔''

مصطفیٰ خیالوں سے واپس آیا تو وہ سکندر کے کمرے کے باہر کھڑا تھا۔

''شہزادے سلطان اندر نہیں ہیں۔''مصطفیٰ نے حیرانی سے آغاؤں کو دیکھا جو اس وقت اسے سکندر کی غیر موجودگی کی خبر سنا رہے تھے۔وہ خاموشی سے مڑا۔اب اس کے قدم ابراہیم کے کمرے کی طرف تھے۔

وہ جیسے ہی ابراہیم کے کمرے میں داخل ہوا ابراہیم نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر تیزی سے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا۔مصطفیٰ اسکے اس عمل پر حیران ہوا۔

''تمہیں صبر کرنا ہوگا مصطفیٰ۔تمہیں انکے بغیر جینے کی عادت ڈالنی ہوگی۔موت حقیقت ہے۔''ابراہیم کے الفاظ مصطفیٰ کو چونکا رہے تھے۔

''شہزادے....شہزادے کیا کہہ رہے ہیں آپ۔''وہ پیچھے ہٹنا چاہتا تھا مگر ابراہیم نے گرفت مزید سخت کی۔

''مصطفیٰ....تمہاری والدہ....سلطانہ آئینور مرزا.....مصطفیٰ انہیں بیماری لگ گئی تھی اور وہ کل رات وفات پا گئیں۔''ابراہیم کی زبان سے نکلے الفاظ مصطفیٰ کیلئے صرف الفاظ نہیں تھے۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں....شہزادے ایسے کیسے ہوسکتا ہے۔وہ میری والدہ ہیں.....وہ مجھے چھوڑ کر کیوں جائینگی.....نہیں آپ کو....آپ کو غلطی ہوئی ہوگی...بابا کہاں ہیں...بابا سنیں گے تو آپکی جان لے لیں گے۔یوں غلط خبریں نہ پھیلائیں۔''مصطفیٰ کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

''مصطفیٰ یہ سچ ہے۔تمہارے بابا کل رات سے اسی لئے نہیں لوٹے۔تمہاری والدہ کو کل رات ہی دفن کر دیا گیا کیونکہ انہیں لاحق ہونے والی بیماری پھیل سکتی تھی۔''مصطفیٰ سن رہ گیا۔اسکے بعد ابراہیم کیا کہہ رہا تھا اس نے کچھ نہیں سنا۔منظر اسکی آنکھوں کے سامنے آ جا رہے تھے۔ایک منظر میں اسکی والدہ پھول توڑ رہی تھیں اور وہ ایک طرف بیٹھا انہیں دیکھ رہا تھا.....ایک دوسرے منظر میں وہ اپنی ماں کو مہر شاہ کے ساتھ کھیلتا دیکھ رہا تھا۔کسی منظر میں وہ ان کیلئے کھانا لگا رہا تھا۔کہیں وہ آئینور سے عید مل رہا تھا کہیں تحفہ دے رہا تھا کہیں تلوار بازی کی مشق کہیں گھڑ سواری.....کتنے مناظر تھے کتنی یادیں تھیں۔سب ایک دم خاک ہو گیا تھا۔

''ہٹیں پیچھے.....''مصطفیٰ نے ابراہیم کو دور کیا۔''میری والدہ کو کچھ نہیں ہوا۔انہیں کچھ نہیں ہو سکتا۔سمجھے آپ۔''وہ غصے سے کہتا باہر چلا گیا۔ابراہیم یونہی کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا۔

محل میں ہر کوئی یہی کہہ رہا تھا ہر جگہ یہی بات ہو رہی تھی۔آئینور سلطانہ انتقال فرما گئیں۔سلطان سکندر مرزا ابھی تک محل نہیں لوٹے......وہ کتنے ہی لوگوں کو خاموش کروا چکا تھا مگر حقیقت اس سے نہیں بدل سکتی تھی۔اور بلآخر جب سکندر محل لوٹا اور اس نے اس بات کی تصدیق کی تو مصطفیٰ کو یقین آیا۔

''بابا بتائیں، یہ سب سچ ہے؟ کیا واقعی والدہ.....''مصطفیٰ بات مکمل نہیں کر سکا۔وہ سکندر کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔اسکی آنکھوں کے نیچے گہرے ہلکے تھے۔اسکی آنکھیں سرخ، اسکے بال بے ترتیب اور اسکا لباس مٹی سے لبریز تھا۔وہ پوری رات کہاں تھا اس نے کیا کیا دیکھا کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔

''بابا وہ یوں کیسے جا سکتی ہیں؟ وہ مجھے چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہیں؟''وہ اب سکندر کے قریب بیٹھا ہچکیاں لے کر رو رہا تھا۔سکندر اسے چپ نہیں کروا سکا۔مصطفیٰ کا دل چاہا وہ سکندر کو اس سب کا ذمہ دار ٹھہرائے مگر پھر یہ سوچ کر کہ آئینور کی موت کا غم سکندر کو بھی ہو گا وہ خاموش رہا۔

آئینور کی موت کے چند ہفتوں بعد سب کی زندگی معمول پر آ گئی تھی سوائے تین لوگوں کے۔

سکندر مرزا

ابراہیم حان

مصطفیٰ سکندر

''کچھ پوچھو گے نہیں؟'' بزرگ نے سکندر کو خاموش دیکھا تو سوال کیا۔

''نہیں بس تھوڑا غمگین ہو گیا ہوں۔ سلطان کیلئے مجھے دکھ ہو رہا ہے۔'' بزرگ اسکی بات پر ہلکا سا مسکرایا۔

''تمہیں دکھ نہیں ہونا چاہیئے، اس نے ظلم کیا۔''

''نہیں اس نے غلطی کی۔ مجھے یقین ہے اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گا۔ مگر اس غلطی کا سب سے زیادہ نقصان بھی تو اسے ہی ہوا نا۔'' بزرگ نے سر ہاں میں ہلایا۔

''اچھا مجھے بتائیں کہ شہزادے مراد... اس نے سلطان سے کیا کیا چھینا؟''

بزرگ کے چہرے پر غم ایک بار پھر چھایا۔

''یہ پوچھو کہ اس نے کیا نہیں چھینا۔''

سکندر اپنے کمرے میں بیٹھا خاموشی سے کتاب پڑھ رہا تھا۔ مگر اسکا دماغ کتاب کی طرف نہیں تھا۔ وہ کتاب اسے ماضی کی حسین یادوں میں لے گئی تھی اور وہ ان میں کھو گیا تھا۔ وہ سکندر کے قریب صوفے پر بیٹھ جاتی اور سکندر اسے کتابیں پڑھ کر سنایا کرتا۔ وہ کتاب پر اور کرداروں پر تبصرے کرتی اور سکندر اس کے تبصرے سن کر ہنستا۔ جو کردار اسے پسند آتا اسکی برائی سکندر کبھی نہیں کیا کرتا تھا۔ اور جو کردار اسے برا لگتا، سکندر پر لازم تھا کہ اسکی تعریف نہ کرے۔

''یہ میری پسندیدہ کتاب ہے۔'' اسنے ایک بار اسی کتاب کے متعلق سکندر کو بتایا۔ اور سکندر نے اس کے بعد سے اس کتاب کو اپنے کتب خانے کی بجائے اپنے کمرے میں رکھنا شروع کر دیا۔

وہ یونہی بیٹھا تھا جب دستک پر وہ خیالوں سے باہر آیا۔ اس سے پہلے کے وہ جواب دیتا مصطفیٰ نہایت

غصے کے عالم میں اندر داخل ہوا۔

''کیوں کیا آپ نے ایسا؟ کیوں آپ نے میری والدہ کی جان لے لی؟'' سکندر ان الفاظوں پر حیران رہ گیا۔اس نے تو اس بات کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے چھپا دیا تھا۔ پھر کیسے.....پھر کیسے اسے علم ہوا؟ سکندر نے مصطفیٰ کے پیچھے ابراہیم کو داخل ہوتے دیکھا۔وہ بھی سکندر کی طرح فکر مند تھا۔

''آپ کو ان پر بھروسہ نہیں تھا تو میرے ساتھ کہیں دور بھیج دیتے ، مارنے کی کیا ضرورت تھی۔کیوں ...جان کیوں لے لی؟'' وہ سکندر کے سامنے چیخ رہا تھا۔اس سے پہلے سکندر سے اتنی بدتمیزی سے پیش آنے والی آئینور تھی اور آج اسکا بیٹا۔سکندر کی نظریں اسکی آنکھوں پر ٹھہرتیں تو سکندر کو نا جانے کیوں آئینور کا خیال آتا۔

''میں نے آپ سے گزارش کی تھی آپ نے کیوں قبول نہیں کی؟ کیوں آپ کو میرا خیال نہیں آیا۔آپ جانتے تھے میں والدہ کے بغیر تنہا ہو جاؤں گا پھر کیوں آپکو خیال نہیں آیا؟ آپ کہہ دیتے میں آپکے پاؤں پڑ کر انکی زندگی مانگ لیتا۔انتظار کر لیتے میں آپکو انکی بے گناہی کے ثبوت لا دیتا۔'' سکندر کی زبان کو قفل لگ گیا۔وہ کچھ بول ہی نہ پایا۔مصطفیٰ کی آنکھوں میں غصہ، درد سب کچھ واضح دکھائی دے رہا تھا۔

''انہوں نے اپنی ریاست چھوڑ دی وہ آپ کے ساتھ یہاں آ کر رہیں کیا اس لئے کہ آپ انکی جان لے لیں۔''

''اپنی حد میں رہو مصطفیٰ۔میرے فیصلوں پر انگلی اٹھانے والے تم ہوتے کون ہو؟تم اس سلطنت میں میرے شہزادے ہو۔تم میرے تابع ہو۔میرے فیصلے پر سوال اٹھانے کی اجازت تمہیں کس نے دی ہے؟'' سکندر نے پہلی بار زبان کھولی اور کاش وہ زبان نہ ہی کھولتا۔

''میں آپکا غلام نہیں ہوں۔سمجھے آپ۔میں آزاد پیدا ہوا تھا میں آزاد ہوں اور ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق مجھے اسلام دیتا ہے۔''مصطفیٰ کی آواز اب زیادہ اونچی تھی۔

''ابراہیم اسے یہاں سے لے جاؤ۔ میں کچھ بہت غلط کر دوں گا۔'' سکندر پلٹ کر میز کی طرف بڑھنے لگا۔

''سلطان سکندر مرزا، تمہیں مر جانا چاہیئے۔ اس ظلم کے بعد تمہیں مر جانا چاہیئے۔'' سکندر کے قدم رکے۔ اس نے تیزی سے مڑ کر دیکھا۔ مصطفیٰ وہیں کھڑا تھا۔ سکندر کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا۔

''کیا کہا تم نے؟'' سکندر نے بے یقینی سے پوچھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے مصطفیٰ کو اپنی طرف آتے دیکھا۔

''میں نے کہا تمہیں مر جانا چاہیئے۔'' سکندر اسکی جسارت دیکھ رہا تھا۔ اور پھر اس نے ایک زوردار تھپڑ مصطفیٰ کے منہ پر مارا۔ مصطفیٰ کا چہرا سرخ ہو چکا تھا۔ اسے یقین نہیں آیا اسکے باپ نے اس پر ہاتھ اٹھایا۔ اسے سکندر سے شدید نفرت ہوئی۔

''میں اس ریاست سے، شاہی خاندان سے، سلطان سکندر مرزا تم سے، اور اس خاندان کے افراد سے اپنا تعلق توڑتا ہوں۔'' وہ کہتا تیز قدم لیتا باہر نکل گیا۔ سکندر نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''سلطان اسے روکیں وہ....'' ابراہیم سکندر سے منت کر رہا تھا۔

''مجھے اس خاندان میں اس جیسا باغی شہزادہ نہیں چاہیئے۔ اسکی اتنی ہمت وہ میرے سامنے....وہ مجھ سے.....گستاخی.....'' سکندر طیش میں تھا وہ ٹوٹے الفاظوں میں بات کر رہا تھا۔ ابراہیم اسے میز کی طرف جاتا دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا اب سکندر کیا کرنے والا تھا۔ اگلے ہی لمحے سکندر نے میز الٹ دیا۔ پھر وہ شیشے کی طرف بڑھا اس نے اپنا عکس آئینے میں دیکھا اور پھر ہاتھ سے اسے توڑ دیا۔ وہ اب کمرے کی باقی چیزیں بھی توڑ رہا تھا۔ ابراہیم اسے یوں ہی کمرے میں چھوڑ کر باہر مصطفیٰ کی طرف دوڑا۔

''مصطفیٰ!'' وہ اسکے پیچھے دوڑتا اسے روک رہا تھا مگر وہ اب گھوڑے پر سوار ہو کر نا جانے کہاں کو نکل گیا۔ ابراہیم کافی دور تک اسے ڈھونڈتا رہا مگر اسے خالی ہاتھ لوٹنا پڑا۔

"مصطفیٰ کے محل سے جانے کے بعد خبر ہر جگہ پھیل گئی۔ ہر کسی کو علم ہو گیا کہ سلطان نے اپنی ملکہ کی جان لے لی کیونکہ وہ غدار تھی۔ بس اس کے بعد ریاست میں جھگڑے ہونے لگے۔ کچھ لوگ اسے معصوم کہتے کچھ شیطان۔ ریاست میں بغاوت ہونے لگی۔ ینیچری شہزادے عبداللہ اور شہزادی مہر شاہ کی موت چاہتے تھے۔ سکندر نے بغاوتوں پر قابو تو پالیا مگر اسے ایک عرصہ لگا۔ اسکی اپنی والدہ اسکے بچوں کی جان لینے پر تلی تھیں۔ ایک بار تو سکندر نے عین موقع پر پہنچ کر اپنے بچوں کو بچایا ورنہ اسکی والدہ تو انکی جان ہی لینے والی تھیں۔"

"اور مصطفیٰ اسکا کیا ہوا؟ کیا سلطان نے اسے کبھی دیکھا۔"

"وہ ایک عرصہ منظر عام سے غائب رہا۔ سلطان نے اسے اس دن کے بعد کئی بار دیکھا۔ وہ سلطان کو اپنے دشمنوں کی صف میں دکھائی دیتا تھا۔ اس پر پہلا اور آخری تیر وہی چلاتا تھا۔ روس کے ساتھ جب بھی جنگ ہوتی وہ وہاں سکندر کے خلاف لڑتا۔ وہ سکندر کا عزیز ترین دشمن تھا۔"

"کیا وہ کبھی واپس نہیں آیا؟ اور آئینور کیا اسکی بے گناہی مطلب کیا وہ واقعی غدار تھی؟"

"تو یعنی کہانی کا اختتام آ گیا۔" بزرگ نے ٹھنڈی آہ بھری پھر ایک گلاس پانی پیا اور دوبارہ بولنے لگا۔

سکندر اس دن اپنے حجرے میں آرام کر رہا تھا۔ وہ ابھی ابھی ایک باغی کا سر کچل کر لوٹا تھا۔ تھکاوٹ سے اسکا جسم درد کر رہا تھا۔ مگر ابھی وہ لیٹا ہی تھا کہ اسکی اجازت پا کر ابراہیم اندر داخل ہوا۔

"میرے آقا! وہ آپکے بیٹے اس وقت مشکل میں ہیں۔" ابراہیم کی آواز پر وہ اٹھ بیٹھا۔

"کیا ہوا ہے عبداللہ کو؟ کہاں ہے وہ؟" سکندر کے چہرے پر حیرت تھی۔

"عبداللہ نہیں سلطان، مصطفیٰ، مصطفیٰ مشکل میں ہے۔" ابراہیم نے بڑی مشکل سے الفاظ مکمل کئے۔

سکندر کچھ دیر کچھ نہ بولا۔ پھر واپس بستر پر لیٹ گیا۔

"وہ مجھ سے سب تعلق ختم کر گیا ہے۔ اب وہ میرا بیٹا نہیں ہے۔"

''میرے آقا! وہ اس وقت روس کی قید میں ہے۔ آپ جانتے ہیں وہ کتنی ازیت دیتے ہیں۔'' ابراہیم نے اسے منانے کی کوشش کی۔

''وہ میرا دشمن ہے۔ اور میں دشمنوں کی مدد نہیں کرتا۔ نہ ہی انہیں پہنچائی جانے والی اذیت سے مجھے کوئی فرق پڑتا ہے۔'' جھوٹا، اسکا دل اندر ہی اندر جل رہا تھا۔

''وہ دشمن نہیں ہے سلطان۔ وہ آپکا بیٹا ہے۔ اتنی جلدی تعلق کیسے ختم کر سکتے ہیں آپ؟''

''تعلق اس نے ختم کیا تھا۔ تم وہیں تھے ابراہیم۔ اور تم نے بھی اسے دشمنوں کی صف میں دیکھا۔ مجھے ہر وہ تیر یاد ہے جو اس نے میری طرف پھینکا۔ وہ میرا دشمن ہے اور تم جانتے ہو مجھے دشمنی نبھانی کتنے اچھے سے آتی ہے۔'' جملہ مکمل کر کے سکندر نے کمبل اپنے اوپر لپیٹا۔ ابراہیم نے اسے یوں سوتا دیکھا تو اسے وعدہ توڑنا پڑا۔ وہ وعدہ جو اس نے مصطفیٰ سے کیا تھا۔

''سکندر وہ وہاں جاسوس ہے۔ وہ دشمن نہیں ہے۔'' ابراہیم کی زبان سے الفاظ نکلے اور سکندر کی دھڑکن تیز ہوئی۔

''ہاں وہ وہاں صرف کسی مقصد کے تحت گیا ہے۔ وہ دشمن نہیں ہے۔ وہ ترکوں سے کیسے غداری کر سکتا ہے؟''

''تم یہ صرف اس لئے کہہ رہے ہو تاکہ میں اسے بچاؤں۔'' سکندر نے اٹھ کر اسے دیکھا۔

''نہیں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

''پھر تم نے پہلے کیوں نہیں کہا یہ سب؟'' سکندر تصدیق چاہتا تھا۔

''کیونکہ میں نے مصطفیٰ سے وعدہ کیا تھا۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں سلطان کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔''

''مجھے سب تفصیل میں بتاؤ۔''

''وہ جب ہم سے خفا ہو کر گیا تو اسے روسی سفیر نے مکتوب لکھا۔ سٹیفن نامی کوئی شخص اس سے ملنا چاہتا

تھا۔مصطفیٰ نے دعوت قبول کی۔اس شخص نے اسے آپکے خلاف مزید اکسایا۔آپ جانتے ہیں مصطفیٰ کسی کی باتوں میں نہیں آتا۔وہ نہیں آیا مگراس نے اسکے ساتھ کام کرنے کی بات مان لی۔مجھے نہیں معلوم اس نے یہ کیوں کیا۔اس نے بس مجھے اتنا ہی بتایا کہ وہ وہاں صرف کسی مقصد کیلیئے ہے۔مگراس نے مجھ سے وعدہ لیا کہ میں آپکو کچھ نہیں بتاؤں گا۔“

سکندر کے دل کوسکون ملا۔اسے خوشی تھی کہ اسکا بیٹا غدار نہیں تھا۔وہ ترکوں کے ساتھ اب بھی وفادار تھا۔ سکندر،ابراہیم اور یاقوت سب مصطفیٰ کی جان بچانے کیلیئے کچھ سپاہ لے کر نکل پڑے تاہم انہیں سب کچھ خفیہ طریقے سے کرنا تھا۔وہ بحری راستے سے روس پہنچے،انکا حلیہ ایسا تھا کہ کوئی پہچان نہ پایا۔پھر روس میں موجود اپنے جاسوسوں کے ذریعے وہ خفیہ راستے سے محل کے زندان میں پہنچے۔زندان کے قریب تعینات سپاہیوں کوسکندراورابراہیم نے موقع پا کر ختم کیا اور پھر یاقوت نے انکی لاشوں کو چھپا دیا۔انہیں زندان میں مصطفیٰ بے ہوش ملا تھا۔اسکا ہاتھ زخمی تھا۔سکندر زخم دیکھ کر بتا سکتا تھا کہ مصطفیٰ کے ہاتھ میں کسی نے تین سے چار بار چاقو پیوست کیا تھا۔سکندراورابراہیم نے مصطفیٰ کوسہارا دے کر اٹھایا اور پھر وہ تینوں خفیہ راستے کے ذریعے باہر نکلنے لگے۔ابھی وہ خفیہ راستے سے باہر نہیں نکلے تھے کہ انہیں اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ابراہیم اور سکندر مصطفیٰ کو لے کر آگے بڑھتے رہے اور یاقوت پیچھے کھڑا ان سپاہیوں کی گردنیں اڑاتا رہا۔جب سپاہیوں کی تعداد زیادہ ہونے لگی تو یاقوت نے اپنے ہاتھ میں موجود تھیلے سے کچھ نکال کر باہر پھینکنا شروع کیا۔شاید وہ بارود تھا۔سکندراورابراہیم مصطفیٰ کو لے کر باہر نکلے ۔وہ اب مصطفیٰ کو ہوش میں لانے کی کوششیں کر رہے تھے۔کچھ دیر کی کوششوں کے بعد مصطفیٰ کو ہوش آچکا تھا۔

”مصطفیٰ“ سکندر نے اسے ہوش میں دیکھا تو خوشی سے اسکا ماتھا چوما اور گلے لگایا۔اس نے اس بار اپنے بیٹے کو بچالیا تھا۔اس نے دیر نہیں کی تھی۔وہ یونہی مصطفیٰ کو سینے سے لگائے بیٹھا تھا کہ دھماکہ ہوا۔وہ خفیہ

سرنگ جس سے سکندر ابھی ابھی اپنے بیٹے اور ابراہیم کے ساتھ نکلا تھا وہ تباہ ہوگئی تھی۔سکندر مصطفیٰ کو چھوڑ کر سرنگ کی طرف بھاگا۔ابراہیم نے سرنگ کی طرف بڑھتے سکندر کر پکڑا۔

''یاقوت، یاقوت باہر نہیں آیا۔ابراہیم مجھے اسے لینے جانا ہے۔'' وہ ابراہیم کی گرفت سے خود کو آزاد کروا کر سرنگ کی طرف بھاگا۔کچھ ہی دیر میں ایک اور دھماکہ ہوا اس بار سکندر دھماکے کے نتیجے میں دور جا گرا۔سکندر اب دوبارہ سرنگ کی طرف نہیں گیا تھا۔وہ وہیں کچھ فاصلے پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔اسکی آنکھوں سے بہتے آنسو بتا رہے تھے کہ اس نے کتنا قیمتی شخص کھویا تھا۔ابراہیم اس کے قریب آکر بیٹھ گیا۔

''ہمیں نکلنا ہوگا سلطان۔یاقوت کی قربانی کو ضائع نہ ہونے دیں۔'' سکندر نے اسکی بات کا کائی جواب نہیں دیا وہ تو اپنے خسارے پر رو رہا تھا۔

''میرے آقا!'' ابراہیم نے سکندر کو اٹھانے کی کوشش کی۔''میرے آقا ہمیں چلنا ہے۔'' وہ اسے کھڑا کر کے مصطفیٰ کی جانب بڑھا۔

''مصطفیٰ، ہمیں چلنا ہے تم، تم یہ پہن لو۔'' ابراہیم نے مصطفیٰ کو ایک بڑی چادر اوڑھائی۔

''آقا!'' سکندر کو وہیں کھڑا دیکھ کر ابراہیم نے اسے پکارا۔

''ابیو! میں ایسے کیسے چلا جاؤں۔میں.....'' ایک بار پھر وہ رونے لگا۔

ابراہیم نے اسکا ہاتھ پکڑا۔''میرے آقا آپ وقت ضائع کر رہے ہیں۔آپ اسکی قربانی ضائع کر رہے ہیں۔خدارا چلیں۔'' سکندر کچھ دیر ابراہیم کو دیکھتا رہا۔اس نے مڑ کر سرنگ کو دیکھا اور پھر وہ تینوں تیز قدم اٹھاتے دریا کی جانب بڑھے۔وہ بحری بیڑے میں بیٹھے۔ابراہیم اور مصطفیٰ سکندر کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔وہ بیڑے میں سوار ہونے کے بجائے مڑ کر کسی کو دیکھ رہا تھا۔

''آقا وقت جا رہا ہے۔'' ابراہیم نے اسے آواز دی۔

''ابراہیم وہاں کوئی آ رہا ہے۔'' سکندر کی بات پر ابراہیم چاقو نکال کر کشتی سے باہر نکلا۔
کچھ ہی دیر میں سایہ چلتا ہوا قریب آ چکا تھا۔ سکندر نے اسکے مزید قریب آنے کا انتظار نہیں کیا تھا وہ بھاگتا ہوا آگے بڑھا اور اگلے ہی لمحے اس نے اسے گلے لگایا۔ وہ یاقوت تھا۔ یاقوت زندہ تھا۔
''مجھے یقین تھا تم لوٹو گے۔''
''میں نے شہزادی سے وعدہ کیا تھا آقا۔ آپ جانتے ہیں میں وعدہ نہیں توڑتا۔'' یاقوت کی کچھ تھکان زدہ آواز پر سکندر نے اسے دیکھا۔ اسکے چہرے پر زخم تھے یہی حال اسکے بازوؤں اور ہاتھوں کا تھا۔ سکندر نے اسے سہارا دے کر کشتی میں بٹھایا۔ وہ سب اب واپس جا رہے تھے۔
محل میں رہنے کے باوجود سکندر اور مصطفیٰ کا سامنا بہت کم ہوتا تھا۔ کئی دنوں بعد انکا سامنے ایک بار پھر ہوا۔ جب مصطفیٰ سکندر کے کمرے میں آیا۔ اسکے انداز میں آج بھی وہی بے رخی اور گستاخی تھی جو اس دن تھی۔ اس نے کئی کاغذات سکندر کی طرف پھینکے گویا اس کے منہ پر مارے۔
''آپکو یہ مکتوب پڑھنے چاہئیں۔ اور یہ مکتوب.....'' مصطفیٰ نے ایک مکتوب اسکی طرف بڑھایا۔ ''یہ والدہ نے مجھے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے دیا تھا۔ یہ آپ کیلئے لکھا گیا تھا۔ پہلے میں نے سوچا آپکو نہ دوں پھر سوچا کہ نہیں آپکو دینا چاہیئے۔ آپ کو عمر بھر غم میں دیکھنے سے مجھے سکون ملے گا۔ اسی لئے سوچا کہ دوں آپکو۔'' وہ کہہ کر پلٹ گیا۔ سرد مہری اب بھی برقرار تھی۔ سکندر کو لگا مصطفیٰ کا دل نرم ہو چکا ہوگا مگر وہ بھول گیا تھا کہ مصطفیٰ اسی کا بیٹا تھا۔
''مصطفیٰ!'' اپنی انا پر پیر رکھ کر سکندر نے اسے بلایا۔ اسکے قدم رک گئے۔ وہ خود بھی اس پکار کا منتظر تھا۔
''تم میرے دشمنوں کے پاس کس مقصد کیلئے گئے تھے؟'' اسکی بات پر مصطفیٰ پلٹا۔
''تو آپکو یہ جاننا ہے؟ ویسے حق نہیں رکھتے آپ لیکن میں آپکو بتاؤں گا۔ میں وہاں اپنی ماں کی بے گناہی کے ثبوت لینے گیا تھا۔ یہ جو مکتوب میں نے ابھی آپکو دیے ہیں.... یہ ثبوت ہی ہیں۔''

سکندر نے حیرت سے آس پاس گرے مکتوبات کو دیکھا۔
''تمہیں کیسے معلوم کہ تمہیں ثبوت وہاں ملیں گے؟'' سکندر ایک بار پھر حیران تھا۔
''میری والدہ.....میں ان سے کچھ روز قبل ملا تھا۔انہوں نے مجھے جو بتایا تھا وہ کافی حیرانی والی بات تھی اور فکر کی بھی۔جاننا چاہیں گے کہ کیا بتایا تھا؟''
سکندر کا سر بے اختیار اثبات میں ہلا۔مصطفیٰ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔وہ اس کے صبر کو آزما رہا تھا۔
''انہوں نے مجھے بتایا کہ آپکی ریاست میں کچھ غدار ہیں۔جیسے کہ آپکی عظیم والدہ تورحان سلطان اور آپکے بڑے برادر شہزادے مرادحان۔'' سکندر آج پھر خاموش تھا۔آج تو وہ بولنے کے قابل رہنے بھی نہیں والا تھا۔مصطفیٰ گفتگو کرتے ہوئے سکندر کے گرد چکر لگا رہا تھا۔
''میرے مرحوم والدہ نے انکی گفتگو سنی تھی۔آپکے بڑے برادر اپنی والدہ سے کچھ بات کر رہے تھے۔''
(''والدہ آپ کو ایسا کرنا پڑیگا۔آپ سکندر کو نہیں بتائیں گی اور جو کام میں آپکو بتا رہا ہوں آپ وہ کریں گی۔آپ اسکی دوا میں زہر ملائیں گی والدہ۔''
''مراد تمہارا دماغ درست جگہ پر ہے؟ میں اپنے بیٹے کو زہر کیوں دوں گی؟''
''اپنے لئے والدہ۔اگر آپ ایسا نہیں کریں گی تو میں بہت کچھ کروں گا۔جیسے کہ میں اسے بتا دوں گا کہ آپ نے ابراہیم کی زندگی برباد کرنے کیلئے وہ ساری چال چلی تھی اور وہ ثبوت میں نے آپ ہی کے کہنے پر بابا کو دیے تھے۔میں اسے بتاؤں گا کہ اس روز شکار سرائے میں آگ لگانے والی آپ تھیں۔میں اسے بتاؤں گا کہ ینیچریوں کی بغاوت میں آپ نے سلطانہ کو کمرے میں بند کروایا نیز ان پر حملہ کرنے والے ینیچری بھی آپکے تھے اور یہی نہیں ابراہیم اور سلطانہ پر الزام لگانے کیلئے وہ سستی اور گھٹیا چال آپکی تھی۔''
''تم مجھے دھمکا رہے ہو؟''
''ہرگز نہیں۔میری کیا مجال۔میں تو بس آپکو نتائج سے آگاہ کر رہا ہوں۔''

''مراد تم کیوں یہ سب کر رہے ہو۔ میں اسکی جان نہیں لے سکتی۔''

''والدہ وہ زہر اسکی جان نہیں لے گا بس آہستہ آہستہ اسے معزور کرے گا۔''

''مراد میں ماں ہوں اسکی میں کیسے.....''

''اور میں باپ تھا اسکا والدہ جسکی اس نے جان لی ہے۔''

''تمہارے بیٹے نے اورہان کی جان لی تھی۔''

''اس سے فرق نہیں پڑتا۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ سکندر نے میرے بیٹے کی جان لی۔ وہ میری آنکھوں کے سامنے تڑپا تھا۔''

''مراد....''

''والدہ....'' وہ ابھی گفتگو میں مصروف تھے کہ کچھ گرنے کی آواز آئی۔ مراد بھاگ کر دروازے کی جانب بڑھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا مگر مراد کی نگاہوں میں ایک رومال آیا۔ مراد نے اسے اٹھایا۔ اور پھر مسکرایا۔

''والدہ تدبیر میں ذرا تبدیلی کرتے ہیں۔ یقیناً آپ نہیں چاہتیں کہ حرم آپ کے سوا کوئی اور حاصل کرے۔'')

''انہیں دنوں وہ سٹیفن نامی شخص والدہ کو مکتوب لکھ رہا تھا۔ وہ پایہ تخت میں تھا اور والدہ سے ملاقات چاہتا تھا۔ والدہ نے اس سے ملاقات کی۔ وہ والدہ کی واحد خطا تھی، مگر وہ مجبور تھیں۔ اس شخص نے مکتوب میں والدہ کو لکھا تھا کہ وہ ان کے بابا جان کے متعلق جانتا ہے۔ لہذا نا چاہتے ہوئے بھی وہ اس سے ملیں۔ اس نے چند شرائط رکھیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ وہ آپکو روسی زہر دیں گی۔ والدہ نے پہلے تو انکار کیا پھر محض دکھاوے کے طور پر ہامی بھری۔ وہ جو چند مکتوب آپ نے زہر کے متعلق پڑھے تھے نا وہ محض دکھاوے کے مکتوب تھے جو صرف اسے یقین دہانی کیلئے لکھے گئے تھے۔ میری والدہ آپکو دوا خود اس لئے دیا کرتی تھیں کیونکہ انہوں نے حکیم کی تیار کردہ دوا پر نشان لگا رکھا تھا۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں شہزادے مراد

اور آپکی عظیم والدہ آپکو غلط دوا نہ دیں۔

اور اس دن جب آپ نے سٹیفن اور میری والدہ کو دیکھا تو وہ انکی آخری ملاقات تھی۔ وہ اس ملاقات میں اس کی جان اپنے ہاتھوں سے لینے والی تھیں۔ اور آپکو بتا تا چلوں کہ وہ اسکی جان اس لئے لینا چاہتی تھیں کیون کہ انہیں پتا چل گیا تھا جو کچھ آپکے ساتھ سٹیفن اور اسکے آدمیوں نے کیا۔ وہ سب ہاتھ کے گھاؤ وہ اسکا بدلہ لینے کیلئے اس سے ملنے گئی تھیں۔ مگر عین وقت پر آپ آ گئے۔ قریب درخت پر ایک شخص کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں تیر کمان تھا اور وہ روس کا بہترین تیرانداز تھا۔ اگر آپ اس وقت سٹیفن کو مارنے کیلئے آگے بڑھتے تو وہ شخص آپ پر تیر چلا دیتا۔ اسی وجہ سے والدہ آپکے سامنے آئیں۔ اور آپکو آگے بڑھنے سے روکا۔ جانتے ہیں جب میں نے اس سٹیفن کو چند روز پہلے اپنے ہاتھوں سے مارا تو اس نے کیا کہا،

''اگر الیگزینڈرا مجھے ملتی تو کم از کم میں اسے اس ترک کی طرح اپنے سامنے اور اپنے حکم سے تو نہ مرنے دیتا۔'' اور مجھے لگا اس نے ٹھیک کہا تھا۔ تو قصہ المختصر آپکے بھائی نے آپکو زہر دیا، آپکی والدہ نے آپکی بیوی کو پھنسایا، سٹیفن کے ذریعے شک کو پختہ کیا گیا۔ اور کچھ مکتوب جو آپکو دیے گئے تھے وہ والدہ نے لکھے بھی نہیں تھے وہ تو والدہ سلطان نے بڑی عمدگی سے تیار کروائے تھے میں انہیں اس پر بذات خود داد دوں گا۔ اور بتائیں سلطان سکندر مرزا۔ اور کس وجہ سے آپ نے میری والدہ پر شک کیا۔ بتائیں میں شک دور کروں۔''

''میں تخلیہ چاہتا ہوں۔'' سکندر کافی دیر بعد بس اتنا ہی کہہ سکا۔ اس کا دل یہ سب برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

''بلکل ویسے بھی اب آپ اس دنیا میں تنہا ہی رہنے والے ہیں۔ میں جا رہا ہوں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے۔ میں نے کسی سے عدہ کیا ہے۔ میں اپنا خاندان بنانے جا رہا ہوں۔ اور میں اپنے خاندان میں سے کسی ایک فرد کو بھی آپکے نزدیک نہیں دیکھنا چاہتا۔ لہذا میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ آپکو آپکا تخت، آپکی ریاست اور

آپکا غدار خاندان مبارک۔'' وہ کہتا کمرے سے نکل گیا۔سکندر نے جھک کر کاغذ اٹھائے۔وہ ایک ایک مکتوب کھول کر دیکھ رہا تھا۔اس میں مراد اور روسی بادشاہ کے درمیان ہونے والی گفتگو درج تھی۔اس میں سٹیفن کو لکھے جانے والے مکتوب بھی تھے۔سکندر نے وہ مکتوب بھی پڑھا جس میں سکندر کے خیمے اور پڑاؤ کا پتہ درج تھا۔یعنی سٹیفن نے اسے جس ایک شخص کے ذریعے پکڑا تھا وہ اسکا اپنا بھائی تھا۔کئی مکتوب تھے کئی دھوکے، کئی دھوکے باز۔ان میں اسکی والدہ کی جانب سے لکھے گئے مکتوبات بھی تھے۔مراد اور تورحان کے درمیان ہونے والی گفتگو بھی وہاں موجود تھی۔سکندر نے درد سے آنکھیں بند کیں۔سکندر کے ہاتھ میں ایک مکتوب اب بھی موجود تھا وہی مکتوب جو آئینور کی جانب سے تھا۔

وہ اب بھاری دل کے ساتھ اسے کھولنے لگا۔

''سلطان سکندر مرزا!

اگر تم یہ مکتوب پڑھ رہے ہو تو تم مجھے مار چکے ہو۔مجھے اندازہ تھا کہ تم میری زندگی کا کیا فیصلہ کرو گے۔مگر مجھے افسوس ہے کہ دس سال گزارنے کے بعد بھی تمہیں میری وفاداری نظر نہیں آئی۔اور زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ تمہیں اپنے خاندان کی غداری بھی نظر نہیں آئی۔تم نے میری وفاؤں کا، میری محبت کا، میری قربانیوں کا تم نے میرے جذبات کا یہ صلہ دیا سکندر۔مجھے افسوس ہے۔میں تمہارے تین شہزادوں کی والدہ، تمہاری سلطانہ اور تمہارے دل کی حکمران تھی۔کیا میرا اتنا حق بھی نہیں تھا کہ تم مجھے سنتے۔کیا مجھے اپنی صفائی دینے کا حق نہیں تھا۔تم نے یہ تو پوچھا کہ وہ مکتوب میں نے لکھے تھے یا نہیں پر تم نے وجہ کیوں نہیں پوچھی۔تم مجھ سے محبت کا دعوی کرتے تھے سکندر پر تم بس دعوی کرتے تھے تم نے محبت نہیں کی۔محبت میں اعتماد ہوتا ہے تم نے اعتماد ہی نہیں کیا۔تم محبت میں کافر ٹھہرے۔سکندر مرزا کہتا تھا کہ تم پر شک کروں تو کافر ٹھہروں گا اور پھر سکندر مرزا محبت میں کافر ٹھہرا۔مجھ سے معافی کی امید مت رکھنا سکندر۔روز قیامت جب تم سے میرے ساتھ کئے گئے ظلم کا بدلہ لیا جائیگا تو میں پیٹھ پھیر لوں گی۔میں تمہیں اس

آگ سے نہیں بچاؤں گی جو تمہارے لئے تیار کی گئی ہے۔تم نے مقام کھو دیا۔تم میرے نزدیک بہترین حکمران تھے مگر نہیں تم نہیں ہو۔''

مکتوب ختم ہوا تو سکندر کی آنکھ میں ٹھہرا پانی بھی اسکی گال پر بہ گیا۔سکندر نے مکتوب اپنے سینے سے لگایا۔ اور پھر وہ زور سے رونے لگا۔اسکی آواز کمرے سے باہر بھی سنائی دے رہی تھی۔وہ چیخ رہا تھا۔سکندر مرزا اب اپنی باقی زندگی پچھتانے والا تھا۔ابراہیم اسکی آواز سن کر گھبرا کر اندر داخل ہوا۔

''سکندر!'' وہ اسکے قریب آیا تو سکندر نے اپنا سر اسے کندھے سے لگایا۔

''ابیو میں نے کیا کر دیا۔میں نے ظلم کر دیا۔میں نے آئینور پر ظلم کر دیا میں نے اپنے بچوں پر ظلم کیا، میں ....میں نے خود پر ظلم کیا۔میں نے کیا کر دیا۔'' وہ اپنا سر پیٹ رہا تھا۔وہ اپنے بال نوچ رہا تھا۔وہ پاگل سا لگ رہا تھا۔ابراہیم کہنا چاہتا تھا کہ سکندر تم نے مجھ پر بھی ظلم کیا۔وہ سکندر کے گرد گرفت سخت کر چکا تھا۔آنکھوں سے پانی بہ رہا تھا۔سکندر کا یہ حال اسے تکلیف دے رہا تھا۔مگر تکلیف تو کسی اور وجہ سے بھی تھی۔

''ابیو وہ میری سلطانہ تھی مجھے اسے صفائی کا ایک موقع ....کم از کم ایک موقع تو دینا چاہئے تھا۔میں نے کیوں نہیں دیا۔میں نے کیوں نہیں دیا۔'' وہ مکتوب اب آنکھوں سے لگائے رونے لگا۔

''ابیو تم نے اسے کہاں دفنایا تھا.....مجھے اسکی قبر پر لے جاؤ.....میرا دل پھٹ جائیگا۔مجھے معافی مانگنی ہے مجھے.....'' الفاظ اسکے حلق میں ہی رہ گئے۔وہ زار و قطار رو رہا تھا۔

''انہیں میں نے نہیں دفنایا تھا،انہیں جس نے دفنایا تھا وہ مر چکا ہے اور مجھے انکی قبر کا علم نہیں۔'' ابراہیم نے جھوٹ بولا تھا۔وہ ایسا ہی تھا۔جب اسکے باپ نے اسکی ماں کی ناقدری کی اور انہیں سزائے موت دی تب اس نے اپنی ماں کو خود دفنایا تھا اور پھر اپنے باپ کے لاکھ پوچھنے پر بھی نہیں بتایا تھا۔وہ سکندر کے ساتھ بھی یہی کرنے والا تھا۔وہ اسے آئینور کی قبر سے بے خبر ہی رکھنے والا تھا۔

''کوئی ایک نشانی ایبو.....کچھ تو'' وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں بس اتنا جانتا ہوں انکی قبر پر پتھر کے ساتھ سرخ رومال لٹکا یا گیا ہے۔'' سکندر نے اپنا سر گھٹنوں میں دیا اور پھر دوبارہ رونے لگا۔ ابراہیم اسے روتا دیکھتا رہا مگر اس نے اسے مزید قبر کے متعلق کچھ نہ بتایا۔ وہ بس آج خودغرض بنا تھا۔ آئینور کی قبر پر بس اسکا حق تھا۔ بس اسے ہی اجازت تھی کہ وہ اس قبر پر جائے۔ وہاں پھول رکھے دعا کرے اور گھنٹوں بیٹھے۔ وہ وہاں اظہار کرتا تھا۔ اس سے وہ اظہار جو وہ ساری زندگی نہ کرسکا۔

''اور مراد اسکا کیا ہوا؟ کیا سلطان نے اپنی ماں کو سزا دی؟'' سکندر نے ایک بار پھر سوال کیا۔

بزرگ نے خاموشی سے اسے دیکھا۔ پھر دوبارہ آغاز کیا۔

سکندر، ابراہیم اور مصطفیٰ نے جو ایک جنگ متحد ہو کر لڑی وہ مراد کے خلاف لڑی جانے والی جنگ تھی۔ اس جنگ میں وہ تینوں شریک تھے۔ مراد کو روسی امداد حاصل تھی۔ روسی سپاہی اور سکندر کے سپاہی آپس میں لڑ رہے تھے۔ مصطفیٰ کی کوشش تھی کہ وہ مراد کو ختم کرے اور سکندر مراد کا خاتمہ خود کرنا چاہتا تھا۔ جنگ میں کئی بار مصطفیٰ مراد کے مقابل آتا اور کبھی سکندر مراد کے مقابل آتا۔ جنگ میں ایک لمحہ آیا جب مصطفیٰ مراد کے سامنے تھا۔ مصطفیٰ کی آنکھوں میں غصہ تھا۔ وہ مراد کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے پر وار کر رہے تھے۔ مراد مصطفیٰ سے زیادہ مضبوط اور طاقتور تھا۔ وہ ہر وار میں اسے زمین پر گرا دیتا۔ کافی دیر شکست کھانے کے بعد بلآخر مصطفیٰ نے مراد کو زیر کیا۔ مصطفیٰ کی تلوار مراد کی گردن پر تھی اور وہ مراد کو گھٹنوں کے بل گرا چکا تھا۔ مگر اس سے پہلے کے وہ اسکا سر تن سے جدا کرتا کسی کی پکار پر وہ مڑا۔ اس نے اپنے پیچھے کچھ فاصلے پر ایک شخص کو دیکھا جو اس کی جانب خنجر پھینک چکا تھا۔ مصطفیٰ کو موت قریب نظر آرہی تھی اور پھر اس نے ابراہیم کو اپنے آگے آتے دیکھا۔ وہ خنجر جو مصطفیٰ کیلیئے پھینکا گیا تھا وہ ابراہیم نے اپنے سینے پر کھایا۔ مصطفیٰ مراد کو ایک طرف گرا کر ابراہیم کی جانب بڑھا۔

''شہزادے!'' ابراہیم زمین پر گر رہا تھا مصطفیٰ نے اسے پکڑا۔ ابراہیم کا سر اب مصطفیٰ کی گود میں تھا۔ مصطفیٰ آس پاس لوگوں کو دیکھتا مدد کیلیئے پکار رہا تھا۔ وہ کسی بھی قیمت پر ابراہیم کو بچانا چاہتا تھا۔ ابراہیم نے اسکا چہرا پکڑ کر اپنی طرف موڑا۔ اسکی زبان پر عربی کے کچھ الفاظ جاری ہوئے۔

أريد أن أموت وأنا أنظر في عيني حبيبي

(مجھے اپنی محبوب آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مرنا ہے)

مصطفیٰ اسکے الفاظ سمجھ نہیں سکا۔ سمجھ بھی جاتا تو مفہوم نہ سمجھتا۔ اسکے بعد ابراہیم کا سر ایک طرف کو گر گیا۔ مصطفیٰ کی آنکھ سے کئی آنسو بہہ کر ابراہیم کے چہرے پر گرے۔ وہاں دوسری طرف مراد اور سکندر آمنے سامنے تھے، سکندر اسے کوئی آسان موت نہیں دینے والا تھا۔ وہ اسے بری طرح پیٹ رہا تھا۔ وہ آج ہر اس غداری کا بدلہ لے رہا تھا جو مراد نے کی۔

''تم نے ایسا کیوں کیا مراد؟'' اسے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھا کر سکندر اس سے مخاطب تھا۔

''تم نے میرے بیٹے کی جان لی تھی سکندر۔ اور میں نے تم سے کہا تھا نا سب کچھ چھینوں گا میں۔''

''تمہارے بیٹے نے بھی تو میرے بیٹے کی جان لی تھی۔ اسکا کیا۔ کیا میں ایک باپ نہیں تھا مراد؟''

''اسکے ذمہ دار بھی تم ہو سکندر۔ تم نے اسکے سامنے مجھے مروانے کی کوشش کی۔ وہ چار سال کا تھا۔ چار سال کا بچہ اگر اپنے سامنے باپ کو تڑپتے دیکھے گا تو اسکا ذہن کیا سوچے گا تمہیں اس بات کا خیال کیوں نہیں آیا؟''

''میں نے انہیں یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اس کے سامنے تمہیں ماریں۔ وہ میرا قصور نہیں تھا۔ مجھے علم ہوتا اس بچے کی موجودگی کا تو میں کبھی ایسا نہ کرتا۔''

''جو بھی ہے اسے لگا وہ تخت نہیں لے گا تو مر جائیگا۔ اس نے زندگی کیلیئے اورہان کو مارا۔ تم اورہان کو اپنے بعد تخت دے دیتے۔ اور اورہان اسے مار دیتا۔ ہر انسان کو زندگی عزیز ہے اسے بھی تھی۔''

سکندر خاموش ہو گیا۔ غلطی کس کی تھی۔ سکندر کی؟ مراد کی؟ قاسم کی؟ تخت کی؟ یا خطا کسی نہیں تھی بات فقط تقدیر کی تھی۔ اسے بری طرح مار کر اسے تکلیف دے کر سکندر نے اسکا سر اسکے تن سے جدا کیا۔

وہ مصطفیٰ کی طرف بڑھا تو اسکی گود میں بیجان ابراہیم کو دیکھ کر سکندر ساکت ہوا۔ ابراہیم کی آنکھیں کھلی تھیں۔ سکندر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ کتنی ہی جنگیں وہ ساتھ لڑ چکے تھے اور آج وہ یہاں اس طرح پڑا تھا۔ یہ آخری جنگ تھی۔ یہ ابراہیم حان کی آخری جنگ تھی وہ شہید ہوا تھا۔ سکندر نے اپنا کتنا کچھ اس ایک دن میں کھویا۔ اس نے ابراہیم کو کھویا اسے لگا اسکی روح اسکے جسم سے پرواز کر چکی، اسے لگا وہ اب بس ایک مٹی کا پتلا رہ گیا۔ سکندر کے پاس اب بہانے کیلئے آنسو نہیں تھے۔ خون کی ایک بوند اسکی آنکھ سے نکل کر ابراہیم کی گال پر گری۔ مزید کچھ بوندیں گریں تو وہ وہاں سے اٹھ گیا۔ اسکی آنکھ میں جلن تھی پچھلے کئی ہفتوں سے مسلسل رونے کے باعث اسکے ساتھ ایسا ہوا تھا۔ یہ پہلی بار تھا وہ اس سے پہلے کبھی اتنا نہیں روتا تھا۔ سکندر نے محل پہنچ کر جو کام سب سے پہلے کیا وہ مراد کا سر اپنی ماں کو بطور تحفہ پیش کرنا تھا۔ سکندر نے بڑے خوبصورت برتن میں اسکا سر سجا کر اپنی ماں کو بھجوایا تھا۔ اور تو رحان سلطان کی سانس رک سی گئی تھی۔ سکندر نے ان سے کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ وہ تھک گیا تھا۔ وہ لوگوں پر چلا چلا کر تھک گیا تھا۔ وہ بس شام میں خاموشی سے اپنی ماں کے پاس گیا انکا تاج اتار کر انکے زیورات چھین کر وہ انہیں قلع یدیکلے لے جانے کا حکم دے آیا تھا۔ وہ کئی عذر پیش کرتی رہیں اور سکندر نے انکی کوئی بات نہ سنی۔ اسکا انداز سرد تھا مگر اسے اب کیا پرواہ تھی۔ اسے اب تو کچھ پراہ نہ تھی اب تو بس پچھتاوے تھے۔ کاش وہ یہ پہلے کر لیتا۔ وہ یہ پہلے کر لیتا تو آج پچھتاوے نہ ہوتے۔

''آہ! ابراہیم کو نہیں مرنا چاہیئے تھا۔'' سکندر نے درد بھرے لہجے میں جواب دیا۔

''تم نے اس سب کے دوران ایک سوال پوچھا تھا، تم نے پوچھا تھا نا کہ ابراہیم کی محبت آشکار ہوئی؟ ہاں اسکی محبت آشکار ہوئی تھی۔ اسکی موت کے بعد سکندر اسکے کمرے میں گیا تھا۔ وہاں اسکے صندوق میں

بہت کچھ تھا۔سکندر نے ایک کتاب اٹھائی۔اسکے پہلے صفحے پر کچھ لکھا تھا۔

''بِاسمِ حبی الاول.....بِاسمِ عشقی الاخیرِ''(میری پہلی محبت کے نام....میرے آخری عشق کے نام)

نا جانے کیوں سکندر نے اسے پڑھنا شروع کیا۔وہ زیادہ لمبی نہیں تھی وہ بس چند صفحات پر مشتمل تھی۔

سکندر نے چند سطور ہی پڑھیں۔

(''ٹرانسلوانیا میں وقت،موسم سب کمال تھا میں سلطان کے ہمراہ محل کے باغیچے میں گشت کرتے ہوئے جب اندر داخل ہوا تو وہ سیرھیوں پر کھڑی تھی۔اس نے رخ اس طرف کیا تو میں بے اختیار اسکی طرف کھنچا چلا گیا۔اسکی آنکھیں جادوئی تھیں۔میں نے اسے دیکھا اور میرے دل نے بے اختیار کہا،

''لاینبغی أن یکون ھنا....بل یحب أن یکون فی نکاحی''(اسے یہاں نہیں ہونا چاہئے....اسے تو میرے نکاح میں ہونا چاہیئے)بس وہ لمحہ تھا اور میں ابراہیم خان اسکا ہی ہو گیا۔میں نے اپنے دل پر اسکے نام کی مہر لگا دی۔میری زندگی میں بس اسی کی جگہ ہے اور ہمیشہ بس اسی کی جگہ رہے گی۔وہ میرے خوابوں میں آتی ہے۔وہ اپسرا ہے۔)آگے کچھ صفحات پر شاعری تھی۔شاعری مکمل طور پر اسکی آنکھوں کیلئے لکھی گئی تھی۔''نیلی آنکھیں''سکندر نے کئی بار یہ لفظ پڑھا۔سکندر کو اندازہ نہیں تھا کہ ابراہیم نے کسی کی محبت میں کتاب لکھ رکھی ہوگی۔اور پھر کہیں کسی ایک جگہ پر بھی نام نہیں تھا۔سکندر نے صندوق دوبارہ کھولا اور اب کی بار اسکی نظر نیچے پڑی تصویر پر گئی۔سکندر نے اسے باہر نکالا اور سکندر حیران رہ گیا۔''نیلی آنکھیں، تصویر،ٹرانسلوانیا......''سب کچھ واضح تھا۔سکندر نے سب کچھ ایک جھٹکے سے صندوق میں رکھا اور باہر چلا گیا۔

''محبت آشکار ہوئی پر بہت دیر بعد۔وہ دونوں اشخاص ہی دنیا سے جا چکے تھے۔لہذا اس سے کوئی فرق ہی نہ پڑا۔بس سکندر کو اندازہ ہوا کہ اسکا بھائی اس کیلئے اپنے دل کی قربانی بھی دے کر گیا تھا۔''

''ابراہیم نے ایک جھلک دیکھ کر ایک کتاب لکھ دی۔وہ اسے مل جاتی تو کیا ہوتا؟''سکندر متجسس سا کہہ رہا

تھا۔

''سکندر سے زیادہ محبت آئینور سے کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں ابراہیم کے کندھوں پر ریاست کا بوجھ نہیں تھا۔ وہ ایسے حالات میں ریاست چھوڑ کر جا سکتا تھا۔ وہ اگر اسکی ہوتی تو ابراہیم اسے لے کر دور چلا جاتا۔ اس کیلئے آسان تھا۔ سکندر یہ نہیں کر سکتا تھا۔ سکندر کے کندھوں پر موجود بوجھ کسی کو نظر نہیں آیا تھا۔'' بزرگ نے کچھ درد سے کہا۔

''اچھا کیا سلطان کو قبر ملی؟'' سکندر کا اگلا سوال دلچسپ تھا۔

''ہاں سکندر نے قبر تلاش کی۔ اسے ملی بھی۔ مگر ایک عرصہ لگا۔ ایک رومال کا علم تھا اسے اور اس رومال کے ذریعے اس نے قبر تلاش کی۔ پھر وہ روز اس قبر پر آنے لگا۔ وہ روز کئی گھنٹے وہاں بیٹھتا مگر کچھ کہتا نہیں تھا۔ معافی مانگنے کیلئے اس کے ہونٹ نہیں کھلتے تھے۔ وہ معافی مانگتے ہوئے شرم محسوس کرتا تھا۔ وہ بس وہاں بیٹھ کر اپنے خسارے پر روتا۔''

''اچھا اور پھر آخر پر کیا ہوا سکندر مرزا کا....''

''میں نہیں جانتا۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ ابھی اختتام نہیں آیا۔ وہ ابھی تک بس اس قبر پر جاتا ہے۔''

''یعنی وہ زندہ ہے؟'' سکندر نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں۔'' بزرگ نے ایک لفظی جواب دیا۔

''اور وہ کہاں ہے؟''

''تمہارے سامنے۔'' بزرگ کا جواب سن کر سکندر کے چہرے کے رنگ اڑے۔ اسے اب اس کہانی کا مقصد سمجھ آ رہا تھا۔ وہ کافی دیر کیلئے خاموش ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرا ڈھکا۔

''تو آپ بابا سے اس لئے معافی مانگ رہے تھے؟'' اب گتھیاں سلجھ رہی تھیں۔
بزرگ نے سرہاں میں ہلایا۔''مگر وہ معاف نہیں کرتا۔ وہ معاف نہیں کرے گا۔ اسے معاف کرنا بھی نہیں چاہیئے وہ ٹھیک کہتا ہے، مجھے مرجانا چاہیئے۔''
''ایسا تو نہ کہیں۔ بابا غلط کہتے ہیں۔ کوئی سکندر مرزا کا غم نہیں دیکھتا۔ کوئی اسکے کندھوں پر موجود بوجھ نہیں دیکھتا، مگر میں دیکھتا ہوں۔ میں سکندر مرزا کے پچھتاوے دیکھ رہا ہوں۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے بزرگ کے ہاتھ پکڑے۔
''اور مجھے لگتا ہے کہ وہ آپکو معاف کر چکے ہیں۔ وہ بس آپ پر غصہ کرنے اور آپ سے نفرت کا دکھاوا کرتے ہیں۔ آپ ہی بتائیں اگر وہ آپ سے نفرت کرتے ہوتے تو میرا نام آپکے نام پر کیوں رکھتے؟''
''تم غلط ہو سکندر، اس نے تمہارا نام میرے نام پر نہیں رکھا۔ اس نے تمہارا نام سکندر رکھا کیونکہ وہ اسکے نام کا حصہ ہے اور مرزا اس لئے کیونکہ اسکی ماں کو مرزا نام پسند تھا۔''
''شاید اسی لئے بابا نے میری چھوٹی بہن کا نام آئینور رکھا۔'' سکندر نے بڑبڑاتے ہوئے آنکھیں بند کیں۔
''اچھا مجھے کچھ اور بھی جاننا ہے۔ باقی سب لوگوں کا کیا ہوا؟ مہر شاہ، عبداللہ، ...ان کا کیا۔''
''سکندر نے اپنی زندگی میں ہی عبداللہ کو نائب مقرر کر کے سلطنت کی باگ اسے تھما دی تھی۔ وہ سلطنت کے امور دیکھتا اور بہترین فیصلے کرتا۔ بہادرری، دلیری، ذہانت، خوبصورتی اسکے پاس سب تھا۔ اب تو اسکا ایک خاندان بھی تھا۔ خدا نے اسے دو شہزادوں سے نوازا تھا۔ جنکے نام اسنے اورہان اور ابراہیم رکھے تھے۔ وہ جانتا تھا میں ان دو لوگوں سے کتنی محبت کرتا تھا۔ وہ تم سے کچھ چھوٹے ہیں۔ اور مہر شاہ، اسکی شادی یاقوت کے بیٹے محمود سے ہوئی تھی۔ محمود ایک جنگ میں شہید ہو گیا۔ وہ اپنی بیٹی کو بھی نہیں دیکھ پایا تھا۔ اسکی شہادت کے دن اسکی بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ اسکی پیدائش کے کچھ دنوں بعد ہی مہر شاہ کا بھی انتقال ہو

گیا۔اس محل میں اسکا واحد سہارا میں ہی تھا۔میں نے اسے مہر شاہ کی طرح پالا۔وہ میرے لئے مہر شاہ ہی تھی۔اور یاقوت اس وقت سلطنت کے وزیراعظم کی حیثیت سے فرائض سرانجام سے رہا ہے۔عتیقہ کچھ عرصہ اپنے دوسرے بیٹے ہارون کے پاس کونیا میں رہی۔اور ابھی تک وہیں تھی۔''

''ایک آخری سوال......سکندر مرزا کو اپنی کس اولاد سے سب سے زیادہ محبت تھی؟''سوال عجیب سا تھا وہ ہنس پڑا۔

''اور ہان...سکندر کو اور ہان سے بے پناہ محبت تھی۔لیکن وہ ایک باپ کی محبت نہیں تھی،وہ ایک سلطان کی محبت تھی۔سکندر اسے اپنے بعد تخت پر بیٹھا دیکھنا چاہتا تھا۔سکندر اسے اپنے بعد ریاست کا وارث بنانا چاہتا تھا۔سکندر کو قابل لوگ عزیز تھے اسے اور ہان بھی عزیز تھا۔

مصطفیٰ...ان کے درمیان ہر وقت حالات موجود رہے تھے۔پتا نہیں سکندر کو اس سے محبت تھی یا نفرت۔کبھی کچھ واضح ہی نہیں ہوا۔بچپن میں وہ سکندر سے دور رہتا تھا کیونکہ اسے لگتا تھا سکندر اسے پسند نہیں کرتا مگر جب ساری غلط فمیاں دور ہوئیں تو سکندر نے خود اپنے ہاتھوں سے اسے خود سے دور کر دیا۔

عبداللہ...وہ سکندر کا واحد بیٹا تھا جو آخری دم تک اس کے ساتھ کھڑا رہا۔مصطفیٰ نے اسے اپنے ساتھ جانے کا کہا تو اس نے اس چھوٹی عمر میں بھی انکار کر دیا،جانتے ہو اس نے کیا جواب دیا،اس نے کہا،''میں بابا کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا،عبداللہ بابا کو کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا۔'' وہ تو ٹھیک کہتا تھا۔اس نے کبھی سکندر کو تنہا نہیں چھوڑا۔مگر سکندر اسے وہ وقت نہیں دے سکا جسکا وہ حقدار تھا۔سکندر اسے وہ توجہ نہین دے سکا۔سکندر اپنی اتنی الجھنوں میں پھنس گیا کہ وہ عبداللہ کے ساتھ کئے گئے وعدے پورے نہیں کر سکا۔اور پھر عبداللہ سکندر سے دور ہو گیا۔اس نے سکندر کو تنہا نہیں چھوڑا مگر وہ پہلے جیسا عبداللہ نہیں رہا۔

وہ بہت بدل گیا تھا۔وہ سکندر سے محبت کرتا تھا مگر اسے لگتا تھا کہ سکندر کو اس کی قدر نہیں تھی سکندر اسکی موجودگی میں بھی مصطفیٰ کا سوچتا تھا۔کمبخت کو صحیح لگتا تھا۔سکندر کو اسکی قدر واقعی نہیں تھی۔سکندر تو خسارے

پر ہی روتا رہا۔

مہر شاہ....سکندر کو سب سے زیادہ محبت اپنی بیٹی سے تھی۔اس نے اپنے بھائیوں کی طرح اپنے باپ سے دوری اختیار نہیں کی تھی۔وہ آئینور اور سکندر کے مسئلے میں نہیں پڑی تھی۔وہ سکندر سے اس بارے میں بات نہیں کرتی تھی۔میں نے ایک بار اس سے پوچھا تھا کہ وہ اپنی ماں کی وجہ سے مجھ سے کیوں نفرت نہیں کرتی؟ تو اس نے کہا،''آپ نے جو غلطی یا گناہ کیا اسکی سزا دینے کا اختیار خدا کے پاس ہے میرے پاس نہیں۔اگر والدہ آپ کے ساتھ ایسا کچھ کرتیں تو میں انہیں بھی یہی کہتی۔میں ایک کیلئے دوسرے کو نہیں چھوڑ سکتی۔'' سکندر نے اس دن سوچا کہ کاش اسے بیٹوں کی بجائے بیٹیوں سے ہی نوازا جاتا۔ وہ میرے ساتھ کھڑی رہی۔آخری وقت تک۔اسکی وفات کے بعد مجھے لگا میں اکیلا ہو جاؤں گا مگر پھر میں نے اس چھوٹی لڑکی کو پالنا شروع کیا۔وہ بہت پیاری ہے۔مہر شاہ کے بعد اگر مجھے کسی سے بے انتہا محبت ہے تو وہ وہی ماہی ہے۔''

بزرگ کی بات ختم ہوئی تو سکندر اٹھ کر باہر چلا گیا۔وہ کمرے سے باہر نکلا تو سامنے مصطفیٰ ہاتھوں میں کچھ پکڑے رو رہا تھا۔شاید وہ کوئی چھوٹی انگوٹھی تھی۔

''بابا'' سکندر کی آواز پر مصطفیٰ نے بوکھلا کر انگوٹھی چھپائی۔

''آپکو کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں ہے میں سب جان گیا ہوں۔'' سکندر مصطفیٰ کے قریب آکر بیٹھا۔

''آپ انہیں معاف کیوں نہیں کر دیتے؟ میں نے انہیں اس قبر پر بیٹھا دیکھا ہے۔آپ اس شخص کے پچھتاووں کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔وہ شخص کتنی تکلیف میں ہے آپ نہیں جانتے۔اگر آپ انہیں معاف کر دیں گے تو انکی تکلیف کم ہو جائے گی۔کوئی نہیں جانتا کہ انکی زندگی کتنی ہے آپ انہیں اب تو اس تکلیف سے آزاد کر سکتے ہیں نا بابا۔''

''مشکل ہے بہت مشکل۔وہ اور ہان سے محبت کرتے تھے۔اور ہان کمال تھا اس سے سب محبت کرتے

تھے۔وہ محبت کے قابل بھی تھا۔والدہ سلطان، یاقوت، شہزادی عتیقہ، میرے اپنے بہن بھائی سب اسی سے محبت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ عوام میں بھی اس کے چرچے تھے۔مگر مجھ سے صرف والدہ اور ابراہیم محبت کرتے تھے۔میں نے والدہ کو ان کی وجہ سے کھویا۔ یہ اتنا آسان نہیں ہے۔انسانوں کو معاف کرنا مشکل ہوتا ہے۔''

''نہیں بابا! انسانوں کیلیئے معاف کرنا مشکل ہوتا ہے۔آپ نے انہیں اس حال میں نہیں دیکھا مگر میں نے دیکھا ہے۔انکی زندگی کا ایک حصہ پچھتاوے میں گزرا اور آگے بھی پچھتاوا ہی رہے گا مگر آپ بابا آپ انکا غم کم کر سکتے ہیں۔وہ آپ سے محبت کرتے تھے۔کم ازکم آپکو اب تو انہیں معاف کر دینا چاہیئے۔صرف معاف کر دیں واپس نہ جایئے گا۔'' سکندر کہہ کر باہر چلا گیا۔مصطفیٰ سوچ میں ہی گم رہا۔ کچھ دیر بعد سکندر واپس آیا تو مصطفیٰ وہاں نہیں تھا۔سکندر ہلکا سا مسکرایا اور پھر کمرے کے باہر جا کر کھڑا ہو گیا۔

''میں نے بہت کوشش کی کہ آپ سے نفرت کروں پر نہیں نفرت نہیں کر پایا۔آپ سے نفرت کرنے کا دکھاوا کر سکا اور وہی کرتا رہا۔آپ سے ملنے کی خواہش مجھے بھی تھی۔اس دن جب آپکو اپنے گھر کے باہر دیکھا تو دل چاہا آگے بڑھ کر گلے لگا لوں پر نہیں کر سکا۔میں نہ آپ سے محبت کر سکا نہ نفرت۔''مصطفیٰ کے ہاتھ میں وہی انگوٹھی تھی جو اسے سکندر نے دی تھی۔مصطفیٰ نے بستر پر لیٹے سکندر کو دیکھا۔انکا بازو انکے چہرے پر تھا۔مصطفیٰ جانتا تھا وہ سوئے نہیں ہیں۔وہ سب سن رہے ہیں۔مصطفیٰ نے انکا بازو نیچے کیا تو سکندر کی آنکھیں بند تھیں۔انکے منہ پر ہلکا سا خون لگا تھا۔مصطفیٰ نے انکی گال تھپکی تو انکا سر ایک طرف لڑھک گیا۔ مصطفیٰ نے کپکپاتے ہاتھوں سے انہیں دوبارہ اٹھانے کی کوشش کی۔اس نے آوازیں لگانا شروع کیں تو کمرے کے باہر کھڑا سکندر اندر آ گیا۔اس نے بستر پر سکندر مرزا کا ہاتھ پکڑے مصطفیٰ کو روتے دیکھا تو وہ بے اختیار پیچھے کو ہوا۔مشکل سے قدم اٹھاتا وہ آگے آیا۔وہ اب میز کے قریب کھڑا

تھا۔ وہاں خون موجود تھا۔ شاید بزرگ سلطان کو خون کی الٹیاں آئی تھیں اور پھر وہ وفات پا گئے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ مصطفیٰ کو آواز دینے لگا۔ مصطفیٰ جو کب سے یونہی بیٹھا رو رہا تھا سکندر کی آواز پر اسکی طرف دیکھنے لگا۔ سکندر نے ایک کاغذ اپنے باپ کی طرف بڑھایا۔ وہ ایک آخری مکتوب تھا جو سکندر مرزا نے اپنے بیٹے مصطفیٰ کے نام لکھا تھا،

"مصطفیٰ سکندر!

میں شاید اس مکتوب کو لکھنے کے بعد زندہ نہ رہوں۔ مجھے نہیں معلوم تم مجھے کب معاف کرو گے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ کسی نا کسی دن تمہارا دل پگھلے گا، ایک دن آئیگا تم مجھے معاف کرو گے۔ ہوسکتا ہے وہ دن میرے مرنے کے بعد آئے مگر مجھے یقین ہے وہ دن آئیگا۔ مجھے تم سے کچھ چاہیئے مصطفیٰ۔ جس دن تم مجھے معاف کردو اس دن محل واپس جانا۔ وہاں اپنا تخت سنبھالنا۔ عبداللہ وہاں میرا نائب ہے تم اسے یہ مکتوب دو گے تو وہ تخت تمہارے حوالے کر دے گا۔ تخت سنبھال کر اسے منیسا کا گورنر مقرر کرنا۔ اسکے اور اپنے بیٹے میں فرق نہ کرنا۔ سب کو انکی اہلیت کے مطابق عہدے دینا۔ اور ہاں مجھے تمہارا بیٹا پسند آیا میں چاہتا ہوں تم اسکی شادی میری نواسی سے کرو مگر اسکی رضا کا خیال رکھنا۔ اگر وہ نہ کر دے تو اسکے لئے کسی اور خاندان کا اعلیٰ لڑکا تلاش کرنا۔ اور ایک آخری التجا میرا دل آئینور کی قبر کے پاس اور میرا باقی جسم شاہی خاندان کے ساتھ دفنانا۔

تمہارا والد

تمہارا گناہگار

تمہارا سلطان

سکندر مرزا"

مکتوب ختم ہوا اور مصطفیٰ نے ایک نظر قریب پڑے اپنے باپ کو دیکھا۔ سکندر مرزا عمر بھر اس غم میں رہا کہ

اسکے بیٹے نے اس معاف نہیں کیا۔اور مصطفیٰ سکندر اپنی باقی زندگی اس غم میں گزارنے والا تھا کہ اس نے اپنے باپ کو معاف نہیں کیا۔اور اسے ایک غم اور بھی تھا۔وہ سکندر کو بتا نہیں پایا کہ وہ مکتوب آئینور کی جانب سے نہیں تھا وہ مکتوب تو مصطفیٰ نے خود لکھا تھا تا کہ سکندر مرزا عمر بھر پچھتاوے میں رہے۔

سکندر مرزا کی لاش محل آ چکی تھی۔اسکی خواہش کے مطابق اسکا دل آئینور کے پاس اور اسکا جسم شاہی خاندان کے ساتھ بڑی مسجد میں ایک طرف دفن کیا گیا تھا۔تخت پر مصطفیٰ سکندر براجمان ہوا۔عبداللہ منیسا کا گورنر مقرر رہوا۔اسکا بیٹا اورہان امرسیا اور ابراہیم کتھایا کا گورنر مقرر رہوا۔اور مصطفیٰ سکندر کا بیٹا سکندر مرزا،ٹرانسلوانیا کا حکمران بنا۔ماہی اور سکندر کا نکاح ہو چکا تھا۔سکندر کمرے میں داخل ہوا تو وہ ایک طرف بیٹھی تھی۔سکندر اسکا آدھا چہرا ہی دیکھ پایا تھا۔محل میں آنے کے بعد یہ سکندر اور اسکی پہلی ملاقات تھی۔وہ اس سے پہلی بار اسکی بیوی کے روپ میں ملی۔ماہ فیروز کو وہ بھولا نہیں تھا مگر اسے اپنے دادا کی آخری خواہش پوری کرنی تھی۔سکندر اسکے سامنے آ کر بیٹھا اور پھر وہ ٹھہر گیا۔اس نے اس سے زیادہ حسین لڑکی نہیں دیکھی تھی۔لمبے ہلکے سنہری بال،سیاہ آنکھیں،اور چہرے پر موجود معصومیت۔سکندر اس سے نگاہیں نہیں ہٹا سکا۔سکندر نے اسکا جھکا ہوا چہرا تھوڑی سے پکڑ کر اوپر کیا۔دونوں کی نظریں ملیں۔

''سکندر،'' اس نے حیرت سے اسے پکارا۔اسکے سامنے بیٹھا شخص وہی تھا جس کی اسے خواہش تھی۔

سکندر کی آنکھوں میں پانی تھا۔کسی نے کہا تھا کہ اگر اسے تمہارے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے تو وہ تمہیں مل جائیگا۔ماہفیروز کو سکندر کے مقدر میں لکھ دیا گیا تھا۔وہ اسے دیر سے ہی سہی مل گئی تھی۔سکندر اب اس کے دونوں ہاتھ چوم رہا تھا۔

ختم شد